سلسلۂ عصمت نمبر ۱۸۳

مسلمانوں کی مائیں

رسولِ عربی اور اُمّہات المومنین کے حالاتِ زندگی

اور

پیغمبرِ اسلام کے نکاحوں کے بارے میں غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب

طبع

از

رازقُ الخیری

دیباچہ

یورپ کے نامور مورخ ایچ جی ویلز نے اپنی مشہور کتاب "دی آوٹ لائن آف ہسٹری" میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے خلاف پیٹ بھر کر زہر اگلا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ویلز کی دریدہ دہنی سے طبیعت پہلے ہی متاثر تھی کہ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" نظر سے گذری، یہ وہ کتاب ہے جس کی شائع ہوتے ہی یورپ کے علمی حلقوں میں دھوم مچ گئی تھی۔ ولیم میور اور ایسی کی کتاب کا نام لڑکپن سے کان میں پڑا ہوا تھا۔ اب جو کتاب کے مختلف ابواب پر نظر ڈالی اور بالخصوص اس حصہ کا مطالعہ کیا۔ جو رسول اکرم کے نکاحوں کے بارے میں ہے تو ایسا محسوس ہوا کہ پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کی نیت ہی سے کتاب لکھی گئی تھی۔ واقعات توڑ مروڑ کر کچھ ایسے انداز میں لکھے گئے ہیں کہ اگر تاریخ اسلام سے واقفیت نہ ہو تو نیت ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے۔ ان دونوں کتابوں نے تحقیق و تجسس پر مجبور کیا تو معلوم ہوا کہ مغرب کا ہر مورخ ویلز اور میور نہیں ہے ان میں جہاں ڈیویز سپرینگر اور لیورن۔ ڈی پریڈی جیسے متعصب مورخین بھی ہیں جنہوں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں وہاں ایڈورڈ گبن۔ گاڈ فیری ہیگنز۔ طامس کارلائل جان ڈیون پورٹ۔ فلپ ہٹی نے ایمان نگل کر قلم نہیں اٹھایا۔ ولیم میور اور دوسرے متعصب مصنفین یورپ کے بہت سے اعتراضات کا جواب سر سید علیہ الرحمتہ نے خطبات احمدیہ میں نہایت مفصل۔ نہایت مدلل اور نہایت موثر دیا ہے مگر پیغمبر اسلام صلعم کے نکاحوں کے بارے میں اعتراضات کا جواب خطبات احمدیہ میں بھی نہیں ہے۔ ساٹھ باسٹھ برس ہوئے دلی کے قریب گوڑ گانوہ کے کسی پادری احمد شاہ نے سنا ہے کہ ایک کتاب شائع کی تھی جس میں

رسولِ اکرم کے نکاحوں پر سخت اعتراضات تھے اور سرسید اس کا جواب لکھ رہے تھے کہ سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اُمہات المومنین پادری کی کتاب کا نام تھا یا سرسید کی کتاب کا تماٹھ دس سال بعد شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم نے اُمہات الامہ لکھی مگر مسلمانوں نے مولوی صاحب مرحوم پر کفر کا فتویٰ لگا کر کتاب جلا دی ۱۹۲۵ء میں والد مغفور حضرت علامہ راشد الخیری کی کتاب "امت کی مائیں" شائع ہوئی جو غیر مسلموں کے عام اعتراضات کا مختصر گر موثر جواب ہے۔ اردو انگریزی میں میری نظر سے جس قدر کتابیں گذریں اور عربی فارسی نیز یورپین زبانوں میں جہاں تک میں تحقیق کر سکا رسولِ اکرم کی ازدواج مطہرات کے مفصل حالات یکجا کرنے کی طرف مؤرخین نے کچھ زیادہ توجہ نہیں فرمائی ضمناً مختصر سا ذکر سرورِ کائنات صلعم کے حالات میں آگیا ہے۔ رسولِ اکرم کے نکاحوں کے بارے میں جو اعتراضات غیر مسلموں کی طرف سے ہوئے ہیں۔ انگریزی میں جسٹس سید امیر علی مرحوم، مولوی محمد علی لاہوری اور حافظ غلام سرور وغیرہ نے اپنی کتابوں میں ان کے مدلل مگر مختصر جوابات دیئے ہیں مگر ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری جو نہ محض حسنِ عقیدت سے لکھی گئی ہو نہ غیر متعلق واقعات سے ضخامت بڑھائی گئی ہو بلکہ ازواج مطہرات کے زیادہ سے زیادہ تاریخی تحقیقی واقعات کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک نکاح پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہو اور مجموعی طور پر صحیح واقعات اور حقائق پر نظر ڈال کر نکاحوں کی مصلحت، ضرورت اور نتائج دکھائے گئے ہوں اور پھر یورپ کے اہلِ اعتراضات سامنے رکھکر ایسی کتاب لکھی گئی ہو۔

میرے لئے یہ کام بڑی جسارت تھی مگر یورپ کے بے بنیاد اتہامات اور لغو الزامات میں برداشت نہ کر سکا۔ اور دو سوا دو سال تک دن رات تفاسیر اور

احادیث اور تاریخ وسیرۃ کی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد مسلمانوں کی ماؤں کے حالات اور رسول اکرم صلعم کے نکاحوں پر یورپ کے اعتراضات کا جواب پیش کر رہا ہوں۔

راہبانہ لاطینی زبان میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ لتھڑی ہوئی ہیں گالیوں سے۔ ایسی ایسی رکیک اور فحش باتیں ہیں کہ شرم وحیا اپنا منہ پیٹ لے۔ مقصد ان گالیوں سے صرف یہ تھا کہ عیسائی دنیا کو ہمیشہ کے لئے اسلام سے نفرت ہو جائے۔ ایک عیسائی مصنف ہی کا قول ہے کہ "مسلمان نویں صدی سے تیرھویں صدی تک جاہل یورپ کے روشن دماغ معلم بنے رہے"۔ اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ پادری سائنس کے سخت خلاف تھے کیونکہ پیغمبر اسلام کے جھنڈے تلے سائنس یورپ لائی گئی تھی اور قدامت پرست عیسائیوں کے نزدیک ہر وہ چیز ذلیل تھی جو پیغمبر اسلام کے نام سے وہاں آئی لیکن مورخ کی شان ان لغویات سے بلند وبالا ہے۔ وہ خوب اچھی طرح تحقیق وتلاش کے بعد صحیح واقعات قلم بند کرتا ہے۔ وہ اگر تنگ نظر تنگ دل تنگ حوصلہ ہے تو اپنا فرض بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ بعض مغربی مورخین نے کچھ شک نہیں رسول پاک کی سیرت پر کتابیں لکھنے میں بہت محنت کی ہے۔ اس سلسلہ میں سر سید احمد لکھتے ہیں "یہ گروہ ایک زبردست مغالطہ میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنے ہاں کی مقدس کتابوں کو جن میں تاریخی واقعات بھی ہیں بمنزلہ وحی یعنی کلام الٰہی سمجھتے ہیں اور ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک۔ حالانکہ ان میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح انہوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھی اپنی حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بے نقص سمجھتے ہوں گے۔ اس

خیالِ خام سے انہوں نے تمام حدیثوں اور روایتوں کو ناقابلِ خطا تصور کر کے اسلام پر سخت طعن و تشنیع کی ہے مسلمان اپنے ہاں کی حدیثوں اور روایتوں کو اس وقت صحیح سمجھتے ہیں جب ان کے لئے کافی ثبوت اور معتمد سند پاتے ہیں ورنہ ان کی کچھ حقیقت نہیں" سرسید احمد علیہ الرحمۃ کی اس رائے سے ہمیں اتفاق نہیں۔ البدایۃ ابن اسحاق مسعودی وغیرہ کو جنہوں نے احتیاط اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ جن کی روایتیں مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہیں۔ ان کو تو تنگ نظر متعصب مغربی مورخین نے اہمیت نہ دی اور واقدی جیسے غیر مستند مورخوں کی جھوٹی روایتوں کو بنیاد ٹھیرا کر اپنی کتابیں لکھیں حالانکہ محدثین مفسرین محققین اور مورخین اسلام ان روایتوں کو صحت سے بہت دور سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ مغربی مورخین کو یہ معلوم نہ ہو کہ مسلمانوں کے نزدیک کون معتبر اور مستند ہیں اور کون نہیں۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں مگر جب انہوں نے میلاد ناموں معراج ناموں تک کی نہایت ضعیف غیر مستند روایات اور شاعرانہ تشبیہوں تک کو تاریخی واقعات قرار دے لیا تو ان کا جو مقصد ہوگا وہ ظاہر ہے۔

عصمت، کراچی
۲۰۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء

رازق الخیری

فہرست

باب پہلا

عرب کا زمانہ جہالت

عربوں کا تمدن صفحہ ۱۲

پیغمبرِ اسلام کا خاندان

باب دوسرا

انسانِ کامل ـــــ محمد رسول اللہ ؐ

باب تیسرا

مسلمانوں کی مائیں

۱۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی

۲۔ اُم المومنین حضرت سودہ رضؓ

۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

۴۔ اُم المومنین حضرت حفصہ رضؓ

۵۔ اُم المومنین حضرت زینب ہلالیہ اُم المساکین

۶۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضؓ ✓

۷۔ اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش

۸۔ اُم المومنین حضرت جویریہؓ ✓

۹- اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ

۱۰- اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ

۱۱- اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ

آخری بیوی

رسول اللہ کی بیویوں کی معاشرت

ماریہ قبطیہ اور ریحانہ

باب چوتھا

اعتراضات کا جواب

باب پہلا

عرب کا زمانۂ جہالت

اسلام سے پہلے تمدّنِ عرب
اور
رسولِ عربی کا خاندان

اسلام سے پہلے تمدنِ عرب

عربوں کا تمدن

ملک عرب پرانے تین برِ اعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے وسط میں واقع ہے۔ اس ملک کی آبادی کی ابتدا پیغمبرِ اسلام سے ڈھائی ہزار سال قبل حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ہوئی تھی۔ سرورِ کائنات کی پیدائش سے قبل کا زمانہ عرب "ایامِ جہالت" کہلاتا ہے۔ اور اس دور کے عرب تصنع اور تکلف سے دور سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ لوگ بھیڑ بکریاں، اونٹ گھوڑے پالتے۔ ان کا گوشت کھاتے۔ اُن کا دودھ پیتے۔ اُن کے بالوں کے کمبل بنا کر اوڑھتے بچھاتے اور ٹاٹ بُن کر اُن سے خیمہ بنا کر ان میں رہتے تھے۔ یہی ان کا گھر ہوتا تھا۔ کچھ مدت ایک جگہ رہ کر پھر کسی اور میدان میں پہنچ جاتے اور وہاں خیمے لگا کر رہنے لگتے۔ ان کا لباس بغیر کترا بغیر سلا ایک تہمد ہوتا جو کمر سے باندھ لیا جاتا۔ ان کے مویشیوں سے اُن کی امیری غریبی کا پتہ چلتا تھا۔ وہ لوگ گناہ چھپاتے نہ تھے بلکہ اپنی بُرائیوں اور کمزوریوں کی شیخی بگھارتے تھے۔ جس سے دشمنی ہوتی، چوری چھپے نہیں ڈنکے کی چوٹ اور للکارے پکارے کھلم کھلا یہودیوں کی طرح دھوکہ میں دشمنوں کو نہ رکھتے تھے۔ شجاع اور

نڈر تھے۔ اُن کو ڈرپوک کہہ دینا بہت بڑی گالی اور انتہائی توہین تھی۔ ہر خطرہ میں پڑنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ڈر و خوف وہ جانتے ہی نہ تھے۔ اُن کی عورتیں بھی جانباز اور جری تھیں اور مردوں کے دوش بدوش رہتی تھیں۔ انہیں اپنی آزادی ہر چیز سے زیادہ عزیز اور محبوب تھی۔ ہر قبیلہ بلکہ ہر خاندان اپنے وجود کے لئے سر دھڑ کی بازی بے خوف و خطر لگا دیتا تھا۔ مہمان نوازی انہیں حضرت ابراہیمؑ سے ورثہ میں ملی تھی۔ مہمان کی انتہائی خاطر مدارات ہر فرد کا سب سے بڑا فرض تھا۔ جب کوئی مہمان ان کے ہاں آتا تو اونٹ یا بھیڑ جیسی حیثیت ہوتی ذبح کرتے تھے۔ وہ شخص بہت معزز سمجھا جاتا تھا، جس کے ہاں رات بھر آگ سلگتی تھی۔ جو بات زبان سے کہہ دیتے پتھر کی لکیر ہوتی۔ اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جاتی وہ اپنی زبان سے نہ پھرتے چاہے جان و مال و اولاد کی قربانی ہی کرنی پڑتی۔ ان کی شاعری معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کا حافظہ بے مثل تھا۔ دُنیا کی تاریخ میں کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حافظہ میں اُن کا مقابلہ کر سکتی۔ ان کو بچیس بچیس تیس تیس پشتوں تک کا شجرہ ازبر تھا۔ بڑی بڑی کلاسیکل نظمیں حفظ تھیں۔ انہیں کی اولاد میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت علی تھے جو قرآن مجید کی طویل سورتیں ایک دفعہ سُن کر کبھی نہ بھولتے۔ اشعار بڑے بڑے قصیدے پڑھتے۔ جو ان حضرات کو ایک دفعہ سُن کر ازبر ہو جاتے تھے،

اِن صفات کے باوجود عربوں میں بہت سی برائیاں تھیں جنہوں نے اُن کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اور انہیں کی وجہ سے وہ زمانہ "ایام جہالت" کہلاتا ہے۔

بُت پرستی

حضرت موسیٰ کو احکام عشرہ عطا ہونے سے قبل عرب میں پانچ نبی پیدا ہو چکے تھے۔ ہود۔ صالح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ شعیب (علیہم السلام) ان انبیا نے لوگوں کو راہ راست پر چلانے کی کوشش کی مگر ان کی تلقین یہ لوگ بھول چکے تھے۔ حضرت ابراہیم فلسطین مصر کی مصائب کے بعد حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت حاجرہ کو لے کر بحر احمر سے ۴۰ میل دور ایک بنجر پہاڑ کی وادی میں اس جگہ آ گئے جو مکّہ کہلاتی ہے۔ یہاں بی بی ہاجرہ نے رہنے کے لئے گھر بنا لیا مگر کچھ مدت بعد حضرت ابراہیم نے اس جگہ خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ تعبیر حیثیت کی دنیا کی پہلی مسجد تھی۔ جو خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنائی گئی۔ حضرت ابراہیم اس کی خدمت حضرت اسمٰعیل کے سپرد کر کے اپنی قوم میں چلے گئے۔ اسی زمانہ میں لوگ مکّہ معظمہ میں آباد ہونے شروع ہوئے اور ابراہیمی دین اختیار کیا جس کو دین حنفی کہتے ہیں۔ اہل مکّہ اب خدائے واحد کی عبادت کرتے، خانۂ کعبہ کو محترم سمجھتے اور اس کا طواف کرتے تھے جب یہ لوگ مکّہ سے مختلف مقامات میں پھیلے تو کعبہ کا ایک ایک پتھر اپنے ساتھ برکت کے خیال سے لیتے گئے اور اس کی تعظیم کرنے لگے۔ اس طرح ان میں پھر شرک شروع ہو گیا۔ جب مکّہ کی تولیت عمر بن لحئی خزاعی کے سپرد ہوئی اور وہ شام گیا اور لوگوں سے بُت پرستی کی وجہ پوچھی اور انہوں نے بتایا کہ یہ قحط میں پانی برساتے اور جنگ میں فتح دلاتے ہیں تو اس نے چند مورتیاں اپنے ساتھ لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیں اور پھر عرب خود مورتیاں بنانے لگے۔ سرور کائنات کی پیدائش کے وقت کعبہ میں سب سے بڑے بُت ہبل کے ارد گرد جو عقیق

کا بنایا گیا تھا۔ ۳۶۰ بت تھے گویا ہر دن کا ایک بت۔ ہر قبیلہ کا بت الگ الگ تھا اور مختلف شکلوں کی مورتیاں تھیں۔ وداد اور سواع مرد کی شکل کے بت تھے۔ یغوث شیر کی شکل کا۔ یعوق گھوڑے کی اور نسر چیل کی شکل کے۔ کعبہ کی چھت پر ایک بت شمن بھی تھا۔ کعبہ کے اندر ابراہیمؑ اسمعیلؑ عیسیٰؑ مریم کے بت بھی تھے۔ ینبع کے قریب بنی ہزیل کا بت سواع تھا۔ بنی جرش کا بت یغوث اور بنی نیوان اور ہمدان کا یعوق تھا جس کی پرستش اہل یمن کرتے تھے قبیلہ کلب واد کو دیوتا سمجھتے۔ طائف میں لات اور مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید میں سمندر کے کنارہ منات کا بت قبیلہ خزرج کا تھا۔ مکہ اور عراق کے درمیان ایک میدان میں بنی کنعان کا بت عزیٰ تھا۔

ان بتوں کو وہ خدا نہیں مگر خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے[۱]

حجر اسود کو وہ نشیب کا پتھر اور کعبہ کو خانۂ خدا سمجھتے تھے۔ کعبہ میں جمع ہو کر خدا کی عبادت کرتے مگر ننگے ہو کر کیونکہ ان کا عقید تھا کہ کعبہ پاک جگہ ہے کپڑے گناہوں میں لتھڑے ہوتے ہیں۔ بتوں پر وہ مختلف قسم کی نذریں چڑھاتے تھے اور منتیں مانتے تھے۔

پتھر کی مورتیوں کے علاوہ وہ چاند سورج اور ستاروں مشتری زہرہ عطارد کی بھی پرستش کرتے تھے۔

عرب کے جاہلت کے دور میں خالد ابن سنان یوکرب قطنمہ ابن صفوان ✓

---

[۱] مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ہم ان بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کردیں گے" قرآن مجید باب ۲۹ سورۂ زمر آیت ۳

ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے بُت پرستی کے خلاف وعظ کہے مگر ان کی قوم پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ضعیف الاعتقادی

دورِ جہالت کے عرب استخارہ اور پیشینگوئی کے قائل تھے۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل یا جب کوئی کام شروع کرتے تو بتوں کے پُجاریوں کے پاس جاتے۔ وہ تیروں سے فال نکالتے۔ اگر تیر پر ہاں ہوتا تو کام کرتے ورنہ نہیں۔ دیو، جن بھوت اور بھتنوں پر عام اعتقاد تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جن عام طور پر ویرانوں میں، جنگلوں میں اور صحراؤں میں رہتے ہیں اور انسان کو نظر نہیں آتے۔ جو آدمیوں کے ساتھ رہتے وہ امر کہلاتے تھے جو بچوں کو ستاتے تھے ان کا نام روح تھا جو پرلے درجہ کے شریر تھے ان کا نام شیطان۔ جو ان سے بھی بڑھ کر تھے وہ عفریت کہلاتے تھے۔

بعض قبیلوں میں رواج تھا کہ کسی کے مرنے پر اس کی قبر پر اونٹ ذبح کر دیا جاتا یا بھوکا مار اجاتا تھا تاکہ وہ مرنے والے کی دوسری زندگی میں اس کی سواری کا کام دے۔ ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ روح جب انسان کے جسم سے نکل جاتی ہے تو ایک پرندہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو صدا یا ہما کہلاتا تھا۔

نجومیوں اور جادوگروں پر عام اعتقاد تھا۔ وہ کاہن کہلاتے تھے اور عبادت گاہوں میں رہتے تھے۔ جب ان سے مستقبل کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ کچھ پڑھتے اور ان پہ دورہ سا پڑتا اور مستقبل کا حال بتاتے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ اور اس طرح انہیں معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ یہ لوگ عام آدمیوں سے بالاتر سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ غیب کی خبریں بتانے کی قدرت انہیں حاصل ہوتی تھی۔ کاہن

صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی بد ذوقتیں

شاعری

اس زمانہ کے عرب پڑھے لکھے نہ تھے لیکن فصاحت و بلاغت ان کے گھر کی لونڈیاں تھیں اور شاعری کا گھر گھر چرچا تھا۔ مرد ہی نہیں عورتیں اور بچے بھی شعر کہتے تھے۔ لیکن چونکہ ان میں اکڑ اور عصبیت انتہا درجہ کی تھی اور اپنے سوا سب کو حقیر سمجھتے تھے اس لئے ان کی شاعری میں بالعموم اپنے اپنے قبیلہ کی بڑائی ہوتی تھی یا جوئے شراب کی تعریف۔ اپنی محبوبہ کا ذکر اپنے اشعار میں نہایت بے شرمی مگر فخر کے ساتھ کرتے تھے۔ جس قدر عریانی اور بے حیائی کا اظہار زیادہ سے زیادہ ہوتا تھا اتنا ہی قابل تعریف قصیدہ سمجھا جاتا تھا۔ امرالقیس کو زمانہ جہالت کی عرب شاعری میں وہی درجہ حاصل ہے جو انگریزی ادب میں شکسپیر کو۔ اس نے اپنی بدکاری اور عیاشی کا ڈھنڈورہ اپنی مشہور نظم لامیہ میں پیٹا ہے۔ اس میں بے حیائی اور عریانی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ہر بڈھے اور جوان ہر زبان پر اس کی یہ نظم تھی۔ شعرا کا درجہ عام انسانوں سے بلند تھا۔ اور شاعر فوق الفطرت سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر شاعر کے قبضہ میں ایک جن ہے۔ اور جس کا کلام جس قدر اچھا ہے اتنا ہی بڑا جن اس کے قبضہ میں ہے۔ ایک شاعر کا درجہ سو لڑنے والوں سے بھی زیادہ تھا۔ کیونکہ اس کے اشعار سے لڑنے والوں کے حوصلے بڑھتے تھے۔ جو کلام بہترین سمجھا جاتا کعبہ میں لٹکا رہتا تھا۔

جنگ وجدال

اہل عرب انتہا درجہ کے وحشی۔ جنگجو۔ فسادی۔ لڑاکو جھگڑالو تھے۔ ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار۔ ایک قبیلہ دوسرے

قبیلہ کا دشمن ہوتا تو یہ دشمنی برسوں چلتی رہتی۔ اسلام سے نصف صدی قبل کا زمانہ ایام العرب کہلاتا ہے جس میں ۱۳۱ لڑائیاں ہوئیں۔ بنو عباس اور بنو زبیان کا جھگڑا چالیس سال تک چلا۔ تلوار بات بات میں میان سے باہر آجاتی تھی۔ گھوڑ دوڑ کی قواعد کا کسی نے خیال نہیں رکھا اور بس تلوار کھنچ گئی۔ ایک عورت تھی باسوس اس کی اونٹنی کسی ایک اور قبیلہ کی چراگاہ میں چلی گئی تو یہی نہیں کہ اونٹنی کو زخمی کر دیا گیا بلکہ قبائل میں جنگ چھڑ گئی۔ قبیلہ بکر اور قبیلہ تغلب کی خونریز جنگ میں ان قبیلوں کے کئی معزز سردار مارے گئے۔ اسلام سے کچھ عرصہ قبل ہی یہ جنگ ختم ہوئی تھی۔ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی دوسرے قبیلہ کے آدمی کے ہاتھ سے مارا جاتا تو جب تک اس سے بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ یہ جنگ بھی پشت ہا پشت چلتی رہتی تھی۔

لوٹ مار قزاقی

سفاکی اور بے رحمی ان لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ بالطبع یہ لوگ ظالم اور سنگدل تھے۔ قتل و غارت گری اور خونریزی کوئی بات ہی نہ تھی۔ زندہ اونٹ کی پیٹھ میں سے بے دردی کے ساتھ وہ گوشت کاٹ لیتے اور موٹی بھیڑ کی دُم کاٹ کر بھون کر کھاتے تھے۔ دشمن کو موقع ملنے پر مقفل کر دیتے اور وہ بھوکا پیاسا سسک سسک کر مرجاتا تھا۔ گھوڑے کی دُم سے عورتوں کو باندھ کر گھوڑے سرپٹ دوڑاتے اور عورتیں تڑپ تڑپ کر مرجاتیں اُمراء کے لئے یہ دلچسپ تفریح ہوتی تھی۔ جنگ کے قیدیوں کو ہی نہیں ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ زندہ انسانوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیتے اور خوشی مناتے تھے۔ بچوں کو تیروں کا

نشانہ بنا کر دل بہلاتے تھے۔ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو چبھو کر دشمن کو مارتے تھے۔ مردوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتے تھے اور کان ناک کا ہار بنا کر عورتیں گلے میں پہنتی تھیں۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالتے تھے۔

شراب خوری مے پرستی میں سارا عرب مبتلا تھا۔ سو سے زیادہ قسم کی شراب پی جاتی تھی۔ کوئی وقت معین نہ تھا دن میں کئی کئی دفعہ پی جاتی اور پیٹ بھر کر پی جاتی اور نشہ کی حالت میں جائز ناجائز کا امتیاز نہ رہتا تھا۔ جب قرآن مجید نے شراب کو حرام قطعی قرار دیا اور شراب کے سب برتن توڑ دیئے گئے تو مدینہ کی سڑکوں پر شراب اس طرح بہتی تھی جس طرح بارش کا پانی۔

جُوا جوا ہر قبیلہ اور ہر خاندان میں کھیلا جاتا تھا۔ مختلف طریقوں سے ہار جیت سے بھی ان میں آپس کی دشمنی ہو جاتی جو جوا کھیلنے میں زیادہ مہارت رکھتا وہ زیادہ قابلِ عزت سمجھا جاتا۔ شیخی بگھارنا توان کا وصف ہی تھا۔ شاعری میں بھی جوئے کی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی تعریف کی جاتی تھی۔ ایک شاعر نے اپنی بیوی کو وصیت کی تھی کہ "میرے بعد تو اس شخص سے شادی نہ کیجیو جس میں عاجزی، انکساری ہو۔ جو جُوا نہ کھیلتا ہو اور لوگوں سے الگ الگ رہتا ہو۔"

ناچ گانا شراب کے نشہ میں مست ہو کر بے حیائی کے ساتھ وہ لوگ گاتے تھرکتے اور ناچتے تھے۔ عورتوں کا ایک طبقہ جو کیان کہلاتا تھا۔ اپنی بداخلاقی اور بدکاری کے لئے ضرب المثل تھا۔

سُود در سُود

ضرورت مندوں کو روپیہ قرض دے کر خوب لوٹتے تھے سُود زیادہ سے زیادہ مقرر کرتے تھے۔ اگر معینہ مدت میں رقم وصول نہ ہوتی تھی تو مقروض کے بیوی بچوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔

عورتوں کی حالت

عورت کی کوئی عزت، کوئی وقعت کوئی حیثیت نہ تھی۔ مرد جتنی چاہتا شادیاں کرتا۔ بیشمار عورتوں سے ناجائز تعلقات ہوتے۔ جس وقت چاہتا عورت کو طلاق دے دیتا اور پھر طلاق کے بعد مقررہ وقت تک عورت اس کے پاس آتی تو وہ چاہے پھر بیوی بنا لیتا یا بالکل علیحدگی اختیار کرتا اگر پھر بیوی بنا لیتا تو جب اس کا جی چاہتا پھر طلاق دے دیتا۔ اس طرح ہزار دفعہ طلاق دے کر واپس لے سکتا تھا۔ اور یہ رواج عدّہ کہلاتا تھا۔ شوہر یا باپ کے مرنے پر ان کی ملکیت میں عورت کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بلکہ وہ خود مرنے والے شوہر کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ باپ کی موت پر سوتیلی ماں بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ اور وہ اُسے اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ ایک وقت میں دو حقیقی بہنیں ایک ہی شخص کی بیویاں ہو سکتی تھیں۔ اگر شوہر بیوی سے کسی بات پر ناراض ہوتا تو کہہ دیتا کہ میں تیرے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ کو ہاتھ لگاؤں تو گویا میں نے اپنی ماں یا بہن کے ہاتھ لگایا اس دستور کو ظہار کہتے تھے۔ شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کو کم سے کم ایک سال تک اس کا سوگ منانا پڑتا تھا۔ طلاقن کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا شادی شدہ عورتوں کو اولاد کے لئے دوسرے مردوں سے تعلقات رکھنے کی شوہر کی طرف سے اجازت تھی۔ اور یہ رواج استبضا کہلاتا تھا اور ہندوؤں کی

رسم نیوگا کی طرح تھا۔ اس طرح جس عورت کے ہاں بچہ ہوتا وہ اس کے باپ کا نام اس شخص کا بتاتی تھی جس سے اس کی شکل ملتی تھی۔ مرد، عورت کے تعلقات کے قصے نہایت بے شرمی سے بیان کئے جاتے تھے۔ بڑے بڑے نامور لوگ عورتوں کو علانیہ اشعار میں مخاطب کیا جاتا تھا۔ محبوب کی تعریف میں جو بنی ہوتی تھی نفس پرستی پر نہایت فحش گیت گائے جاتے اور قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ عیاشی اور بدکاری عام تھی۔ عورتیں بن سنور کر بازاروں میں جاتیں اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرتیں۔ جنگ احد میں ابوسفیان (ابن حرب بن معاویہ) کی بیوی ہندہ نے قریش کے اسفل جذبات کو ابھارنے کے لئے جو گیت گایا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ تم آگے بڑھے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گے۔ تمہارے لئے بستر آراستہ کریں گے اور تمہاری خدمت میں حاضر رہیں گے۔

قریش اور بنی تمیم اس قدر سنگدل، سفاک اور بے رحم ظالم تھے[1]، ۹ - ۶ سال کی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایک شخص تھا قیس بن عاصم۔ اس نے دس لڑکیاں زندہ زمین میں گاڑی تھیں۔ ایک بچی کو دفن کرنے کا حال وہ خود بیان کر رہا ہے "ساڑھے تین سال بعد میں پردیس سے آیا تو تین سال کی بچی کو دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگا۔ اس کی ماں نے میری بہت منت خوشامد کی مگر اس کی گریہ وزاری کی میں نے بالکل پرواہ نہ کی اور دوسرے دن جب اُسے نہلا دھلا کپڑے پہنا دلہن بنا اس کی ماں نے تیار کر دیا تو میں نے اُسے

---

[1] واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت (قرآن مجید) اور جس وقت لڑکی جو زندہ درگور کی گئی تھی پوچھا جائے گا کس قصور کے بدلے میں ماری گئی۔
(پ ۳۰ سورۃ تکویر آیت ۸ و ۹)

گود میں اُٹھایا اُس نے اپنے ہاتھ گلے میں ڈال دیئے۔ میں اُسے لے کر چلا اور جب گڑھا کھودا اور اُسے دفن کرنے کے لئے اٹھایا تو میرے چہرہ پر جو خاک پڑگئی تھی اُسنے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پونچھی مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا اور میں نے اُسے زندہ دفن کردیا

یہودی بُت پرستوں کے علاوہ جو بہت بڑی اکثریت میں تھے عرب میں تھوڑی تعداد میں یہودی اور عیسائی۔ آتش پرست۔ ستارہ پرست بھی آباد تھے۔ عرب میں یہود کی ابتدا حضرت عیسٰی سے تقریباً پانچ سو سال قبل ہوئی اور انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کی کوشش کی اور یمن میں یہودی حکومت قائم ہوگئی۔ یہودیوں نے حضرت موسٰی کو طرح طرح سے پریشان کیا تھا۔ ان کی اصلاح کے لئے حضرت عیسٰی آئے تو ان کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ غرض جو نبی آیا اُسے ستایا یہاں تک کہ سرورِ کائنات کو بھی ایک عورت کے ذریعہ زہر دیا۔ بُت پرستوں کے اور ان کے تمدن میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ بے حد لالچی۔ خود غرض۔ زر پرست سود خوار۔ جھگڑالو۔ بدنیت بدطینت اور کینہ پرور لوگ تھے اور ہمیشہ ذلیل حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت عزیر کو یہودی ابن اللہ کہتے تھے۔ اور مرد عورتوں کو خدا کے بیٹے بیٹیاں۔ آگ کو پوجتے تھے اور اپنی بہن بیٹیوں کو بیویوں کی طرح رکھتے تھے۔

عیسائی بُت پرستوں اور یہودیوں کے علاوہ کئی قبیلے عیسائیوں کے بھی تھے۔ شراب۔ ناچ گانا۔ لوٹ مار میں وہ دوسرے

تقابل سے ہیٹے نہ تھے۔ حضرت عیسٰی کی تعلیم کے خلاف اپنے بھائی سے محبت کرنے کی بجائے ان کا قول تھا اپنے بھائی کو مار ڈالو۔ حضرت عیسٰی کو وہ خدا کا بیٹا کہتے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کی حالت کا اندازہ شہنشاہ جولیس کے اس قول سے ہوسکتا ہے۔" وحشی درندے بھی آدمی کے ایسے کٹر دشمن نہیں جیسے عیسائی آپس میں ہیں"۔ مشہور عیسائی مورخ ولیم میور جس نے رسولِ اکرم کے خلاف خوب پیٹ بھر کر زہر افشانی کی ہے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ" اس زمانہ میں عیسائیت کی حالت انتہائی خراب تھی"۔

رسول کی ضرورت

یونان اور ہند کی عظیم الشان سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ اسیرین اور سپارٹن اپنی اپنی بہار دکھا کر ختم ہو چکے تھے۔ مصر اور چین کی قدیم تہذیب میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اہلِ بابل اور اہلِ فارس کے کان ایمان اور انصاف سے کوسوں قدر اور تہذیب سے ناآشنا تھے۔ یورپ اور مغربی ایشیا میں زبردست کی خدائی تھی۔

پڑوسی ملکوں کا اثر عرب پر پڑا تو اس قدر گہرا اور اتنا زبردست کہ عربوں کا تمدن بالکل خراب ہوگیا۔ جوا، شراب، ضعیف الاعتقادی، بت پرستی کونسا عیب تھا جو اُن میں نہ تھا۔ بے حیائی۔ بے غیرتی۔ بے حمیتی۔ بے شرمی، بد معاشی لوٹ مار، قتل و غارت۔ قزاقی راہ زنی۔ کونسا گناہ تھا جو وہ نہ کرتے اور پھر اس پر فخر نہ کرتے تھے۔ معصوم بے قصور بچیوں کو زندہ دفن کر دینا اور زندہ انسانوں کو آگ میں جلا ڈالنا۔ دشمن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھونا اور

تڑپا تڑپا کر سِسکا سِسکا کر مارنا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالنا حد کی شقاکی اور سنگدلی کی۔ اور انتہا بے دردی اور بے رحمی کی۔ خدا کا نام کبھی ان کی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ اور انسانیت کند چھری سے ذبح ہو رہی تھی۔ گری ہوئی قوموں کی اصلاح کے لئے خدا نے ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں اپنے نیک بندے بھیجے جنہیں اہل کتاب پیغمبر کہتے ہیں۔ ابراہیم۔ صالح۔ لوط۔ شعیب۔ سلیمان داؤد۔ یعقوب۔ عیسٰی۔ موسٰی سب اپنی اپنی قوم کو راہ راست پر چلانے کی غرض ہی سے مبعوث ہوئے مگر کچھ کم ڈیڑھ ہزار سال قبل اہل عرب کی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار نے ان سے پہلے کی سب قوموں کو مات کر دیا تھا۔ ان کا تمدن ٹوٹ چکا تھا۔ دُنیا بھر کی بُرائیوں کا اور ان کی معاشرت لتھڑی ہوئی تھی بدتر سے بدتر اور سنگین سے سنگین گناہوں سے۔ ان کی اصلاح کے لئے، ان کی تلقین کی غرض سے ان کو راہِ راست دکھانے کے واسطے ضرورت تھی اور سخت، قانون قدرت کا تقاضہ تھا اور شدید کہ ان میں رسول بھیجا جائے۔ دُنیا کی تاریخ میں دُنیا کو کسی نجات دہندہ کی اس سے قبل ایسی ضرورت کبھی نہ ہوئی تھی۔ بالآخر غیرتِ حق جوش میں آئی اور سرورِ کائنات کو بھیجا جنہوں نے ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں عرب کے بُت پرستوں کو باخدا انسان بنا دیا۔ اور جو وحشی درندوں سے بدتر تھے وہ دُنیا کی ایک بہترین منظم جماعت میں تبدیل ہو گئے۔

نسب نامۂ رسول

ہم یہ کتاب اس غرض سے لکھ رہے ہیں کہ پیغمبر اسلام (صلعم) کی ازواج مطہرات کے حالات زندگی تاریخی حیثیت سے پیش کئے جائیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلعم کے نکاح و

پر غیر مسلم مورخوں نے جو زہر اُگلا ہے اور اسلامی نکاحوں پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کو واقعیت کی روشنی میں دیکھیں اور یہ مؤثر اسی وقت ہو سکتا ہے جب رسول عربی کی پاک زندگی کا خاکہ ذہن میں ہو لیکن اللہ کے آخری نبی کے حالات سے قبل یہ دکھانا ضروری ہے کہ مکہ والوں میں آپ کا خاندان کس قدر باوقعت تھا۔ جو لوگ آدمی تو آدمی کتوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھتے اور خرید و فروخت کے وقت ان کی نسل دیکھتے تھے جن لوگوں میں پندرہ پندرہ بیس بیس پشت تک ایک ایک نام بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ ان میں کسی شخص کی سب سے بڑی خوبی خاندانی شرافت دیکھی جاتی تھی لہٰذا ہمیں سب سے پہلے رسول اللہ کے خاندان پر ایک نظر ڈالنی پڑے گی۔

یورپ کا مشہور مورخ اڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ "محمد کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افترا ہے ایسا افترا کرنے سے بجائے اس کے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹائیں اس کی خوبیوں کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں۔ اسمٰعیل سے ان کی نسل کا ہونا ایک تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایات سے ثابت شدہ ہے۔" نامور مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ نسب آنحضرت (صلعم) کا عدنان تک متفق علیہ ہے۔ بغیر اختلاف کے۔ اور اس میں بھی کہ عدنان اولاد اسمٰعیل بن ابراہیم میں ہے کچھ اختلاف نہیں ہے۔"

یہ دونوں بیان سرسید احمد خاں مرحوم کی کتاب خطبات احمدیہ سے منقول ہیں۔ عدنان دوم سے رسول عربی تک سلسلۂ نسب تاریخ کی اکثر کتابوں میں موجود ہے سرسید احمد مرحوم نے حضرت اسمٰعیل سے عدنان دوم تک کا نسب نامہ بھی دیا ہے جو یہ ہے:-

۱۔ حضرت اسمٰعیل (۱۹۱۰ قبل مسیح) بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سلسلہ نسل

۲۔ قیدار
۳۔ عوام
۴۔ عوص اوّل
۵۔ مُہرا
۶۔ سمائے
۷۔ رواح
۸۔ ناجب
۹۔ معصر
۱۰۔ ابہام
۱۱۔ افتاد
۱۲۔ علیسے
۱۳۔ حسان
۱۴۔ عنقا
۱۵۔ ارعوا
۱۶۔ بلخی
۱۷۔ بجرے
۱۸۔ ہرلمی
۱۹۔ یسن
۲۰۔ حمران
۲۱۔ الرعا
۲۲۔ عبید

۲۲۔ عبید بن ۱۱ یا ابن حمران
۲۳۔ عنف
۲۴۔ عسقی
۲۵۔ ماحی
۲۶۔ ناحور
۲۷۔ ناجم
۲۸۔ کلح
۲۹۔ بدلان
۳۰۔ یلدرم
۳۱۔ حرا
۳۲۔ ناشل
۳۳۔ ابی العوام
۳۴۔ تباویل
۳۵۔ برو
۳۶۔ عوص دوم
۳۷۔ سلامان اوّل
۳۸۔ المسیع دوم
۳۹۔ ادو اوّل
۴۰۔ عدنان اوّل سنہ ۶۰۰ قبل مسیح

۴۱۔ معد اوّل بن عدنان اوّل
۴۲۔ حمل
۴۳۔ نابت
۴۴۔ سلامان دوم
۴۵۔ المسیع دوم
۴۶۔ الیسع
۴۷۔ ادو دوم
۴۸۔ اد
۴۹۔ عدنان دوم

رسولِ عربی کا شجرہ نسب

عدنان دوم (حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم کی انچاسویں پشت ہیں)

معد ثانی
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی

قصی بن کلاب بن مرہ
عبد مناف
ہاشم — عبد شمس
عبد المطلب — امیہ
عبد المطلب: عبد اللہ، ابو طالب
عبد شمس: امیہ، حرب، ابو سفیان

محمد رسول اللہ (حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم کی سترویں پشت میں) ۵۷۰ء

پیغمبر اسلام کا خاندان

کعبہ کی تولیت

اب سے تقریباً چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل نے اس جگہ جہاں مکہ آباد ہوا دنیا کی پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی شروع میں خانہ کعبہ بغیر چھت کی چار دیواری تھی۔ اور کئی سو سال تک بغیر چھت کی چار دیواری رہی۔ حضرت ابراہیم کعبہ کی بنیاد ڈال کر اپنی قوم میں چلے گئے اور حضرت اسمٰعیل خانۂ خدا کی خدمت کرتے رہے۔ سب سے پہلے یہاں قبیلۂ جرہم آباد ہوا۔ اور جب پہاڑی نالے سے کعبہ ڈھے گیا تو اس نے دوسری مرتبہ بنایا۔ حضرت عیسٰی کی پیدائش سے تقریباً سو سال قبل کبھی پہاڑی نالوں کے سیلاب سے کعبہ کو نقصان پہنچا تو تیسری مرتبہ تعمیر قبیلۂ عمالیق نے کی۔ حضرت اسمٰعیل نے قبیلۂ بنی جرہم میں اور ان کے بیٹے نابت نے بنی خزاعہ میں شادیاں کیں اور نسل ابراہیم بڑھتے بڑھتے خود ایک بڑا قبیلہ بن گئی۔ عرب کے دوسرے قبائل نے بھی دین ابراہیم اختیار کیا اور خانۂ کعبہ عرب کا معبد قرار پایا۔ لوگ ہر سال کعبہ کی زیارت کو آتے اور حضرت ابراہیم کے بتائے ہوئے طریقے پر خدا کی عبادت کر کے واپس ہوتے۔ کعبہ کی خدمت کرنے والے اور متولی حضرت اسمٰعیل کے بعد مدتوں ان کی اولاد رہی۔ اُن کی ذمہ داریوں کے ساتھ ان کا اقتدار اور اختیار بھی وسیع ہوتا گیا۔ حضرت اسمٰعیل کے بیٹوں میں قیدار زیادہ

مشہور ہوئے اُن کی اولاد میں اڑتالیس پشت کے بعد عدنان دوم کا نام آتا ہے جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح کعبہ کے متولی تھے اور مکہ میں گویا ان ہی کی حکومت تھی۔ کچھ عرصہ بعد کعبہ کی تولیت بنو اسمٰعیل سے نکل کر بنی جرہم کے ہاتھ میں چلی گئی اور پھر بنو عمالیق کے۔ چونکہ عرب میں وہ لوگ سب سے زیادہ قابل وقعت و عزت تھے جن کا تعلق خانہ کعبہ کی تولیت سے تھا اس لئے بنو اسمٰعیل اور بنی جرہم نے مل کر بنو عمالیق کا مقابلہ کیا اور ان پر غالب آگئے لیکن ایک عرصہ کے بعد بنو خزاعہ اور بنو بکر نے ان کی جگہ لے لی اور اس وقت تک کعبہ کے متولی رہے جب تک کہ عدنان دوم کی اولاد میں قصیٰ نے مکہ پر قبضہ نہیں کیا عدنان دوم کی ساتویں پشت میں ایک شخص گذرا ہے نضر بن کنانہ اس نے اپنے خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا بعض مورخین کہتے ہیں کہ نضر نے نہیں بلکہ اس کے پوتے نے اپنے خاندان کو قریش کہنا شروع کیا اس سے پہلے یہ خاندان کنانی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

قُصیٰ نہایت دلیر سخی اور نیک طینت تھا۔ بنو خزاعہ کا ایک ممتاز سردار تھا خلیل خزاعی اور متولی تھا خانۂ کعبہ کا قُصیٰ کی نیک چلنی اور شائستگی سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی جبی کو اس کے نکاح میں دے دیا۔ خلیل خزاعی نے کعبہ کی تولیت ابو غبشان خزاعی کو دے دی مگر قُصیٰ نے شراب کی مشکیں اونٹ اور کپڑے دے کر اس سے خرید لی مگر بنو خزاعہ سے جنگ کرنی پڑی بالآخر سب نے قُصیٰ کو کعبہ کا متولی اور مکہ کا خود مختار حاکم تسلیم کر لیا۔ اور عرب میں سب سے زیادہ قابل تعظیم اور لائق احترام اس وجہ سے سمجھا جانے اور عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا کہ اس کے ذمہ

یہ چھ خدمتیں تھیں (۱) حجاج کو پانی پلانا (۲) حاجیوں کو کھانا دینا (۳) مقدس معبد کی حفاظت (۴) صدر انجمن بننے کا حق (۵) جنگ میں علم برداری (۶) جنگ میں سپہ سالاری کعبہ کی تعمیر چوتھی دفعہ قصیٰ ہی نے آنحضرت کی پیدائش سے قریباً دو سو سال قبل اس وجہ سے کی تھی کہ پہاڑی نالوں کے سیلاب سے جا بجا سے ٹوٹ گیا تھا۔ اب تک خانۂ خدا کی چار دیواری ہی تھی۔ قصیٰ نے چھتیں پاٹ دیں۔ اور کعبہ کے گرد مکانات بنائے ۴۸۰ء میں قصیٰ کا انتقال ہوا۔

قصیٰ کے بیٹوں میں دو زیادہ مشہور ہیں۔ عبدالدار جو باپ کے بعد اس کی جگہ سردار قوم مقرر ہوا۔ اور عبد مناف۔ عبدالدار نے اپنی خوشی سے عبد مناف کو سب عہدوں میں شریک رکھا مگر اس کے مرنے پر دونوں کی اولاد میں جھگڑا شروع ہو گیا اور آخر طے یہ ہوا کہ تین عہدے یا تین خدمتیں عبدالدار میں رہیں۔ اور تین بنو عبد مناف میں۔ عبد مناف کے دو بیٹے جڑواں تھے ہاشم اور عبد شمس جو تین عہدے عبد مناف کے سپرد ہوئے تھے اس کے بعد ان میں قیادت یعنی جنگ میں سرداری عبد شمس کو دی گئی اس کے بعد اس کا بیٹا امیہ پھر امیہ کے بعد اس کا بیٹا حرب اور حرب کے بعد اس کا بیٹا ابو سفیان اس عہدے کو سنبھالے رہے۔ کھانا دینے اور پانی پلانے کی خدمتیں ہاشم کے سپرد کی گئیں۔ ہاشم کے بعد ان کے فرزند عبد المطلب پھر ان کے بیٹے ابو طالب کو پھر ان کے بھائی عباس کو اور ان کے بعد ان کی اولاد کے سپرد ہوئی اور پانی پلانے کا عہدہ عبد المطلب سے ان کے چچا نوفل بن عبد مناف نے چھین لیا۔ اور ان کے کچھ مکانات اور زمین بھی غصب کی مگر چند سال بعد پھر عبد المطلب کو یہ عہدہ مل گیا اور ان کے بعد ابو طالب کے

سپرد ہوا اور پھر ان کے بھائی عباس کے۔

ہاشم ہاشم بن عبد مناف بن قصیؔ دولت مند مگر فیاض اور سخی تھا۔ اور تقریر بھی اچھی کرتا تھا۔ سارے عرب میں اس کی عزّت تھی۔ علاوہ خاندانی عظمت اور آبائی شرف و بزرگی کے وہ مردانہ حسن کی مکمّل تصویر تھا۔ خزرجیوں کے ایک قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب کی ایک شریف النسب لڑکی سلمٰی سے اس نے شادی کی جس کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ ۵۱۰ء میں ہاشم کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمطّلب ہاشم کے لڑکے شیبۃ الحمد جو بعد میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابھی شیرخوار ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کی ننھیال یثرب میں تھی (مدینہ ہجرت سے قبل یثرب کہلاتا تھا) وہیں ان کا بچپن گذرا۔ ان کے چچا مطلب بن عبد مناف کے ذمّہ حجاج کی مہمانداری کا عہدہ تھا ان کے انتقال کے بعد یہ خدمت عبدالمطلب کے سپرد ہوئی جب یہ سن شعور کو پہنچے تو ان میں باپ کی بہت سی خوبیاں نمایاں تھیں۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ رمضان کے مہینہ میں حرا پہاڑ پر چلے جاتے اور خدا کی عظمت پر گھنٹوں غور و فکر کرتے۔ یہ بھی محتاجوں مسکینوں کی مالی مدد کرتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔ پرندے تک ان کے دسترخوان سے پیٹ بھرتے۔ ان کی عادات پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ سے مکہ والے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ۸۲ سال کی عمر پائی۔ ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ چاہ زمزم جو حضرت اسمٰعیل کے وقت میں برآمد ہوا تھا اور ایک مدت سے جس کا نشان نہ رہا تھا

اس کا پتہ لگ گیا۔

اصحاب فیل کا حملہ

جس سال آنحضرت کے والد اور عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کی شادی ہوئی، اُس سال ایک بڑا زبردست واقعہ پیش آیا۔ یمن کے عیسائی خاندان ابرہہ کے بادشاہ اشرم نے مذہبی تعصب کی بنا پر خانہ کعبہ ڈھانے کے لئے ایک خونخوار عظیم لشکر سے ہیبت ناک ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ پر حملہ کر دیا۔ مکہ والے بہادر اور جانباز ضرور تھے مگر انہوں نے ایسے مہیب اور خوفناک جانور اتنی زبردست فوج نہ دیکھی تھی وہ بھاگ کر مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے اور صرف چند آدمی کعبہ کی حفاظت کو رہ گئے۔ ابرہہ اشرم کو معلوم ہوا کہ کعبہ میں کچھ لوگ موجود ہیں تو اُس نے گفتگو کے لئے اہل مکہ کے سب سے بڑے قابل اعتماد اور معزز شخص کو بلایا۔ چنانچہ عبدالمطلب گئے اور ابرہہ اشرم صاف صاف کہہ دیا کہ میں مکہ لوٹنے کے لئے نہیں کعبہ ڈھانے کی غرض سے آیا ہوں۔ عبدالمطلب یہ کہتے ہوئے واپس آ گئے کہ جس کا گھر ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ اپنے عظیم لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبہ کے دیواریں نظر آنے لگیں تو پرندوں کی بہت بڑی فوج پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں لئے ہوئے مکہ کی سمت غربی سے نمودار ہوئی اور ہاتھی والوں پر کنکریاں برسانی شروع کر دیں۔ قرآن مجید باب ۱۰۵ سورہ کیف[1] میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان کنکریوں سے ابرہہ اشرم کا لشکر ختم ہو گیا اور وہ خود مارا گیا۔ (اس کے بعد اس کا بیٹا ابرہہ مسروق یمن کا بادشاہ ہوا)

---

[1] ترجمہ یہ ہے:۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ ان کا مکر کیا گمراہی (و ضلالت میں) نہ کر دیا۔ اور ان کے اوپر پرندے (جماعت در جماعت) بھیجے۔ جو کنکر سے پتھر پھینکتے تھے۔ پس کر دیا ان کو مانند بھس کھائے ہوئے۔

ابو طالب

عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں جن سے دس اور بقول بعض تیرہ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں عقل و فراست کے لحاظ سے ابو طالب سب سے ممتاز تھے۔ اور عبدالمطلب کے بعد کعبہ کی خدمت کا عہدہ انہیں کے سپرد ہوا۔ باپ دادا سے ہمدردی انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ انہوں نے فراخ دلی سے خدمتِ خلق میں روپیہ خرچ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی مالی حالت کمزور ہوگئی تو اپنے بھائی عباس سے انہوں نے پہلے دس اور پھر چار ہزار درہم قرض لئے اور وعدہ کے مطابق وقت پر نہ ادا کر سکے تو کعبہ کی جو خدمت پانی پلانے کی ان کے سپرد تھی اس پر عباس کو معاہدہ کے مطابق مامور کیا گیا۔ حضرت علی جن کی خدمات کا اسلام ہمیشہ معترف رہے گا انہیں کے بیٹے تھے اور سرورِ کائنات کی انہوں ہی نے پرورش اور تربیت کی تھی۔

عبداللہ

عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے عبداللہ۔ ان کی والدہ تھیں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر میرے دس لڑکے ہوئے اور سب زندہ رہے تو ایک لڑکے کو خدا کے نام پر قربان کر دوں گا۔ قربانی کے لئے قرعہ کے ذریعہ عبداللہ کا نام نکلا اور عبدالمطلب نے بیٹے پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو عبداللہ نے جن کی رگوں میں ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل کا خون دوڑ رہا تھا باپ کی منشاء کے آگے گردن جھکا دی۔ عبدالمطلب بیٹے کو لیکر کعبہ میں گئے تو عبداللہ کی بہنیں ساتھ تھیں وہ رونے لگیں اور باپ سے کہا ان کے بدلے اونٹ ذبح کر دیئے جائیں۔ قریش نے بھی مشورہ دیا کہ ایفائے وعدہ کے لئے اونٹ ذبح کرکے منت پوری ہوسکتی ہے۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کئے اور بچہ کو لیکر گھر آئے

عبداللہ جوان ہوئے تو آبائی شرف و عظمت کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق و عادات اور صبی شرافت اور گفتگو اور کردار میں خاص کشش تھی۔ ہاشم کا پوتا مردانہ حسن میں دادا سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ یہودیوں کے پاس حضرت یحییٰ کا ایک جبہ تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس میں سے جب خون ٹپکے گا تو وہ آنے والے پیغمبر کے باپ کی پیدائش کا زمانہ ہوگا۔ چنانچہ اس جبہ میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس لئے اپنے عقیدہ کے بموجب وہ خاص طور پر عبداللہ پر نظر کئے ہوئے تھے۔ یثرب (مدینہ) میں وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ سے اُن کی شادی بعمر ۲۴ سال ہوئی

بی بی آمنہ

بی بی آمنہ بنو زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی لڑکی تھیں ان کی ماں کا نام تھا برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبد الدار۔ اُن کی شرافت ذہانت متانت کا کنبہ بھر میں چرچا شروع ہو چکا تھا۔ ان کی والدہ کی جانب سے عبداللہ کی دادی کو بی بی آمنہ کی نسبت بھجوائی گئی۔ وہب مر چکے تھے اُن کے بھائی وہیب یعنی چچا کی سرپرستی میں بی بی آمنہ کا قریش کے ایک بڑے مجمع میں عبداللہ سے نکاح ہوا اس وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال تھی مگر چند ماہ بعد ہی جب عبداللہ بسلسلہ تجارت شام سے واپس آئے۔ رحلت کی اور بی بی آمنہ کا سہاگ ختم ہو گیا۔ بی بی آمنہ نے اپنے شوہر کی موت پر جو مرثیہ کہا تھا وہ طبقات ابن سعد جلد اول میں موجود ہے ترجمہ یہ ہے: "ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی طرف جا کر چھپ گیا وہ قبر میں بہادروں کی بانگ و خروش کے ساتھ جا سویا آہ موت نے اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہ چھوڑی۔ شام کے وقت اس کے دوست اس کی لاش اٹھا کر کندھے بدلتے چلے اور اس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے موت نے اُسے ہم سے جدا کر دیا مگر اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ بہت فیاض تھا اور غریبوں کا ہمدرد"۔ عبداللہ کی موت کے دو ماہ بعد رسول اللہ پیدا ہوئے

باب دُوسرا

انسانِ کامل ــــــ محمد رسول اللہ

انسانِ کامل ۔ محمد رسول اللہ

پیدائش اور بچپن

پیر کا دن ربیع الاوّل کا مہینہ بارہ تاریخ اور صبح صادق کا وقت تھا کہ رسولِ عربی دنیا میں تشریف لائے۔
عیسوی سال ۵۷۱ء اور اپریل کی ۲۲ تاریخ تھی۔ بعض محققین بجائے ۱۲ کے ربیع الاول کی ۹ تاریخ لکھ رہے ہیں۔ اور بعض کی تحقیق یہ ہے کہ عیسوی سال ۵۷۰ء اور اگست کی ۲۹ تاریخ تھی۔

عبدالمطلب نے پوتے کا نام محمد رکھا جس کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ ننھیال کی طرف سے آپ کا نام احمد رکھا گیا۔

اس زمانہ کے عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں بلکہ انائیں اپنے گھر بچوں کو لے جاتی تھیں۔ اور قریش کے بچے پاس پڑوس کے گاؤں کی صاف ستھری ہوا میں اناؤں کے ہاں بھیج دیئے جاتے تھے بی بی آمنہ نے تین دن اپنے بچے کو دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے پھر شرفاء مکہ کے دستور کے مطابق بی بی آمنہ نے قبیلۂ ہوازن کی رہنے والی دایہ حلیمہ سعدیہ کے سپرد اپنے کلیجہ کا ٹکڑا کر دیا۔ دائی حلیمہ کے شوہر حارث اور بیٹی شیما نے آمنہ بی بی کی امانت کو سر آنکھوں پر رکھا اور دو سال بعد جب رضاعت

کا زمانہ ختم ہوا تو دائی حلیمہ بچہ کو لے کر واپس آئیں مگر اس زمانہ میں مکہ میں وبا پھوٹی ہوئی تھی، اس لئے عبدالمطلب اور بی بی آمنہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو حلیمہ سعدیہ کے ساتھ ہی واپس بھیج دیا کہ جب شہر میں وبا نہ رہے تو لے کر آجائے مگر آنحضرت ۶ سال کی عمر تک حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں رہے۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد ایک دن جبکہ آپ تشریف فرما تھے، حلیمہ سعدیہ ملنے کی غرض سے آئیں تو دیکھتے ہی جذبۂ احترام سے ذرا کھڑے ہو گئے اور اپنی جگہ انہیں بٹھایا اور بڑی تعظیم سے پیش آئے۔ اسی طرح تیمات بلکہ تمام بنو سعد سے محبت سے پیش آتے تھے۔

ماں کی موت

بی بی آمنہ اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو سینہ سے چمٹا کر نہال نہال ہو رہی تھیں کہ انہیں خیال آیا کہ بچہ کو لے کر شوہر کی قبر پر جاؤں۔ خسر پر ارادہ ظاہر کیا اور اجازت ملنے پر اپنی لونڈی ام ایمن کو ساتھ لے کر یثرب روانہ ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت کی عمر ۶ سال تھی۔ یتیم عبداللہ، ماں کی انگلی پکڑے حسرت و یاس سے کبھی باپ کے مزار کو دیکھتا کبھی ماں کے چہرے کو جو آنسوؤں سے تر تھا۔ شوہر کے مزار سے واپس آکر بی بی آمنہ نے ماموں کے یہاں ایک ماہ قیام کیا اس کے بعد کے واپس ہو رہی تھیں کہ راستے میں بیمار ہو گئیں۔ ان کی قسمت میں بچہ کی بہار دیکھنی نہ تھی۔ ابوا کے میدان پر وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں بن ماں کے بچہ پر برکت نامی ایک عورت کو رحم آیا اور اس نے آپ کو عبدالمطلب تک پہنچایا۔ ہجرت کے بعد ایک بار حج کو جاتے ہوئے الحدیبیہ کے راستہ میں آنحضرت اپنی والدہ کی قبر پر گئے تو ان کے لئے دعا مانگی۔ اور بے ساختہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

کا سفر کیا تھا۔ ابو طالب تجارتی اغراض سے شام جایا کرتے تھے۔
پہلا سفر بارہ سال کی عمر میں کیا تھا۔ دوسرے سفر میں[1] جب ابو طالب کا قافلہ بصرہ کے کوہستان کے دامن میں پہنچا تو وہاں آپ نے پڑاؤ کیا عیسائیوں کا ایک بڑا راہب بحیرا اس جگہ اپنے گرجا میں رہتا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھا تو چونک کر ابو طالب سے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا میرا لڑکا۔ آپ سے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے آپ نے فرمایا میرے بزرگ بت پرست ہیں۔ مگر میں نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ پھر اس نے سوال کیا تم نے یہودیوں کی آسمانی کتاب پڑھی ہے آپ نے فرمایا میں امی ہوں۔ بحیرہ چلا گیا مگر کچھ دیر بعد پھر آیا اور ابو طالب سے کہا آپ تو کہتے تھے یہ میرا بیٹا ہے اسے تو یتیم ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا ہاں یہ یتیم اور میرا بھتیجا ہے۔ یہ سن کر اس نے آپ کی پشت دیکھی تو وہ نشان نظر آیا جو مہرِ نبوت کے متعلق اس نے آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا۔ اس نشان اور آپ کے چہرہ کو دیکھ کر ابو طالب سے کہا کہ اس بچہ کا بہت خیال رکھئے۔ میں اس میں ایسی نشانیاں دیکھتا ہوں جو آسمانی کتابوں میں آنے والے پیغمبر میں بتائی گئی ہیں۔ یہودیوں سے اس کی حفاظت کیجئے۔

کعبہ کی تعمیر پانچویں دفعہ آنحضرت کے لڑکپن کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ایک عورت خوشبو کی دھونی غلاف کو دے رہی تھی کہ چنگاری اڑ کر غلاف پر جا پڑی اور کعبہ میں آگ لگ گئی۔ اور دیواریں گر پڑیں۔ مرمت کعبہ میں سب قوموں اور قبیلوں نے حصہ لیا۔ آنحضرت بھی پتھر مٹی ڈھو رہے تھے۔ اور بارہ تیرہ سال کی عمر تھی۔ آنحضرت کے چچا عباس نے اس خیال سے کہ ٹوکری میں بوجھ زیادہ تھا تکلیف نہ ہو بھتیجے کا تہمد کھول دیا۔ یہ وہ زمانہ نہ تھا جب عرب اس عمر کے

ملہ[1] بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا ثابت نہیں ہوتا

لڑکوں کے لئے تہمد ضروری نہیں سمجھتے تھے شرم کا یہ عالم تھا کہ تہمد کھلتے ہی غش آگیا اور اس وقت تک زمین پر پڑے رہے جب تک تہمد باندھ دیا گیا۔

غیرت اور حیا ہی نہیں۔ رحمدلی، سکینی، سادگی۔ وعدہ وفائی۔ راست گوئی اہل مکہ آپ کی ذات میں دیکھ رہے تھے۔ اور دیانت و امانت اور حسن معاملہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ الامین کہنے لگے۔

فجار کی لڑائیاں قریش کے دو قبیلوں کنانہ اور ہوازن میں اس زمانہ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخری لڑائی میں جب آپ پندرہ برس کے تھے۔ ابو طالب کے ساتھ آپ نے شرکت تو کی مگر کسی پر حملہ نہیں کیا۔ تیر اٹھا اٹھا کر آپ اپنے چچا کو دے دیتے تھے۔ بعض مورخین لکھ رہے ہیں یہ لڑائیاں قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئیں۔

جوانی مکہ کے نوعمر جب فتنہ و فساد۔ شراب اور جوئے میں اپنا وقت گذارتے اور نوجوان لہو و لعب اور ناچ رنگ میں مبتلا ہوتے تو آپ اپنے چچا ابو لہب کی بھیڑ بکریاں مکہ کی وادیوں اور پہاڑیوں میں چرانے جایا کرتے اور وجود باری پر غور فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا ایک واقعہ خود بیان فرمایا تھا۔ کہ میں نے ایک دن اپنے چرواہے۔ ساتھی سے کہا آج تم میری بکریوں کا خیال رکھنا میں شہر جا کر دیکھوں کہ جوان کس طرح راتیں مناتے ہیں میں ایک گلی میں پہنچا تو کسی کے ہاں شادی تھی اور ناچ گانا ہو رہا تھا۔ اندر جانا چاہا تو نیند معلوم ہوئی۔ ایک پتھر پر سر رکھ لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو سورج نکل رہا تھا۔ دوسری رات پھر جانا چاہا مگر نیند کا غلبہ تھا سڑک ہی پر سو گیا پھر کبھی ایسا خیال نہ آیا۔

کعبہ کی مرمت ختم ہو چکی ہے۔ اب صرف حجر اسود کو کھڑا کرنا ہے۔ ہر شخص کی دلی آرزو ہے کہ یہ عزت میں حاصل کروں۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ آخر طے یہ ہوا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے گا۔ اس کا فیصلہ سب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو لوگ رات بھر اس لئے جاگے کہ علی الصبح پہنچ جائیں گے وہ سوتے ہی رہے اور آپ سب سے پہلے خانہ کعبہ میں پہنچے چنانچہ آپ سے فیصلہ کے لئے کہا گیا۔ تو آپ نے ایک بڑی سی چادر بچھا کر پتھر اس پر رکھ دیا اور کہا ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو پکڑ لے۔ ہر قوم کی نمائندگی ہو جائے گی۔ اس طرح جب پتھر جگہ پر پہنچا دیا گیا۔ تو آپ نے سب کی اجازت سے نصب کر دیا۔

بی بی خدیجہ کی ملازمت

ابو طالب کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی کہ عرب میں کال پڑا اور ایسا سخت کہ دولت مند بھی چیخ اٹھے۔ ابو طالب بھی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بہن عاتکہ کے مشورے سے یہ طے کیا کہ بھتیجے کو اب باقاعدہ کسی کام سے لگا یا جائے۔ ان کا ذہن خویلد کی بیٹی خدیجہ کی طرف گیا جو مکہ کی مشہور دولت مند خاتون تھیں اور جنہیں تجارت کے سلسلہ میں دیانت دار آدمیوں کی اکثر ضرورت رہتی تھی۔ ابو طالب نے آپ کو خدیجہ کے ہاں ملازمت کر لینے کا مشورہ دیا جس پر آپ رضا مند ہو گئے۔ ابی الحمسا نے جو بعد میں صحابہ رسول میں سے ہوئے بی بی خدیجہ کے ہاں آپ کی ملازمت سے قبل کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ "میں نے حضور سے وعدہ کیا تھا کہ فلاں جگہ فلاں وقت ملوں گا۔ اتفاق سے میں بھول گیا۔ دوسرے دن بھی یاد نہ رہا۔ تیسرے دن

میں مقررہ وقت پر پہنچا تو دیکھا حضور میرا انتظار فرما رہے ہیں" منجملہ دوسرے واقعات کے ممکن ہے ایفائے وعدہ کا یہ واقعہ بھی خدیجہ بنت خویلد کے کان تک پہنچا ہو۔ آپ کے خلق اور راست بازی سے وہ باخبر تھیں اور جانتی تھیں کہ اہل مکہ آپ کو الامین کہتے ہیں۔ انہوں نے بے تامل آپ کو ملازم رکھ لیا۔

سفر شام

ملازمت کے چند روز بعد ہی خدیجہ بنت خویلد نے آپ کو سامان تجارت دے کر بصرہ کی طرف روانہ کیا اور اپنے غلام میسرہ کو ہدایت کر دی کہ ان کے کسی معاملہ میں دخل نہ دینا اور جو کچھ دیکھو آکر حرف بحرف بیان کرنا میسرہ کو ساتھ لے کر آپ قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور بصرہ سے چند میل پہلے ایک مقام پر رات گذارنے کے لیے قافلہ اتر پڑا۔ قریب ہی ایک جھونپڑی میں توریت و انجیل کا ایک جید عالم نسطورہ رہتا تھا۔ وہ اپنی جھونپڑی سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس وقت جب قافلہ کا ہر آدمی ہنس بول رہا ہے۔ تن تنہا ایک شخص خاموش بیٹھا کسی فکر میں محو ہے۔ اس نے پوچھا یہ کون شخص ہے میسرہ نے حالات بتائے اور ساتھیوں نے آپ کے خلق اور حسن سلوک کا ذکر کیا تو نسطورا نے تعجب سے کہا کہ یہ حالات تو آنے والے پیغمبر کے ہیں جس کی خبریں ہماری کتابیں دے رہی ہیں۔ آدھی رات کے وقت وہ پھر جھونپڑی سے نکلا تو دیکھا کہ جب دنیا میٹھی نیند کا لطف لے رہی تھی۔ آپ عالم استغراق میں تھے وہ آگے بڑھا آپ کے چہرہ مبارک کو کچھ دیر دیکھتا رہا اور اپنی جھونپڑی میں قدوس قدوس کہتا واپس چلا گیا۔

دوسرے دن قافلہ شہر پہنچا۔ مال کی خرید و فروخت ہوئی اور بی بی خدیجہ کا

مال بہت اچھے منافع پر فروخت ہوگیا اور قافلہ واپس مکہ آیا۔

بی بی خدیجہ سے نکاح

بی بی خدیجہ یہ تو پہلے ہی سمجھ رہی تھیں کہ محمد معمولی شخص نہیں اب ادھر تو تجارتی مال میں غیر معمولی منافع ہوا اُدھر میسرہ نے راستہ کے واقعات سنائے۔ ان کے دو شوہر یکے بعد دیگرے دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور وہ دنیا سے متنفر سی ہوگئی تھیں۔ وہ اکثر خانہ کعبہ جاتیں۔ خدا ترسی کی وجہ سے وہ طاہرہ کہلاتی تھیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداران سے نکاح کے خواہشمند تھے مگر انہوں نے صاف جواب دیدیا تھا۔ مگر آپ کے واقعات سفر سُن کر انہیں خیال ہوا کہ جس پیغمبر کے آنے کی بشارت دی گئی ہے ممکن ہے وہ یہی ہوں اور اس سے بڑھ کر اور کونسی خوش نصیبی ہو سکتی تھی کہ وہ رسول کی بیوی ہوں۔ اس لئے انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعہ تحریک نکاح کی جس نے جا کر آنحضرتؐ سے گفتگو کی۔ بی بی خدیجہ قریبی رشتہ میں چچا کی بیٹی تھیں۔ اس وقت اُن کی عمر چالیس سال تھی اور آپ ۲۵ سال کے تھے۔ ابو طالب نے بی بی خدیجہ کی اجازت سے پانچ سو سکہ طلائی مہر پر خطبۂ نکاح پڑھایا۔ اس نکاح کی خوشی میں بی بی خدیجہ نے اپنی تمام لونڈیاں آزاد کر دیں صبح آپ نے اونٹ ذبح کر کے ولیمہ کیا۔

اولاد

بی بی خدیجہ سے رسول اللہ کے چھ بچے ہوئے دو لڑکے قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں زینب۔ رقیہ۔ اُم کلثوم اور فاطمہ زہراؑ۔

زید

زید بن حارث بی بی خدیجہ کے ایک غلام تھے جنہوں نے بڑی قیمت پر خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ آپ نے زید کو آزاد کر دیا

مگر وہ آپ کا دامن شفقت چھوڑ کر نہیں گئے۔ ان کی آزادی کی خبر ان کی قوم کو ہوئی تو وہ اپنے بچہ کو لینے کی غرض سے آئے۔ جس شخص کو آنحضرت سے واسطہ پڑتا تھا وہ آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ زید نے چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا میں اس شخص کا دامن کس طرح چھوڑ دوں جو محتاجوں غریبوں مسکینوں یتیموں کا سب سے بڑا مددگار ہے۔ جس نے کبھی مجھے کوئی سخت لفظ نہیں کہا جب ...ت کی نرمی سے جب کسی کام کو کہا محبت سے۔ آپ نے جب یہ دیکھا کہ زید آزاد ہو کر بھی آپ سے جدا ہونے اور اپنے چچا کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں تو آپ انہیں لے کر خانہ کعبہ گئے اور خدا کی قسم کھا کر کہا یہ آج سے میرا بیٹا ہے چنانچہ اس دن سے "زید بن محمد" کہلانے لگے۔

عبادت میاں بیوی کے تعلقات اس قدر خوشگوار تھے کہ کبھی نام کو بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ شوہر امین تھے تو بیوی طاہرہ۔ بی بی خدیجہ نے شوہر کی خدمت میں کوئی کسر نہ رکھی مگر اس کے باوجود جوں جوں وقت گذر رہا تھا۔ تلاشِ حق میں آپ کا انہماک ترقی کر رہا تھا۔ بتوں کے آگے کبھی آپ نے سر نہ جھکایا تھا۔ نہ جہالت کی کسی رسم میں شریک ہوئے تھے جب آپ تیس سال کے ہوئے اکثر جنگل پہاڑوں میں نکل جاتے اور رمضان کے مہینہ میں خاص طور پر مکہ سے دو میل دور جبلِ ثور پر غار حرا میں مراقبہ اور عبادت میں مصروف رہتے یہاں تک کہ کئی کئی دن گذر جاتے۔

نبوت جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو (۶۱۱ عیسوی میں) رمضان کی ۲۷ تاریخ کو عبادت کرتے کرتے آنکھ لگ گئی تھی کہ غارِ حرا روشنی

سے جگمگا اٹھا۔ حضرت جبرئیل آئے اور کہا "محمد پڑھو" خوف و ڈر سے آپ کا جسم کانپنے لگا۔ جواب دیا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتہ نے سینہ کھینچ کر کہا "اے پیغمبر قرآن وقتاً فوقتاً تم پر نازل ہوگا۔ اُسے اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جو ساری دُنیا کا پیدا کرنے والا ہے" حضرت جبرئیل نے تین مرتبہ آپ کا سینہ کھینچا۔ اور باب ۹۶ سورہ علق آیت ۱ تا ۵) اِقْرَأْ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا کر غائب ہو گئے آپ نے چاروں طرف دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اسی حالت میں غار سے باہر آئے اور سیدھے گھر پہنچے۔ چہرہ زرد تھا اور جسم اب بھی کانپ رہا تھا۔ بی بی خدیجہ سے آپ نے فرمایا "مجھے کپڑا اڑھا دو۔ میں ڈر گیا ہوں۔" بی بی خدیجہ نے کپڑا اڑھا دیا۔ پھر آپ نے کُل واقعہ سُنایا۔ بی بی خدیجہ نے کہا "سارا عرب جانتا ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مسکینوں، غریبوں، محتاجوں کی آپ نے ہمیشہ دستگیری کی۔ مہمانوں کی عزت۔ بیواؤں یتیموں کی مدد۔ خدا آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ آپ بالکل ہراساں نہ ہوں۔" اس کے بعد جب آپ سو گئے تو بی بی خدیجہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو عیسائی ہوگیا تھا۔ اور عرب کا ایک زبردست عالم تھا۔ اس نے حالات سُنے تو کہا "اے خدیجہ! جو فرشتہ تیرے شوہر کے پاس آیا وہ وہی ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔ بے شک تیرا شوہر پیغمبر ہے۔ محمد سے کہنا کہ استقامت کو ہاتھ سے نہ دیں۔"

بی بی خدیجہ گھر آئیں اور جب آپ بیدار ہوئے تو ورقہ بن نوفل کی گفتگو بیان کی چند روز بعد آپ اُس سے ملنے کے لئے خانہ کعبہ میں گئے اور سارے واقعات سُنائے تو بے ساختہ اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "بشارت خداوندی پوری ہوئی۔

اے محمد! تم خدا کے رسول ہو مگر تمہاری قوم تم کو بے وطن کرے گی اور تمہیں سخت اذیت پہنچائے گی۔"

آپ نے فرمایا "نہیں۔ نہیں۔ میری قوم مجھے کیوں ستائے گی۔ میں نے تو اس کے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی!"

بی بی خدیجہ آپ کو تسلی تشفی دیتی رہیں کہ آپ بے خوف رہیں۔ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ زخمی دلوں پر محبت کا مرہم آپ رکھتے ہیں۔ مصیبت ماروں کے دکھ درد میں شرکت آپ کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے آپ چکاتے اور فتنے فساد آپ مٹاتے ہیں۔ آپ کی ایک ایک بات پر قوم کو اعتماد ہے۔ وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائے گی

سب سے پہلے چار مسلمان

سب سے پہلے عورتوں میں بی بی خدیجہ بچوں میں حضرت علی ابن ابی طالب مردوں میں حضرت ابوبکر اور خادموں میں زید بن حارثہ بے تامل اور بے شک وشبہ آپ پر ایمان لائے کسی شخص کے کردار کے متعلق ان لوگوں سے زیادہ صحیح رائے کس کی ہو سکتی ہے جن سے ہر وقت سابقہ پڑتا یا پھر اکثر واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ حضرت خدیجہ بیوی تھیں۔ اور شوہر کے متعلق رسالت کا خیال ذہن میں لئے ہوئے پورے پندرہ سال سے ایک ایک بات کا مطالعہ گہری نظر سے کر رہی اور دیکھ رہی تھیں کہ غلط بات کبھی زبان سے نکالی ہی نہیں حضرت علی بچے تھے تو بچہ مگر جانتے تھے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اور سارا مکہ آپ کو صادق مانتا اور امین کہتا ہے۔ حضرت ابوبکر دوست تھے اور عمر میں دو سال چھوٹے ہر وقت کے اٹھنے بیٹھنے والے بیسیوں معاملے پڑے تھے۔ طویل مدت کا تجربہ تھا راست بازی سے باخبر، حق گوئی سے واقف۔ حضرت زید بن حارثہ آپ کے

اخلاق و کردار سے اس قدر متاثر تھے کہ چچا کے ساتھ جانا منظور نہ کیا اور آزادی پر آپ کی غلامی کو ترجیح دی۔ ایک آدھ دفعہ ہی اور ہنسی مذاق ہی میں سہی کبھی کوئی غلط بات کہی ہوتی تو کچھ تامل بھی ہوتا۔ ادھر زبان سے نکلا اور ادھر چاروں نے رسالت پر یقین کر لیا۔

حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر کے ذریعہ تبلیغ

حضرت خدیجہ قریش کی بہت معزز اور نہایت نیک خاتون تھیں اور خواتین میں ان کا بہت اثر تھا۔ ان کے ذریعہ آنحضرت کے چچا حضرت عباس کی بیوی ام فضل، حضرت ابوبکر کی بیٹی اسماء، حضرت عمر کی بہن فاطمہ اور اسماء بنت عمیس مسلمان ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کو قریش میں خاص امتیاز حاصل تھا اور سب ان کی فہم و فراست کو مانتے تھے۔ دولت مند تھے۔ مگر ساتھ ہی فراخ حوصلہ، سیر چشم اور فیاض۔ ماہر انساب تھے۔ اور اہل مکہ کی نہایت بااثر شخصیت خدا کے پیغمبر کی پیغامبری انہوں نے بڑی دل سوزی اور جانفشانی سے کی۔ انہیں کی ترغیب سے حضرت عثمان۔ حضرت زبیر۔ حضرت عبیداللہ بن جراح۔ حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف جیسے جلیل القدر لوگوں نے اسلام قبول کیا

ابتدائی تین سال

ابتدائی تین سال میں آپ خاموشی اور رازداری کے ساتھ تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ قبولیت اسلام کے لئے فریضۂ نماز کی ادائیگی ضروری ہے اور ابتدا میں اسلام قبول

کرنے والوں کو قریش کی مخالفت کا شدید خوف تھا۔ اس لئے وہ یا تو گھر پر نماز پڑھتے یا آپ کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں جا کر کفار سے چھپ کر خدائے واحد کے دربار میں سربسجود ہوتے۔

علانیہ تبلیغ اور دعوت اسلام

مسلمانوں کی تعداد میں ایک ایک کر کے اضافہ ہو رہا تھا اور ابتدائی تین سال ختم کے قریب تھے کہ شدہ شدہ نئے مذہب کی خبریں قریش کے کان تک پہنچنی شروع ہوئیں۔ ان کے کان تو ضرور کھڑے ہوئے مگر ان کے مذہبی پیشواؤں نے کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے بتوں کو جن کے لئے عرصہ طویل سے وہ زبردست قربانیاں کرتے چلے آرہے تھے۔ کافی سمجھا تین سال گذر چکے تھے وحی اس عرصہ میں نہیں آئی تھی ایک دن جنگل اور پہاڑ سے آنحضرت گھر لوٹے تو چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔

"اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑے ہو اور ڈراؤ (کافروں کو) اور بڑائی بیان کرو اپنے رب کی۔ اور پاک رکھ اپنے کپڑوں کو۔ اور دور رہو بتوں سے۔ اور کسی کو اس نیت سے نہ دو کہ زیادہ وصول کرو[1]"

اب آپ نے مشرکین مکہ کو دعوت اسلام علانیہ دینی شروع کر دی۔ تو سورۃ حجر کی یہ آیت نازل ہوئی

"جس بات کے پہنچانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف بتا دو۔"

---

[1] یایھا المدثر۔ قم فانذر۔ وربک فکبر۔ وثیابک فطھر۔ والرجز فاھجر۔ ولا تمنن تستکثر۔ سورہ مدثر آیت ۱ تا ۶

اور مشرکین (کے نہ ماننے کی) پرواہ نہ کرو۔ یہ جو مذاق اڑاتے ہیں اور خدا کے سوا دوسرا معبود ٹھیراتے ہیں۔ ان سے تمہاری حفاظت کرنے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس ہنسی اڑانے کا انجام کیا ہے[ا]

پھر اس زمانہ میں حکم ہوا کہ (سورہ شعرا آیتیں ۲۱۴ تا ۲۱۷) سب سے پہلے اپنے کنبہ والوں کو ڈراؤ اور جو لوگ مسلمان ہو کر سیدھی راہ پہ چلیں ان سے محبت سے پیش آؤ اور اگر تمہاری بات نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تمہارے افعال سے ناراض ہوں اور خدائے قادر و رحیم پر بھروسہ رکھو"

آپ نے عبد المطلب کے تمام خاندان کو کھانے پر بلایا اور کھانے کے بعد دعوتِ اسلام دی۔ آپ کے چچا ابولہب نے بیچ میں دخل دے کر سب کو بھگا دیا دوسرے دن آپ نے پھر دعوت کی اور جب سب کھانا کھا چکے تو پھر ایمان لانے کی تلقین کی مگر وہ لوگ مذاق اڑاتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے آخر ۶۱۳ء میں ایک دن آپ کوہ صفا پر گئے اور اہل قریش کو جمع کیا اور ان سے اس طرح خطاب فرمایا۔

"اے اہلِ قریش اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے آ رہا ہے تو کیا تم یقین کر لو گے؟"

قریش نے کہا: "کیوں نہیں۔ تم نے کبھی کوئی بات غلط نہیں کی۔ تم سچے ہو ہم تمہاری کسی بات کو نہ جھٹلائیں گے"

آپ نے فرمایا: "تو یقین کرو کہ خدا ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس کے علاوہ

ا؎ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین انا کفینٰک المستھزئین الذین یجعلون مع اللہ الٰھاً آخر فسوف یعلمون (قرآن مجید سورۂ حجر آیت ۹۴۔۹۵۔۹۶)

پرستش چھوڑ دو۔ خدا نے ہی مجھے ہدایت کی ہے کہ میں سب سے پہلے اپنے کنبہ کو بتادوں اگر تم لوگ ایمان نہ لائے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔"

بت پرست اہل قریش کو یہ سن کر بہت غصہ آیا خصوصاً ابولہب چراغ پا ہوگیا اور اس نے آپ کو کوسنے دیئے اور بنکارتا ہوا چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی تمام قریش بھی برا بھلا کہتے ہوئے۔

مجنہ۔ عکاظ۔ ذوالمجاز کے میلے ہوتے یا شادی بیاہ کا اجتماع، جہاں کوئی مجمع نظر آتا آنحضرت جاتے اور وعظ کہنے لگتے اور قرآن کی آیتیں سناتے۔ سننے والوں میں جس پر اثر زیادہ ہوتا وہ مسلمان ہوجاتا مگر کثرت ان کی تھی جو برا بھلا کہتے۔ سب سے زیادہ دشمنی کفار کو قرآن مجید سے تھی کہ اس کا اثر عورتوں اور بچوں پر نہ ہو۔

قریش کی مخالفت

عرب بھر میں سب سے محترم شہر تھا مکہ جہاں کعبہ کی وجہ سے ہر سال حجاج سارے ملک سے آتے تھے اور مکہ بھر میں سب سے مقتدر اور معزز خاندان تھا قریش کا۔ حجاج کی خدمات اور کعبہ کے عہدے سب اسی خاندان کے سپرد تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر قریش کو یہ خیال گزرا کہ محمدؐ کا مذہب اگر مکہ میں پھیل گیا تو کعبہ ہمارے ہاتھ سے نکل کر خاندانی وقار اور آبائی بزرگی سب چوپٹ ہو جائے گی۔ اس خطرہ کے پیش نظر اہل قریش نے اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور آنحضرت کو جسمانی اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

عقبہ بن ربیعہ کو اہل قریش نے اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت کی خدمت

میں بھیجا اُنہوں نے آپ سے کہا "آخر تم چاہتے کیا ہو۔ اگر دولت کی ضرورت ہو تو ابھی تمہارے سامنے ڈھیر لگا دیا جائے گا۔ اگر شادی کرنی چاہتے ہو تو عرب کی حسین سے حسین لڑکی بلا تاخیر تمہیں مل سکتی ہے۔ بڑے سے بڑے گھرانے میں تمہارا رشتہ آج ہی طے ہو جائے گا اگر ملک کی حکومت تم چاہتے ہو تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ غرض تمہاری جو بھی خواہش ہے اسے بیان کرو فوراً پوری کی جائے گی مگر ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تم ہمارے بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں بُرا کہو۔"

آپ نے جواب دیا کہ "مجھے تو کسی چیز کی بھی خواہش نہیں میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ عبادت کے لائق صرف ذات واحد ہے۔ اسی ایک خدا کی عبادت کرو اور بت پرستی سے باز آؤ۔"

قریش کے بڑے بڑے سردار رتبے میں جتنے بڑے تھے بُرائیوں میں اتنے ہی ایک دوسرے سے آگے۔ بت پرست اور ضعیف الاعتقاد تو خیر سب ہی تھے کوئی لوٹ مار اور دنگا فساد میں ماہر تھا تو کوئی شراب خوری اور قمار بازی میں۔ کوئی سود در سود سے اپنی دولت بڑھا رہا اور غریب کا خون چوس رہا تھا کوئی ناچ رنگ اور لہو لعب میں زیادہ نامور تھا۔ غلط بات کہنے اور بات بات میں جھوٹی قسمیں کھانے میں اگر کسی کا جواب نہ تھا تو کوئی بدکاری بے حیائی میں زیادہ مشہور تھا۔ قرآن مجید جو دھیرے دھیرے رسول عربی پر نازل ہو رہا تھا اس میں ان برائیوں کی مذمت کی جا رہی تھی۔

"تم کسی ایسے شخص کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھاتا ہے ذلیل ہے

ہو۔ طعنے دیتا ہو۔ چغلیاں کھاتا ہو۔ نیک کام سے روکتا ہو۔ حد سے گذرنے والا۔ اور گنہ کرنے والا " (سورۂ قلم)

آنحضرت سے براہ راست گفتگو کا جو عتبہ بن ربیعہ نے کی تھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آپ کے چچا ابو طالب سے قریش نے شکایت کی۔ ایک دفعہ کی، دو دفعہ کی تین دفعہ کی۔ عبد المطلب کے آخری الفاظ ذہن نشین رہنے کے علاوہ انھوں نے خود بھی تو بڑی محبت اور شفقت سے یتیم بھتیجے کو بچپن سے جوان کیا تھا ایک دن جب قریش آپ کو بہت برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ابو طالب کا خون جوش میں آگیا۔ اور انہوں نے کہا " جو ہاتھ برے ارادے سے میرے بھتیجے کی طرف بڑھے گا انہیں توڑ ڈالوں گا " اور پھر آپ کو بلا کر کہا۔

" بیٹا! چھوڑ دو یہ باتیں نتیجہ اچھا نہ ہوگا "

یہ وہ وقت تھا کہ ابو طالب کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی۔ اور وہ قریش کی مخالفت خرید کر نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے مگر انتہائے محبت میں وہ بھتیجے کی حمایت لئے بغیر نہ رہ سکے اہل قریش پھر ایک دن ابو طالب کے پاس آئے اور بڑی تعداد میں۔ ابو طالب سمجھ گئے کہ کیوں آئے ہیں اور کثیر تعداد دیکھ کر گھبرائے۔ انہوں نے آپ کو بلا کر کہا سنو بیٹے یہ کیا کہتے ہیں اور سمجھ کر جواب دو۔ آپ نے پوچھا " کیا چاہتے ہیں آپ لوگ " تو انہوں نے کہا " ہم اپنے بتوں کی برائی نہیں سن سکتے نہ یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ ان کی تعظیم میں فرق آئے۔ تم یہ باتیں چھوڑ دو اور اس کے بدلہ میں مکہ کی حکومت، زمینداری۔ حسین سے حسین لڑکی سے شادی یا جو کچھ تم کہو ہم اس کی تعمیل کئے دیتے ہیں "

آپ نے ابوطالب کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ میں سورج اور اُلٹے میں چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے ارادہ (تبلیغ اسلام) سے ہٹنے والا نہیں" بڑبڑاتے، چیختے چلاتے، قریش واپس چلے گئے تو ابوطالب نے بھتیجہ کو کلیجہ سے چمٹا کر کہا۔ "کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

روحانی و جسمانی تکالیف

شرک اور بت پرستی جن کا ایمان تھا، شراب جن کی گھٹی میں پڑی تھی، قتل و غارت گری کی فضا میں جن کا نشوونما ہوا تھا۔ بدکاری اور بے غیرتی کے ماحول میں جو سانس لیتے تھے۔ وہ قریش اب آپ کے مخالف ہو گئے جس طرح ہر قبیلے اور ہر خاندان کا ایک بت تھا۔ اسی طرح گھر گھر شاعری کا چرچا تھا اور شعراء اپنی نظموں میں دل کھول کر آنحضرت کو گالیاں دیتے تھے۔ ان کے اشعار کا مفہوم یہ تھا کہ آپ ڈھونگ رچا رہے اور عربوں کو الو بنا رہے ہیں۔ جس کی امانت کی قسمیں کھاتے۔ جس کی صداقت پر یقین رکھتے تھے اب اس کو کاہن جادوگر۔ پاگل مجنون۔ جھوٹا کہنے لگے۔ کبھی کہتے کہ اگر واقعی سچے نبی ہو تو معجزے دکھاؤ زمین سے چشمے ابلیں۔ کھجوروں کے باغ نمودار ہوں۔ تم سچے نبی ہو تو یہ مکان بجائے اینٹ پتھروں کے سونے کا کیوں نہیں بنا لیتے۔ لغنگوں کی طرح اسی طرح کے فقرے کستے اور باتیں بناتے رہتے تھے۔ قریش کی اس ذہنیت پر آنحضرت کو روحانی اذیت ہوتی مگر صبر و ضبط سے کام لیتے۔

رسول عربی کی دو بچیوں رقیہ اور ام کلثوم کی شادی آپ کے چچا ابولہب کے لڑکوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی تھی۔ کوہ صفا پر قریش سے جب آپ نے خطاب کیا تھا۔ اور ابولہب کو سخت ناگوار گذرا تھا تو وہ اور اس کی بیوی ام جمیل اس فکر میں رہنے لگے کہ محمد سے جو ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے اور جس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے بدلہ لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی دونوں بچیوں کو اپنے لڑکوں سے کہہ کر طلاق دلوا دی۔ مگر آپ کے پائے استقامت میں ہلکی سی بھی جنبش نہ آئی۔ جب قریش نے دیکھا کہ ہر داؤں خالی جا رہا ہے۔ تو جسمانی اذیتیں پہنچانی شروع کر دیں۔ جن میں ابوطالب اور بی بی خدیجہ کے بعد شدت کا اضافہ ہو گیا۔ جس راستے سے آپ کا گذر ہوتا وہاں رات کو گڑھے کھود کر لمبے لمبے کانٹے بچھائے جاتے اور اوپر سے گھانس پھونس ڈھانک دیا جاتا اور علی الصبح جب آپ نماز فجر پڑھنے باہر نکلتے تو کانٹے آپ کے پاؤں کے وار پار ہو کر خون بہہ جاتا۔ کبھی آپ پر اینٹیں اور پتھر مارے جاتے اور سر اور پیشانی سے خون کا فوارہ جاری ہو جاتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ آپ نماز پڑھتے تو ہنسی اڑائی جاتی ٹھٹھے لگائے جاتے اور جب آپ سجدے میں ہوتے تو پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دیتے اور گلے میں انتڑیاں ڈال دیتے۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ دشمن اونٹ کا اوجھ اٹھا لائے جب آپ سربسجود ہوئے تو پیٹھ پر رکھ کر خوب قہقہے لگائے۔ بی بی فاطمہ کو معلوم ہوا گو کم عمر تھیں مگر آ کر بوجھ ہٹایا۔ باہر نکلتے تو سڑکوں پر کھیلنے والے لڑکے غل شور مچاتے۔ خاک مٹی

روڑے جو ملا تھا آتا پھینکتے پیچھے پیچھے چلتے۔ ایک دن کئی قریش آپ پر ٹوٹ پڑے اور عقبہ ابن ابی معیط نے ایک کپڑا آنحضرت کی گردن کے گرد ڈال کر بل دے کر کھینچنا شروع کیا۔ تو ابوبکر اُدھر آنکلے اور یہ کہہ کر لوگوں سے نجات دلوائی۔

"ارے ظالمو! تم صرف اس وجہ سے انہیں مار ڈالنا چاہتے ہو کہ یہ خدائے واحد کی طرف تمہیں بلاتے ہیں؟" آنحضرت کو چھوڑ کر قریش نے ابوبکر کو مارنا شروع کر دیا۔

مسلمانوں پر مظالم

بلال حبشی (جو بعد میں رسول اکرم کے موذن ہوئے ہیں) امیہ بن خلف کے غلام تھے، اُن کا مالک چلچلاتی دھوپ میں ان کو جلتی جھلستی ریت پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ کر اسلام چھوڑنے کو کہتا۔ مگر خدائے واحد کا نام ان کی زبان پر ہوتا آخر امیہ ان کے گلے میں رسی ڈال دیتا اور لڑکے انہیں گھسیٹتے پھرتے۔

خباب بن الارت ساتویں مسلمان تھے۔ کوئلے دھکا کر ان پر اُن کو چت لٹایا گیا تھا اور ایک شخص سینہ پر کھڑا ہو گیا تھا۔ کوئلے بجھ گئے مگر وہ اللہ ہی اللہ کہتے رہے۔ کئی سال بعد حضرت عمر کو انہوں نے پیٹھ دکھائی تو بالکل سفید تھی۔

حضرت عمار بن یاسر بالکل ابتدا کے مسلمانوں میں تھے۔ ان کو جلتی جھلستی ریت پر لٹا کر اس قدر کوڑے مارے جاتے کہ بے ہوش ہو جاتے تھے

حضرت عمر اپنی لونڈی لبینہ کو مارتے مارتے تھک جاتے۔ زنیرہ لونڈی کو ابوجہل نے

اس قدر مارا تھا کہ آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ نہدیہ اور ام عبیس نے بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سزائیں پائیں

ان چاروں لونڈیوں اور حضرت بلال کو بڑی بڑی قیمتیں دے کر حضرت ابوبکر نے خرید لیا تھا۔ وہ جس وقت ایمان لائے تھے ان کے پاس اس وقت چالیس ہزار چاندی کے سکے تھے۔ جب مدینہ ہجرت کی تو صرف پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ کفار مکہ نے یہ مظالم تو ان پر توڑے جو غلام اور لونڈیاں تھیں۔ اونچے درجہ کے لوگوں کو بھی تکلیفیں پہنچانے سے باز نہ آئے۔ حضرت عثمان بہت دولتمند شخص تھے قبول اسلام کی سزا ان کے چچا نے یہ دی کہ جب ان کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہوئی تو اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت زبیر بن العوام کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹتے اور ناک میں دھواں دیتے تھے۔

ہجرت حبش ۵ سنہ نبوی (۶۱۵ء)

کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ان کے مظالم حد سے گذر چکے تھے کون سی سنگدلی تھی جس سے انہوں نے کام نہ لیا اور کونسی تکلیف تھی جو خدائے واحد کی پرستش اور رسول کا کلمہ پڑھنے کی سزا میں انہیں نہیں پہنچائی گئی۔ ان کی جانیں بھی ہر وقت خطرہ میں تھیں اور ان کا دین بھی۔ آنحضرت دشمنوں کی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ تو مسلمان تھے اور اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی توہین برداشت کر رہے اور سخت سے سخت مصائب اٹھا رہے تھے۔ آپ کو اپنی جان کی پرواہ نہ تھی

اس لئے کہ یقین تھا کہ جس کی طرف ان مشرکوں کو بلا رہا ہوں وہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ مگر مسلمانوں کو آئے دن جن پریشانیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان کو پیش نظر رکھ کر آپ نے مسلمانوں سے کہا کہ کسی پناہ کی جگہ چلے جاؤ۔ ملک حبش کو عرب نجاشی کہتے تھے وہاں کا بادشاہ اصحمہ تھا تو عیسائی مگر انصاف پسند اور نیک دل آپ نے وہاں پناہ لینے کے لئے کہا۔ اور رجب کے مہینہ میں پہلی کھیپ گیارہ مسلمانوں کی ایک جہاز میں بیٹھ کر حبش روانہ ہو گئی۔ چار مہاجروں نے اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ ان مہاجرین میں حضرت عثمان بن عفان اور انکی بیوی بی بی رقیہ بھی تھیں جو آنحضرت کی صاحبزادی تھیں اور ان مہاجرین میں بی بی سودہ بھی تھیں جو بی بی خدیجہ کے بعد آنحضرت کے نکاح میں آئی تھیں۔ اور بی بی ام سلمہ اور ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بھی تھے۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے آدمی دوڑائے کہ ان لوگوں کو واپس لائیں مگر جہاز جا چکا تھا۔ ابو جہل نے عبداللہ ابن ربیع اور عمرو بن عاص کو حبش بھیجا کہ مسلمانوں کے خلاف وہاں زہر پھیلائیں اور جو مسلمان وہاں پہنچے ہیں انہیں ملک سے نکال دیا جائے۔

ان دونوں نے حبش پہنچ کر درباریوں کو تحائف دیئے اور بادشاہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف اس کے دل میں نفرت و حقارت کے بیج بونے کی کوشش کی مگر دوسرے دن اس نے مسلمانوں کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے۔ تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے کہا

" اے بادشاہ! ہم ایک جاہل اور ذلیل قوم تھے۔ پتھر کی مورتیوں کو پوجتے

مردار کھاتے اور بے غیرتی۔ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی صداقت۔ متانت۔ امانت۔ دیانت سے ہم پہلے سے واقف تھے اس نے ہمیں بتایا کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ روزے رکھو نماز پڑھو اور سچ بولو۔ عورتوں کی پاکدامنی کا احترام کرو۔ آپس میں کسی کا خون نہ بہاؤ کسی بے قصور کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ہم نے برے کاموں سے توبہ کرلی اور اب ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں بس صرف اس وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتی ہے۔ اے بادشاہ! ہم تیرے انصاف کا شہرہ سن کر تیرے ملک میں پناہ لینے آئے ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم کو یہاں سے نکال دیا جائے اور ہم پھر گمراہ ہوجائیں۔" نجاشی نے کہا تمہارے نبی پر جو کتاب اتری ہے کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی آبدیدہ ہوکر بولا۔ "لاریب یہ اللہ کا کلام ہے۔" مکہ کے سفراء سے کہا "تم جاؤ ہم ان پناہ گزینوں کو واپس نہیں کرسکتے۔"

دوسرے یعنی نبوت کے چھٹے سال پھر سو کے قریب مسلمانوں نے حبش جاکر پناہ لی۔

حمزہؓ اور عمرؓ کا قبول اسلام
۶ سنہ نبوی (۶۱۵ء)

ایک دن آنحضرت خانہ کعبہ میں خاموش بیٹھے یاد الٰہی میں مستغرق تھے کہ ابوجہل بن ہشام آگیا جس کا قریش کے سرداروں میں بڑا رتبہ تھا۔ وہ قریب آیا اور لگا گالیاں دینے۔ بدسے بدتر جو الفاظ ہوسکتے تھے وہ اس نے کہے اور پھر ایک پتھر کھینچ کر اس زور سے

کنپٹی پر مارا کہ خون بہنے لگا۔ آپ اُس کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کی لونڈی بھی اتفاق سے وہیں موجود تھی حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے اور لونڈی نے واقعہ سنایا تو غصہ سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسی حالت میں تیر کمان لے کر ابوجہل کے پاس پہنچے اور کہا " مردود یہ نہ سمجھیو کہ محمد کا کوئی حمایتی نہیں ہے۔ اب تیری یہ ہمت ہو گئی کہ اسے لہولہان کر دیا " یہ کہہ کر زور سے ابوجہل کے سر پر کمان ماری اور کہا " سن ابوجہل میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اللہ ایک ہے اور محمد اس کا سچا رسول "

حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے تین چار دن بعد حضرت عمر آنحضرت کو قتل کرنے کے ارادہ سے ننگی تلوار ہاتھ میں لئے نکلے یہ معمولی آدمی نہ تھے سارا عرب عمر کے نام سے تھرّاتا تھا۔ ابوجہل اور عمر مکہ کے سب سے جری سردار تھے۔ رسول عربی نے دعا کی تھی کہ " الٰہی عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے ایک مددگار مجھے دیدے "۔ قریش کی کوئی تجویز کوئی صلاح کوئی کوشش کوئی ترکیب کارگر نہ ہوتی اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی حضرت حمزہ کے اسلام نے انہیں اور زیادہ برافروختہ کر رکھا۔ آنحضرت کو قتل کرنے کی غرض سے جلسہ کیا گیا اور ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد کا سر لائے گا اُسے میں اپنی طرف سے سو اونٹ اور ہزار اوقیہ کا انعام دوں گا۔ عمر کی موجودگی میں کس کی ہمت ہو سکتی تھی کھڑے ہوئے اور کہا " محمد کا سر ابھی لے کر

سلہ حضرت حمزہ آپ کے چچا آپ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے کیونکہ ان کو بھی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا اور خالہ زاد بھائی بھی کیونکہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب بی بی آمنہ بنت وہب کی چچیری زاد بہن تھیں۔

آتا ہوں"۔ خون اُن کی آنکھوں سے اُتر رہا اور تلوار سے ٹپک رہا تھا۔ غصہ میں بھرے ہوئے چلے جارہے تھے کہ راستہ میں نعیم بن عبداللہ نے دیکھا اور پوچھا "خیر تو ہے کہاں جارہے ہو؟" کہا "محمد کا سر اڑانے" نعیم نے کہا "اُن کا سر تو بعد میں اُڑانا پہلے اپنی بہن کی تو خبر لو کہ وہ بھی مسلمان ہوچکی ہے"۔

یہ سنتے ہی حضرت عمر اپنی بہن فاطمہ کے ہاں گئے۔ وہ اور ان کے شوہر سعید بن زید اسلام لاچکے تھے اور اس وقت تلاوت کررہے تھے۔ عمر کی آواز سُن کر دونوں ڈر گئے۔ اور قرآن مجید کے اجزا چھپا دیئے۔ حضرت عمر نے بہن سے پوچھا "کیا پڑھ رہی تھیں؟" انہوں نے کہا "ہم باتیں کررہے تھے"۔ حضرت عمر نے کہا "نہیں۔ کیا تم مسلمان ہوگئے ہو؟" بہنوئی نے کہا "ہاں"۔ یہ سُننا تھا کہ بہنوئی کو لپٹ گئے اور خوب مارا۔ بہن بچانے آئیں تو اُن کو بھی مارا۔ اور دونوں کو اس قدر مارا کہ خون بہنے لگا۔ بہن نے کہا "جو تیرا جی چاہے کر مگر پہلے دیکھ تو لے کہ ہم کیا پڑھ رہے تھے"۔ غصہ میں بھرے ہوئے تھے کہا "اچھا پڑھ کیا پڑھ رہی تھی"۔ پھر کہا "لا مجھے دے میں خود دیکھوں"۔ بہن نے خدا کا کلام اٹھایا اور عمر نے پڑھا۔

(سورۂ طٰہٰ[1] باب ۲۰۔ آیت پہلی سے

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ ...

[1] سیرت النبی اور الفاروق میں مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ سورۂ حدید کی ابتدائی آیتیں تھیں (سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض ... مگر یہ بیان صحیح نہیں۔ سورۃ حدید کا نزول مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ آنے سے بہت پہلے ہجرت سے بھی سات سال قبل حضرت

ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تم تکلیف اٹھاؤ بلکہ اس شخص کی نصیحت کے لئے اُتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے۔ سب اسی کی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں اور اُن کے درمیان ہیں۔

یہ کلام پڑھ کر حضرت عمرؓ چیخ اٹھے اور زور زور سے رونے لگے اور کہا یہ کلام انسان کا نہیں خدا کا ہے۔ سیدھے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ حضرت عمرؓ نے کلمہ پڑھا تو مسلمانوں نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس زور سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں کہ مکہ کی وادیاں گونج اٹھیں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کا یہ اثر ہوا کہ اب مسلمانوں نے کھلم کھلا کعبہ میں نماز باجماعت ادا کرنی شروع کر دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ ۳۳ سال کے تھے۔

شعب ابی طالب
محرم ۷ نبوی

حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو مکہ میں صرف چالیس مسلمان تھے۔ حضرت حمزہؓ اور پھر حضرت عمرؓ کا قبول اسلام معمولی واقعات نہ تھے۔ قریش کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور تمام قبائل نے مل کر طے کیا کہ بنی ہاشم میں کوئی رشتہ نہ کیا جائے۔ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت کی جائے نہ ان سے خریدی جائے۔ کوئی ان سے نہ ملے جب تک وہ محمدؐ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اس معاہدہ کی ایک نقل کعبہ کے دروازے پر لٹکائی گئی۔ دوسری ابوجہل کے پاس

رہی۔ ابو طالب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ہاشمیوں کو جمع کر کے اور بتا کر کہا کہ "ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ ہم شعب ابی طالب میں چلے جائیں" یہ جگہ مکہ کی مشرقی سرحد پر تھی اور پہاڑیوں کی چٹانوں نے اسے شہر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ بنو ہاشم نے ابو طالب کی رائے سے اتفاق کیا اور سب نبوت کے ساتویں سال میں وہاں چلے گئے اور تین سال تک مصائب برداشت کیے۔ شعب سے اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو قریش نہ صرف گالیاں دیتے بلکہ اُسے مارتے بھی۔ بازار سے کوئی چیز نہ خرید سکتے تھے۔ دو دو دانوں کو محتاج تھے۔ ہاشمیوں نے اس زمانے میں پتے کھا کھا کر گذارہ کیا۔

ایک رات جب رسولِ عربی پر متواتر پانچ وقت کا فاقہ تھا اور پیٹ سے پتھر باندھے ہوئے عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے کہ دور سے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کیا کیوں رو رہے ہیں۔ معلوم ہوا تین وقت گذر گئے کھیل کا دانہ تک ان کے منہ میں نہیں گیا۔ آپ شعب سے باہر آئے اور رات کی تاریکی میں ایک درخت سے کھجوریں توڑ کر لائے۔ ابو جہل نے پہرہ لگا رکھا تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے۔ اس وقت جو آدمی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے پہرہ پر تھا پیچھے پیچھے چلا کہ قتل کر دے مگر اس نے جب دیکھا کہ اپنے ننھے ننھے بچوں کو کھجوریں کھلانے کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا "لاریب تو خدا کا سچا رسول ہے"۔ بنو ہاشم شعب کی چار دیواری میں تین سال محصور رہے۔ حج کے زمانے میں جب کسی کو قتل کرنا عربوں کے نزدیک جائز نہ تھا۔ آپ شعب سے

باہر آتے اور دُور و نزدیک سے جمع ہونے والوں کے سامنے وعظ کہتے اور دعوتِ اسلام دیتے۔ ابوجہل آپ کے ارشادات کی تردید میں جو اس کے جی میں آتا کہتا اور لوگوں کو مشورہ دیتا کہ ان جھوٹی باتوں پر بھول کر بھی کان نہ دھرو۔ یہ سب واہیات باتیں ہیں۔

ننھے ننھے بچوں کو بھوک سے بلک بلک کر رونے کی آوازیں شعب سے باہر آتیں تو قریش خوش ہوتے تھے (ایک دن حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ہاتھ تھوڑے سے گیہوں بھیجے تو ابوجہل نے چھین لئے) ۱۰ نبوی مطابق ۶۱۹ء عیسوی میں جب شعب میں محصور ہوئے تین سال گذر چکے تھے۔ تو آنحضرت نے اپنے چچا ابو طالب سے کہا کہ آپ کفار سے جا کر کہئے کہ اقرار نامہ میں کیڑا لگ گیا ہے۔ چنانچہ ابو طالب خانۂ کعبہ پہنچے۔ اور ابھی وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ اقرار نامہ دیکھو اگر محمد واقعی سچا ہے تو اس پر ایمان لے آؤ کہ عبد المطلب کے نواسے زہیر اور بنو ہاشم کے ایک قریبی عزیز ہشام مطعم بن عدی کو لے کر اور چند آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں آئے اور کہا "یہ کیا انصاف ہے کہ ہم مزے کریں اور بنو ہاشم ایک ایک دانہ کو ترسیں"۔ اب یہ تجویز ہوئی کہ اقرار نامہ کو دیکھا جائے چنانچہ معاہدہ نکالا گیا تو واقعی کیڑے کھا گئے تھے۔ زہیر نے کہا یہ معاہدہ چاک کر دیا جائے گا۔ ابوجہل نے بہت زور دکھایا مگر زہیر نے معاہدہ چاک کر دیا۔ اور شعب ابو طالب میں گئے اور سب کو وہاں سے لے آئے۔

شعب ابوطالب کے وقت مسلمان کُل چار سو تھے سو سو ساور حبش میں
بنو ہاشم شعب میں۔ باقی مسلمان شہر کے مختلف حصوں میں منتشر تھے مگر حج کے زمانہ
میں جب آنحضرت وعظ فرماتے تو باوجود ابوجہل کی سخت مخالفت کے کچھ نہ کچھ
اضافہ ہو ہی جاتا تھا۔

ابوطالب اور بی بی خدیجہ کی رحلت سنہ ۱۰ نبوی سنہ ۶۱۹ عیسوی

آنحضرت کو اگر چچا سے بے حد محبت تھی تو ابوطالب بھی بیٹوں سے زیادہ بھتیجے کو چاہتے تھے۔ انہوں نے باوجود اسلام لانے کا اعلان نہ کرنے کے مکہ بھر کی مخالفت کا مقابلہ کیا مگر بھتیجے پر آنچ نہ آنے دی اور اپنے سایۂ عاطفت میں چالیس سال تک رکھا۔ بھتیجے کی حفاظت اور حمایت میں ایک انسان حالات کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ جو جو کچھ کر سکتا ہے۔ وہ سب کچھ انہوں نے کیا۔ وہ عرب جو اُن کی آبائی بزرگی اور اُن کی ذاتی خوبیوں اور خانہ کعبہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اُن کا احترام کرتے تھے۔ بھتیجے کی محبت میں اُن سب کو دشمن بنا لیا۔ تین سال تک شعب ابوطالب میں بھتیجے ہی کی خاطر فاقے کرتے رہے۔ شعب سے باہر آئے ہوئے زیادہ دن نہ گذرے تھے اور اسی سال عمر ہو گئی تھی کہ ابوطالب کا آخر وقت آگیا قریش ابوطالب کے بستر مرگ کے گرد جمع ہوئے اور کہا دنیا سے جانے سے قبل کم سے کم یہی طے کرتے جائیے کہ آپ کا بھتیجہ ہمارے عقائد میں دخل نہ دے ہم اس کے معاملات میں نہ بولیں گے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ تم لوگ یہ اقرار کرو کہ خدائے واحد کے سوا کوئی ذات عبادت کے لائق نہیں۔

اس کے جواب میں قریش بُرا بھلا کہتے چلے گئے۔ اور ابو طالب دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

رسولِ عربی کو جسمانی تکالیف پہنچانے میں مشرکین مکّہ نے کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی تھی ابو طالب کے بعد ان کی طرف سے ایذا رسانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ تجزی اور غدیر دو یہودی عجمی اور بقول بعض مورخین یمنی، توریت و انجیل کے عالم، پیشینگوئیوں سے باخبر یہ سُن کر کہ مکّہ میں ایک پیغمبر کا ظہور ہوا ہے۔ کئی ہفتوں کی مسافت طے کر کے زیارت کو آئے ہیں۔۔۔ بازاروں میں پھر رہے ہیں کہ کیا دیکھتے ہیں کہ غل و شور مچاتا غول کا غول آدمیوں کا چلا آ رہا ہے۔ آگے آگے ایک شخص ہے کملی میں لپٹا ہوا۔ اس پر پتھراؤ ہو رہا ہے۔ اور اس کا چہرہ لہولہان ہے۔ دونوں یہ رنگ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ پاس ہی ایک بنئے کی دوکان تھی۔ اس سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس پر یہ ظلم ڈھایا جا رہا ہے۔ اس نے کہا

"عبد المطّلب کا پوتا محمد"

اب وہ دونوں آپس میں کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ واقعی یہ پیغمبر ہے تو اس کی بد دعا ان لوگوں کا تہس نہس کر دے گی۔ مگر بجائے بد دعا کے اُن لبوں سے یہ الفاظ آہستہ آہستہ نکل رہے تھے۔

"الٰہی ان پر رحم کر۔ ابھی انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔"

دونوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور ان کی زبان سے نکلا

"محمد رسول اللہ"

اور ایک دن جب آپ گھر تشریف لا رہے تھے بُت پرستوں نے

روڑے کیچڑ اور مٹی آپ پر پھینکی۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو سارا جسم مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ اور چہرہ پر کیچڑ کے نشان تھے۔ بی بی خدیجہ دیکھ کر بے تاب ہو گئیں۔ منہ ہاتھ دھلایا اور کہا

"اے خدا کے سچے رسول۔ کفار کے یہ مظالم کب تک ہوتے رہیں گے۔ مجھ سے یہ تکلیفیں اب نہیں دیکھی جاتیں۔ دعا کیجئے کہ خدا مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔"

بی بی خدیجہ پر اپنے شوہر کی ان جسمانی اذیتوں کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئیں اور چند روز بعد ہی ۶۵ سال کی عمر میں بماہ رمضان انتقال ہوا۔

بی بی خدیجہ وہ بیوی تھی جنہوں نے اپنی ساری دولت اپنے شوہر پر خوشی خوشی قربان کر دی تھی۔ اور ساری عمر آپ کی خدمت میں مصروف رہیں۔ رسالت کی تصدیق سب سے پہلے انھوں ہی نے کی اور انھیں کی باتوں سے آپ کے دل کو ہمیشہ تقویت پہنچتی رہی۔

ابو طالب اور بی بی خدیجہ کی موت معمولی واقعات نہیں بڑے زبردست صدمات تھے۔ جس وقت ابو طالب کا جنازہ جا رہا تھا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ جب بی بی خدیجہ کا دم واپسیں تھا تو آپ کے قلب کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔

طائف اور قبائل کا دورہ قریش سمجھتے تھے کہ ابو طالب اور خدیجہ کے بعد آپ کا سارا زور ڈھے گیا اور اب ان کی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی مگر ان دو شدید صدمات کے باوجود آپ کی استقامت میں سرمو فرق نہ آیا اور

سنہ ۱۰ نبوی ہی میں اپنے خادم حضرت زید کے ساتھ آپ پیدل طائف گئے جو مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز و شاداب مقام ہے۔ وہاں ثقیف سب قبیلوں میں سر برآوردہ تھا۔ آپ نے اس کو دعوتِ اسلام دی مگر آپ یہاں پہنچے ہی تھے کہ کفار قریش کے چند آدمیوں نے یہاں آکر آپ کے خلاف قبیلہ ثقیف کو بھڑکا اور غلا دیا اور وہ آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا اور آپ پر پتھر برسائے۔ طائف سے واپس آکر حسب معمول آپ نے حج کے موقعہ پر مختلف قبائل میں تبلیغ اسلام کی۔ جہاں میلہ لگتا یا شادی بیاہ ہوتا پہنچ جاتے اور لوگوں کو خدا کے راستہ پر آنے کی تلقین فرماتے۔

دوسرا نکاح بی بی سودہ سے سنہ ۱۰ نبوی

سنہ ۱۰ نبوی مطابق سنہ ۶۲۰ عیسوی میں بی بی خدیجہ کی رحلت کے بعد سکران کی بیوہ بی بی سودہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت آپ کی دو بچیوں کی نگرانی کے لئے ایک معتبر عورت کی ضرورت تھی۔ عمر میں بی بی سودہ بی بی خدیجہ سے بڑی تھیں۔

اسرا اور معراج سنہ ۱۰ نبوی

دسویں سال نبوی میں (اور بقول بعض مورخین دسویں سے تیرھویں سال میں) رجب کی ۲۷ ویں شب کو ابو طالب کی بیٹی ام ہانی کے گھر میں (جن کا لقب ہند تھا) اور بقول بعض خانہ کعبہ میں جب آپ سو رہے تھے اسرا اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ اسرا کے معنی ہیں رات کو لے جانے کے رات میں کو مکہ سے بیت المقدس (یروشلم) جانا۔ اور معراج کے معنی میں

اوپر چڑھنا۔ بیت المقدس سے آسمان پہ جانا۔ ساتوں آسمانوں اور جنت کی سیر کرنا اور بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا۔

مؤرخین کا اس واقعہ میں سخت اختلاف ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ اسرا اور معراج جاگنے کی حالت یعنی عالم بیداری میں جسمانی ہوئی۔ اور آپ سفید رنگ کے ایک چوپایہ پر جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ جس کا نام براق تھا جس کا سُم وہاں پڑتا تھا جہاں تک نگاہ جاتی تھی جس پر زین کسی ہوئی تھی اور لگام چڑھی ہوئی اس پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس پہنچے وہاں نماز پڑھی اور انبیاء کی امامت کی۔ پھر آسمان پر تشریف لے گئے اور ساتوں آسمانوں کی سیر کی۔ پھر اللہ تعالیٰ سے باتیں ہوئیں۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ رات کا سفر یعنی اسرا جسمانی تھا مگر معراج روحانی۔

محققین اسلام کے تیسرے گروہ کی رائے ہے کہ اسرا اور معراج سونے کی حالت میں صرف رُوح کو ہوئی اور جسم جہاں تھا وہیں رہا۔ اس خیال کی تائید میں حضرت عائشہؓ اور معاویہ رضؓ کا بیان سند سمجھا جاتا ہے۔ اس رائے کو سر سید احمد خاں نے خطبات احمدیہ میں اس طرح ظاہر کیا ہے کہ " پیغمبر خدا نے اپنا مکہ سے بیت المقدس پہنچنا خواب میں دیکھا اور اسی خواب میں انہوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ آنحضرت صلعم نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا جو

وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے۔"

مدینہ اور انصار عقبہ کے معاہدے ۱۱ سنہ تا ۱۳ سنہ نبوی

مکہ سے شمال مشرق کی سمت تقریباً ۲۸۰ میل کے فاصلہ پر مدینہ ہے۔ اس شہر کا نام ہجرت سے قبل یثرب تھا اور اسے ہجرت نبوی سے بارہ سو سال پہلے قوم عمالقہ نے آباد کر کے قلعے مکانات بنائے کھیتی کیاری کی۔ باغ لگائے اور سارے عرب میں یہ قوم پھیل گئی۔ ان کے بعد جب رومیوں نے فلسطین فتح کیا تو یہاں یہودی آباد ہو گئے۔ جو بہت دولت مند تھے اور ان کی نسلیں بھی ملک میں پھیل گئیں اور ان کے ہیں بائیس قبیلے بن گئے (یمن میں جب مشہور سیلاب سیل عرم آیا تو خاندان قحطان کے لوگ مدینہ آ گئے۔ ان میں بزرگ و ممتاز دو بھائی تھے اوس اور خزرج۔ انصار انہیں کی اولاد ہیں) زمانہ کے الٹ پھیر میں یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا اور انصار ممتاز ہو گئے۔ مگر ایک مدت بعد اوس اور خزرج کی خانہ جنگی نے انہیں بہت کمزور کر دیا تو انہوں نے قریش کی دوستی کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن ابوجہل کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ قریش کی طرح انصار بھی مشرک تھے اور بتوں کو پوجتے تھے۔ لیکن یہودیوں کی صحبت میں یہ سنتے آرہے تھے کہ ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے۔

حج کے دنوں میں بیرونِ مکہ سے جو قبیلے آتے رسول اللہ ان کے

پاس جاتے اور وعظ فرماتے سلا نبوی میں ایک دن آپ ان لوگوں میں جو حج یا تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے وعظ فرما چکے تھے کہ یثرب کے چھ آدمی جو قبیلۂ خزرج کے تھے۔ آپ کے قریب آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے انہیں قرآن مجید کی آیتیں سنائیں اور اسلام لانے کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے اور واپس جا کر یثرب (مدینہ) والوں سے کہا کہ مکہ میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔ جو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہے۔ دوسرے سال ۱۲ نبوی میں یثرب کے یہ چھ مسلمان مکہ آئے تو اپنے ساتھ یثرب کے دو قبائل کے اور چھ آدمیوں کو بھی ساتھ لائے اور عقبہ ہی کے مقام پر ان سے بھی رسول اللہ کی گفتگو ہوئی۔ وہ بھی ایمان لے آئے۔ اور سب نے اقرار کیا۔ کہ اللہ ایک ہے۔ جس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ بت پرستی۔ لوٹ مار۔ چوری زنا نہ کریں گے۔ اپنے بچوں کو جان سے نہ ماریں گے۔ بے حیائی سے دور۔ مسلمانوں کے دکھ درد میں ہمیشہ شریک رہیں گے۔ یہ عقبہ کا پہلا معاہدہ کہلاتا ہے۔ ان نئے مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمیں احکام اسلام سمجھانے کے لئے کسی کو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو جو ہاشم بن عبد مناف کے پوتے تھے ان کے ساتھ کر دیا۔ پہلی دفعہ جو چھ یثربی مسلمان ہوئے تھے ان میں اسعد بن زرارہ بھی تھے جو یثرب کے معززین اور رؤساء میں سے تھے۔ انہیں کے ہاں حضرت

مصعب بن عمیر نے قیام کیا۔ یہ روزانہ یثرب کی گلیوں میں جاتے انصار کو قرآن مجید کی آیتیں سناتے اور دعوت اسلام دیتے۔ دو چار انصار روزانہ ایمان لے آتے۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ تھے انہوں نے اور ان کے ساتھ ان کے پورے قبیلہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور اس طرح سال بھر میں مدینہ سے قبا تک صدائے توحید گونجنے لگی تیسرے برس یعنی ۱۳ سنہ سال نبوت مطابق ۶۲۲ء عیسوی میں یثرب کے مسلمانوں میں سے ۷۵ آدمی مکہ آئے۔ ان کے ساتھ جو بُت پرست تھے وہ بھی عقبہ میں مسلمان ہوئے اور سب نے اپنے پیغمبر کو یثرب آنے کی دعوت دی۔ آپ کے چچا حضرت عباس ساتھ تھے انہوں نے انصار سے کہا دشمنوں کے مقابلہ میں ہم محمد کی مدد کرتے ہیں۔ اے اہل انصار محمد یثرب چلے گئے تو کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ مرتے دم تک ان کا ساتھ دو گے انہوں نے وعدہ کیا کہ آپ کا اور کسی مہاجر کا بال بیکا نہ ہوگا اور انصار کسی پر آنچ نہ آنے دیں گے اور اپنے بچوں کی طرح دشمن کے حملہ کے وقت آپ کی موافقت کرینگے۔ آپ نے فرمایا "تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں"۔ ان ہی لوگوں میں سے آپ نے بارہ مسلمان اپنے نائب مقرر کئے جو سب کے سب خزرج اور اوس کے رئیس تھے اور عہد سابقہ کی پھر تجدید ہوئی۔ اور جب یہ لوگ یثرب واپس گئے تو ان کے اثر سے مدینہ کے باقی انصار بھی مسلمان ہو گئے۔

ہجرت
۱۳ سنہ سال نبوت

یوں تو ابو طالب اور خدیجہ کے بعد ہی سے کفار مکہ کی طرف سے آپ کی مخالفت مخاصمت عداوت شقاوت اور دشمنی برابر ترقی کر رہی تھی انہوں نے گالیاں دیں۔ مٹی اور کیچڑ پھینکی۔

پتھراؤ کیا۔ شعب میں محصور کیا غرض ہر ہر طرح جو جو تکلیفیں وہ پہنچا سکتے تھے ان میں کمی نہ کی مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اسلام مدینہ میں پھیل رہا ہے اور ایک بڑی تعداد میں اہل مدینہ مسلمان ہو کر عقبہ سے واپس ہوئے ہیں تو بُت پرستوں کے غصہ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ اپنے چند آدمی انہوں نے مدینہ والوں کے پیچھے دوڑائے مگر وہ بہت دُور نکل چکے تھے۔ اب مکہ میں مسلمانوں کی جان کی خیر نہ رہی تھی۔ اُن کے اور اسلام کے زندہ رہنے کے لئے جب دوسرا ٹھکانا نظر آیا تو خدا کے سچے رسول نے مرکز عمل مکہ سے یثرب (مدینہ) منتقل کرنے کا فیصلہ کر مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور گو قریش بہت کچھ رکاوٹ پیدا کرتے رہے مگر سو سے زیادہ خاندان مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے یہاں تک کہ اب مکہ میں رسول اللہ کے ساتھ مردوں میں صرف حضرت ابوبکر اور حضرت علی رہ گئے۔ قریش کے اکثر مقتدر اور معزز آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے اسلام نے ان کے وقار کو سخت ٹھیس لگائی تھی۔ حضرت عباس اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ابوطالب کی طرح وہ بھی اپنے بھتیجے کے لئے جان تک قربان کرنے کو تیار تھے اس احساس کے ساتھ قریش سوچتے تھے کہ مدینہ بھی عبدالمطلب کے پوتے کی طرف ہو گیا تو ان کی تجارت شام کے ساتھ ختم ہو جائے گی اور حج کے زمانہ میں گڑبڑ ہو گی مسلمان اہل مکہ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور ماضی میں اُن کے بزرگوں پر جو زیادتیاں کی گئی تھیں مستقبل میں ان کا بدلہ لیں گے۔ ان اندیشوں سے وہ سخت پریشان ہو کر بپھرے ہوئے شیر کی طرح دارالندوہ میں آئے جو قصی نے بنایا تھا۔ اس جلسہ میں قریش کے چودہ بڑے بڑے سردار پیش پیش تھے

اور ہر قبیلہ کی نمائندگی تھی۔ بڑی دھواں دھار تقریریں ہوئیں کسی نے کہا محمد کو زنجیر میں باندھ کر کمرہ میں بند کر دو اور بھوکا پیاسا رکھو ختم ہو جائے گا کسی کا خیال تھا کہ اونٹ سے باندھ کر مکّہ سے باہر نکال دو۔ آخر ابوجہل کی اس تجویز پر اتفاق ہوا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک بہادر چُن کر یہ سب آپ کے گھر کا گھیرہ ڈال دیں۔ اور صبح جب آپ نماز کے لئے باہر نکلیں تو سب مل کر ٹوٹ پڑیں تاکہ آپ کے رشتہ دار کسی ایک شخص سے بدلہ نہ لے سکیں۔

خدا کے سچّے رسول کو خبر ہوگئی کہ آپ کے ہم وطنوں نے آپے سے باہر ہو کر اب آپ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لے گئے اور ہجرت کا قصد ظاہر فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا "مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے" آپ نے فرمایا "اچھا" حضرت اسماء بنت ابوبکر نے سامان سفر تیار کیا اور آپ نے گھر واپس آکر حضرت علی سے فرمایا کہ "تم میرے بستر پر رات کو سو جاؤ اور صبح لوگوں کی سب امانتیں دے کر تم بھی مدینہ آجانا۔" عشاء کی نماز کے بعد جب رات ایک تہائی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ حضرت ابوبکر کے ساتھ آپ مکّہ چھوڑ کر جبلِ ثور کے ایک غار میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن رات کو وہاں کھانا پہنچا دیتے تھے۔ اور ان کا غلام عامر بکریاں چراتا ہوا بعد مغرب دودھ پہنچا دیتا تھا۔

صبح ہوئی تو مکّہ کے بُت پرستوں نے آپ کے گھر کو گھیر لیا اور جب بجائے آپ کے حضرت علی کو دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئے۔

حضرت علی کو پکڑ کر خانہ کعبہ میں لائے مگر تھوڑی دیر بعد چھوڑ دیا۔ اور آپ کی تلاش میں نکلے اور جب غار ثور کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر نے فکر و تردد میں کہا دشمن بہت زیادہ ہیں اور ہم صرف دو ہیں آپ نے فرمایا۔ " لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (ہم دو نہیں تین ہیں) تیسرا ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے[۱]

بُت پرستوں کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے۔ ان کی عقلوں پر چربی چھا گئی اور وہ واپس ہوئے۔ غار میں دو راتیں تین دن گذار کر باہر نکل پیغمبر خدا اپنے یار غار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے

مدینہ کے جنوب میں تین میل کے فاصلہ پر قبہ ایک گاؤں ہے۔ انصار کے کئی خاندان یہاں آباد تھے اور مکہ سے جو صحابہ ہجرت کر کے آئے تھے۔ وہ یہیں ٹھیرے ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر کے ساتھ آٹھ روز بعد جون کے مہینہ میں یہاں پہنچ گئے تھے اور حضرت علی اور تین دن تک ٹھیر کر یہیں آ گئے۔ مدینہ کے انصار کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو بہت بڑی تعداد میں یہاں جمع ہوئے۔ قبہ میں چودہ دن آپ نے قیام فرمایا۔ اور یہاں ایک مسجد کی بنا ڈالی گئی مسجد قبہ اسلام کی تاریخ میں پہلی مسجد ہے۔

یہاں ٹھیر کر حبیب خدا کے سچے رسول نے ۱۲ ربیع الاول چودھویں سال نبوت مطابق ۲ رجولائی ۶۲۲ء عیسوی جمعہ کی صبح مدینہ کی سرزمین پر قدم

---

[۱] سورۂ توبہ آیت ۴۰ (قرآن مجید) باب

دیکھا تو اہلِ مدینہ کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ اللہ اکبر کی صداؤں سے دور و نزدیک کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی۔

رسول اللہ کی مکہ سے مدینہ ہجرت اسلامی تاریخ کا اتنا اہم واقعہ ہے کہ مسلمانوں کا سال یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

ہجرت کا پہلا سال

ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام رسول خدا نے یہ کیا کہ مسجد نبوی تعمیر کی۔ صحابہ اور انصار کے ساتھ آپ خود پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔

اس مسجد ہی سے پانچ وقت نماز باجماعت کا آغاز ہوا[1]۔ حضرت بلال کو مؤذن مقرر کیا گیا۔ مکہ سے جو مسلمان ہجرت کرکے آئے ان کی تعداد ۲۱۵ تھی اور مال و دولت سب مکہ چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کرکے انصار سے فرمایا یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں پھر ایک ایک انصار کو بلا کر کہا تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس میں سے نصف اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔ جنگِ بدر کے بعد مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

مہاجرین میں سے اکثر تجارت پیشہ تھے۔ یہاں آکر بھی انھوں نے تجارت کی اور اللہ نے ان کی تجارت میں برکت دی بعض لوگ جنگل کی لکڑیاں

---

[1] ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد شعبان ۲ھ میں قبلہ کا رُخ بیت المقدس سے بدل کر کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔

چُن کرلاتے اور فروخت کرتے تھے۔ یہ بہت غریب لوگ تھے۔ تن ڈھانکنے کو نہ پورا کپڑا ہوتا نہ دونوں وقت کھانا میسر آتا۔ حضرت سعد بن عبادہ دولت مند اور سخی تھے اکثر اسی اسی آدمیوں کو اپنے گھر لے جاکر کھانا کھلاتے تھے۔

مدینہ میں مالدار یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان دونوں کو آپس میں لڑوانے کی ہمیشہ یہودی اس وجہ سے کوشش کرتے رہے کہ وہ کبھی طاقت پاکر ان کے مدمقابل نہ ہو جائیں۔ مکہ میں آپ کی حیثیت ایک شہری کی تھی مگر مدینہ میں منصف مزاج حاکم کی اور جب انصار نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تو ان کا یہ خیال بھی تھا کہ مدینہ والوں کے آپس کے جھگڑے آپ چکادیں گے چنانچہ رسول اللہ نے مدینہ پہنچ کر انصار اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ کرایا کہ دونوں ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ دونوں کو مذہبی آزادی ہوگی۔ اور ایک دوسرے کے عقائد میں دخل نہ دیں گے کسی تیسری جماعت سے جنگ ہوئی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ مدینہ پر اگر کسی نے حملہ کیا تو مسلمان اور یہود دونوں مل کر مقابلہ کریں گے۔ دونوں میں سے اگر ایک کسی اور جماعت سے صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ مدینہ کے اندر خونریزی نہیں ہوگی اور محترم شہر تسلیم کیا جائے گا۔ آپس میں صلح کرانے کے لئے نبی کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔

غزوات کا سلسلہ ۲ ہجری سے

بعض مغربی مورخین لکھ رہے ہیں کہ ہجرت کے

پہلے ہی دن سے آنحضرت امن و آشتی کے نہیں انتقام کے جذبات سے کر چلے تھے اسی لئے لڑائی میں پہل آپ کی طرف سے ہوئی۔ اور آپ نے جارحانہ جنگ کا آغاز کیا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ترکِ وطن کرکے اور دوسری سوسائٹی میں جاکر وطن سے غداری کی۔ اس کے جواب میں اہلِ مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو حق بجانب تھے۔ اس استدلال سے وہ غزوات کی ذمہ داری آنحضرت پر رکھتے ہیں۔ مکہ والوں نے کونسا ظلم تھا جو اللہ کے رسول پر نہیں کیا مٹی کے ڈھیلے مارے۔ پتھر پھینکے۔ خون میں نہلا نہلا دیا۔ گلے میں رسیاں ڈال ڈال کر کھینچا اور گھسیٹتے پھرے۔ اس حالت میں کہ آپ سربسجود ہوتے پیٹھ پر اونٹ کا متعفن پیٹھا رکھا اور گردن میں انتڑیاں ڈالیں۔ اور کونسا ستم تھا جو رسول کا کلمہ پڑھنے والوں پر نہ توڑا۔ حضرت ابوبکر کو خانہ کعبہ میں مارا حضرت عثمان کو رسی میں جکڑ کر پیٹا گیا۔ خباب بن الارت کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر اس وقت تک چت لٹائے رکھا۔ جب تک کہ کوئلے بجھ نہ گئے اور ان کی پیٹھ برص کے داغ کی طرح سفید نہ ہوگئی۔ بلال حبشی کو جلتی جھلستی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر سینہ پر رکھا۔ اور جب گھنٹوں گذر گئے اور احد احد ہی ان کی زبان سے نکلتا رہا تو رسی باندھ کر مکہ کی گلیوں میں سر بر لڑکے گھسیٹتے رہے۔ مسلمان مدینہ ہجرت کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے تو جائداد زمین۔ مال متاع اسباب سب مکہ میں چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ جس نے اپنے ساتھ کچھ لانا چاہا اور اہلِ مکہ کو پتہ لگ گیا۔ تو سب کچھ اس سے چھین لیا۔ مال و متاع ہی نہیں

بیوی بچوں تک سے جدا کر دیا۔ جیسے ابوسلمہ کو۔ کیا یہ دشمنی اور لڑائی کی باتیں نہ تھیں؟ مگر مسلمانوں کو خدا کی طرف سے حکم تھا صبر وضبط اور تحمل اور برداشت کا۔ اللہ کے رسول اور مہاجرین کو مدینہ آئے ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ منافقین کے سب سے بڑے سردار عبداللہ بن ابی کو قریش نے خط لکھا کہ "تم نے محمد کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ یا تو تم اسے قتل کر دو یا اپنے ہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم قسم کھا چکے ہیں کہ متفقہ طور پر ایک دم تم پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کریں گے" یہ خط بھیجنے کے بعد قریش جنگ کی تیاریاں کرتے رہے کہ موقع ملتے ہی مدینہ پر حملہ کر کے آنحضرت کو قتل اور اسلام کو ختم کر دیا جائے۔ رسول اللہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش لڑیں گے اور حملہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ رات کو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ دشمن کی نقل وحرکت سے بے خبر اور اپنی حفاظت سے غافل رہنا مترادف ہے خودکشی کے۔ خود مدینہ میں بت پرست یہودی عیسائی اور منافقین چار جماعتیں تھیں جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس لئے جہاں ان کی طرف سے ہوشیار رہنا ضروری تھا وہاں مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل سے بھی معاہدے کئے گئے۔ قریش کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لئے صحابہ کی مختلف ٹکڑیاں مختلف وقتوں میں مختلف سمت بھیجی گئیں۔ سنہ ۱ ہجری میں حضرت حمزہ کی سرکردگی میں تیس[۳۰] آدمی بحرہ عرب کی طرف (اس راستہ سے اہل

اہل شام مکہ جاتے تھے) یہ دیکھنے کی غرض سے روانہ کیئے گئے کہ کہیں قریش مدینہ پر حملہ تو نہیں کر رہے۔ ساٹھ مہاجر سواروں پر مشتمل ایک ٹولی عبیدہ بن حارث کے تحت ربیع کی طرف بھیجی گئی۔ پہلی جماعت کو دو سو اور دوسری کو تین سو آدمی ملے۔ مگر وہ حملہ کی غرض سے نہیں آ رہے تھے یہ ۱ھ ہجری کا پورا سال گزر گیا۔ قریش کا ایک متنفس ہلاک نہیں کیا گیا۔ ۲ھ ہجری میں خود آنحضرت نے ایک جماعت کی سرکردگی کی پھر سعد بن عبید کو سردار مقرر کیا۔ غزوۃ الابواتک یہ مسلمان گئے اور صرف اس لئے کہ قریش ایک دم مدینہ پہ دھاوا نہ بول دیں۔ ان کے متعلق اطلاعات ملتی رہیں۔ پھر تین ماہ بعد ینبوع کی طرف ابوسلمہ کے تحت ایک ٹکڑی بھیجی گئی۔ کسی موقع پہ بھی ایک آدمی نہیں مارا گیا۔ ایک جانور پر بھی قبضہ نہیں کیا گیا۔ ایک درہم نہیں لوٹا گیا۔ برخلاف اس کے کرز بن جابر فہری جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا اس نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کے بہت سے مویشی لوٹ کر لے گیا۔

رجب ۲ھ ہجری میں بارہ آدمیوں کے ساتھ عبداللہ بن جحش کو بطن نخلہ کی طرف آنحضرت نے قریش کی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا۔ وہاں چند آدمی دیکھ کر کسی شخص نے تیر پھینکا اور عمرو بن الحضرمی جو قریش کا ایک رئیس تھا مارا گیا اور دو آدمی گرفتار ہوئے۔ عبداللہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا تو آپ نے اظہار ناراضگی

کیا۔ صحابہ نے بھی برا بھلا کہا کہ بغیر اجازت کیوں لڑے۔ آنحضرت نے فرمایا:
"قریش کا پتہ لگانے کے لئے تم کو بھیجا تھا نہ کہ لڑنے کے لئے"
مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا دشمنی کی گئی تھی مگر خدا کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے کوئی جارحانہ قدم نہ اٹھایا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے چند ماہ بعد مسلمانوں کو لڑائی کا حکم خدا کی طرف سے مل چکا تھا۔

"لڑائی کی اجازت ان کو دی گئی جن کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا گیا۔ اور یقیناً اللہ اُن کی مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ جو بلاوجہ اپنے گھروں (مکہ) سے صرف اس لئے نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب خدا ہے۔" [۵۱]

اس لئے اور صرف اس لئے کہ بت پرستی سے توبہ کر کے مسلمانوں نے خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکایا اور کہا کہ پرستش کے قابل صرف وہی ایک ذات ہے۔ کیا ان پر ایسے سخت مظالم نہیں توڑے گئے کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہوئے؟

پھر ارشاد باری ہے:-
"تم ان لوگوں سے نہ لڑو گے۔ جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں (اپنے عہد سے پھر گئے) اور پیغمبر کو نکال دینے کا قصد کیا۔ اور پہلی بار تم سے وہ (لڑائی) شروع کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟" [۵۲]

---

[۵۱] سورہ حج۔ رکوع ۶۔ آیت ۳۹ و ۴۰ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ سے رَبُّنَا اللّٰهُ تک
[۵۲] سورہ توبہ۔ آیت ۱۳۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا سے اَتَخْشَوْنَهُمْ تک

پس مسلمانوں کو حکم ہے مدافعت میں جنگ کرنے کا۔ لہٰذا مسلمانوں نے جارحانہ قدم نہیں اٹھایا۔ حربی پیش قدمی نہیں کی۔ مگر قریش کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا اور ان کے ارادوں سے واقف ہونا اشد ضروری تھا، اس لئے مسلمانوں کی مختلف ٹکڑیاں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے بھیجی گئی تھیں۔ اگر مسلمان مکہ پر حملہ کرتے تو جارحانہ قدم ہوتا مگر جب اہل مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کی تو انہوں نے بدر کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا۔ وہ مظلوم تھے اور اپنی مدافعت کا حق رکھتے تھے۔

جنگِ بدر
رمضان ۲ ہجری

عمرو بن الحضرمی کا قتل عرب میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہوا تھا۔ قتل و غارت گری عربوں میں عام بات تھی اور خونبہا عام طور پر ادا کر دیا جاتا تھا۔ کفار مکہ مدینہ پر چڑھائی کے منصوبے تو مسلمانوں کی ہجرت کے وقت ہی سے گانٹھ رہے تھے۔ اس سے بہتر موقع اور کیا ملتا۔ ابن الحضرمی کے قتل کو جو رسول اللہ کی ہدایات کے قطعی خلاف ہوا تھا۔ بہانہ بنا لیا گیا۔

اسی زمانہ میں قریش کا ایک قافلہ تجارت کا مال لے کر شام گیا ہوا تھا۔ اور یہ طے ہوا تھا کہ اس کی واپسی پر تجارت کا کل نفع آنحضرت سے جنگ کرنے پر خرچ کیا جائے گا۔ یہ قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا اس میں کم و بیش ایک ہزار اونٹوں پر سامان تجارت اور نقد زر بیہ لدا ہوا تھا۔ ابوسفیان بن حرب اسی قافلہ کا سردار تھا۔ اس نے سنا کہ مسلمان جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو قبیلہ غفار کے ضمضم بن عمرو

کو سرپٹ قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ دوڑا یا۔ ضمضم نے مکہ آتے ہی غل مچانا شروع کیا کہ محمد قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ جھٹ پٹ مدد کو چلو۔ ابوجہل کو جونہی معلوم ہوا اس نے قریش کو خانہ کعبہ میں جمع کر کے تقریر کی اور قریش مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے نکلے۔ یہ جمعیت ایک ہزار تجربہ کار افراد کی تھی جن میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑا سوار تھے۔ سامانِ جنگ سے یہ جمعیت پوری طرح لیس تھی۔

آنحضرت کو قریش کی پیش قدمی کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے حالات سے باخبر کیا۔ مہاجرین اور انصار نے اسلام کے نام پر کٹ مرنے کا عہد کیا۔ اور ۱۲۔ رمضان سنہ ۲ ہجری کو کُل ۳۱۳ مسلمان جن میں ساٹھ مہاجرین تھے اور جن میں نوعمر لڑکے بھی شامل تھے مکہ کے بُت پرستوں کے مقابلہ کو نکلے تو اُن کے پاس لڑائی کے پورے ہتھیار بھی نہ تھے۔ سواری کے لئے تین تین آدمیوں کے حصہ میں ایک ایک اونٹ آیا۔ رسول اللہ نے بھی اپنے ساتھ دو آدمی اونٹ پر بٹھا لئے۔ ان دونوں نے کہا آپ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے۔ آپ نے فرمایا " نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں" آنحضرت نے ابولبابہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور ۱۶۔ رمضان مطابق ۱۴۔ جنوری سنہ ۶۲۴ عیسوی) کو بدر کے گاؤں میں پہنچے جہاں ایک بہت بڑا بُت خانہ تھا اور جس کی وجہ سے ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ بدر کے میدان کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ قریش بدر پہنچ کر کنوئیں پر قابض ہو چکے تھے کہ مسلمان پہنچے

اور دیکھ کنارے چھپر ڈالا گیا۔ جہاں اللہ کے رسول نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:۔

"الٰہی! یہ قریش تیرے پیغمبر کی تکذیب کے لئے جمع ہوئے ہیں
الٰہی! یہ مٹھی بھر مسلمان اگر مٹ گئے تو پھر کون تیری عبادت کرے گا
الٰہی! ہماری مدد فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے"

قرآن مجید کی آٹھویں سورت الانفال کی بہت سی آیات جنگ بدر کے متعلق ہیں۔ ۶۵ ویں آیت کا ترجمہ ہے:۔

"اے نبی! رغبت دے مسلمانوں کو لڑائی کی۔ اگر ہوویں تم میں سے ۲۰ صبر کرنے والے غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے سو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر"

رات گذر گئی تو جمعہ کا دن تھا۔ صبح الصبح آنحضرت نے صفیں درست کیں۔ مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر خزرج کا حباب بن منذر اور اوس کا سعد بن معاذ کو دیا۔ قریش کی فوجیں قریب آگئیں۔ اس وقت بھی پہل مسلمانوں نے نہیں کی سب سے پہلے بت پرستوں میں سے عامر حضرمی نکلا جس کا حضرت عمر کے غلام مجمع نے مقابلہ کر کے قتل کر دیا۔ مسلمانوں میں حضرات حمزہ۔ علی۔ عبیدہ۔ عوف۔ معاذ۔ عبداللہ بڑے بڑے شجاع اور کفار مکہ میں ابوجہل۔ عتبہ بن ربیعہ۔ حارث بن عمر۔ ولید شیبہ۔ اسعد تمیمہ بن عادی بڑے بڑے سردار تھے۔ پہلے شخصی لڑائیاں ہوئیں۔ اس کے بعد عام حملہ ہوا۔ اور قریش کے بڑے بڑے بہادر مارے گئے

ابوجہل اہلِ مکہ کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اس کے غرور اور شیخی کا یہ عالم تھا کہ جب عبداللہ بن مسعود اس کا سر تن سے جدا کرنے لگے تو اس نے کہا "اور نیچے سے سر کاٹ۔ پوری گردن، کندھوں کے پاس سے الگ کر۔ معلوم تو ہو قریش کے سردار کا سر ہے" ابوجہل اور عقبہ بن ربیعہ کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی۔ اور آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مہاجرین ۶۔ اور انصار ۸ کل ۱۴ مسلمان شہید ہوئے کفارِ مکہ ۷۰ مارے گئے اور ۷۰ قید ہوئے۔ کل ۱۴۰ آدمیوں کا نقصان ہوا۔ اور اس طرح ایک شہید برابر تھا۔ ۱۰ کفار کے جو قتل یا قید ہوئے۔

دستورِ عرب کی رُو سے اسیرانِ جنگ کو یا تو تیروں سے یا تلوار سے مار دینا چاہیئے تھا۔ یا وہ آگ میں ہلاک کر دیئے جاتے مگر رحمت اللعالمین نے ایسا نہیں کیا مسلمان پیدل چلے اور جنگی قیدیوں کو اونٹ پر سوار کیا۔ خود کھجوروں پر گذارہ کیا۔ ان کو روٹی کھلائی۔ اُن کے پاس کپڑے نہ تھے۔ آنحضرت نے اُن کے لئے کپڑے بنوائے۔ پھر ان جنگی قیدیوں کو ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ جو بالکل ہی نادار تھے ان سے کچھ نہیں لیا گیا۔ اور چھوڑ دیا گیا۔ ایک جنگی قیدی شاعر تھا آنحضرت کی رحمدلی عورتوں کی حمایت بچوں کی حمایت سے واقف، اس نے کہا "محمد! میری ۵ بیٹیاں ہیں"۔ آپ نے اسی وقت اُسے آزاد کر دیا۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن سے معاوضہ یہ

لیا گیا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ جب انھوں نے لکھنا سکھا دیا تو ان کو بھی آزاد کر دیا گیا۔ اسیرانِ جنگ سے سلوک برابر کا کیا گیا۔ قرابت داری یا سرداری کی وجہ سے کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا گیا۔ کوئی تخصیص نہیں برتی گئی۔ ان قیدیوں میں آپ کے چچا حضرت عباس اور آپ کے داماد ابو العاص بھی تھے تاوان ان سے بھی لیا گیا (بعد میں یہ دونوں مسلمان ہو گئے)۔

مکہ کو جنگ بدر کا حشر معلوم ہوا تو گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ عمیر بن وہب تلوار زہر میں بجھا کر آنحضرت کو قتل کرنے کی غرض سے مدینہ آیا۔ مگر آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور مکہ واپس آکر تبلیغ اسلام کا کام کیا۔ اسلام کی اس پہلی جنگ کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید (سورۃ آل عمران آیت ۱۲۲) میں فرماتا ہے:-

"یقیناً بدر میں خدا نے تمہاری مدد کی۔ تم کمزور تھے تو خدا سے ڈرو تاکہ شکر گذار بن جاؤ"[1]

اسلام کی اس پہلی جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی، مجاہدوں کو پانی پلانے اور تیر اٹھا کر دینے کے لئے رضاکار عورتوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔

غزوۂ سویق ابو جہل اور عتبہ کے بعد ابو سفیان قریش کا سب سے بڑا سردار تھا۔ وہ ذی الحجہ ۲ھ ہجری میں دو سو اونٹ

---

[1] وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔

سوار لے کر مدینہ کی طرف اس یقین کے ساتھ بڑھا کہ یہودی مسلمانوں کے خلاف اس کا ساتھ دیں گے۔ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے مسلمانوں کے حالات سے اُسے آگاہ کیا اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر عریض پر حملہ کر دیا۔ مگر ابو سفیان لپسپا ہو کر بھاگ گیا سامان رسد میں اس کے پاس ستو کی بوریاں تھیں۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔

تیسری شادی بی بی عائشہ سے سنہ ۲ ہجری

رسول اللہ سے حضرت ابو بکر کی بیٹی حضرت عائشہ کا نکاح سنہ نبوی میں بمقام مکہ ہوا تھا مگر اس وقت وہ کم عمر تھیں۔ اُن کی وداع مدینہ آکر سنہ ۲ ہجری میں ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ نکاح کے وقت وہ ۶ یا ۷ سال اور رخصتی کے وقت ۹ یا ۱۰ سال کی تھیں مگر تاریخی تحقیق یہ ہے (جیسا کہ ان کے حالات میں بیان کیا جائے گا) کہ وداع کے وقت وہ ۱۴ سال کی تھیں۔ رسول اللہ کی بیویوں میں صرف یہ ہی کنواری تھیں اور سب بیوہ تھیں یا مطلقہ۔

جنگ اُحد ۱۱ شوال سنہ ۳ ہجری

عرب میں کوئی شخص مارا جاتا تو اس کا بدلہ ضرور لیا جاتا تھا چاہے اس کے قتل کو کتنی مدت کیوں نہ گذر جاتی۔ جنگ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں بڑے بڑے سردار تھے۔ سارا مکہ انتقام کے جوش میں بھرا تھا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی اس تجویز کو کہ گذشتہ سال شام کی تجارت

میں جو کثیر منافع ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے میں صرف کیا جائے منظور کر لیا گیا اور دو شاعروں کو سب قبیلوں میں بھیجا جنہوں نے اپنے اشعار سے مسلمانوں کے خلاف جوش پھیلایا اور چودہ عورتوں کو جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہوئی تھی، اور جنہوں نے قاتلوں کا خون لینے کا عہد کیا تھا۔ جنگ میں جانے کے لئے تیار کیا۔ ان عورتوں میں ہند (عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں) ام حکیم (عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی) فاطمہ بنت ولید (خالد بن لبید کی بہن) خناس (مصعب بن عمیر کی ماں) بھی تھیں۔ رسول اللہ کے چچا حضرت عباس مکہ ہی میں تھے۔ انہوں نے آنحضرت کو قاصد کے ذریعہ حالات سے باخبر کر دیا۔ رسول اللہ نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر ابوسفیان بن حرب بن امیۃ کی سرکردگی میں مدینہ کے قریب آچکا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ عورتیں قلعہ میں رہیں اور مرد شہر میں مدافعت کریں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو مصلحت کی بنا پر بظاہر مسلمان ہو گیا تھا اور منافقین کا سردار تھا۔ اس کی بھی یہی رائے تھی۔ دوسرا مشورہ یہ دیا گیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر ۱ شوال ۳ھ ہجری (مطابق ۲۵ جنوری ۶۲۵ء عیسوی) کو رسول اللہ ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے باہر آئے مگر عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو آدمیوں کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ اب آنحضرت کے ساتھ صرف سات سو مسلمان تھے۔ یہ باقاعدہ سپاہی یا تنخواہ دار ملازم نہ تھے۔ ان میں صرف سو زرہ پوش تھے۔ ان کے مقابلہ میں قریش کا چار گنے سے بھی زیادہ لشکر جو کہ ہر قسم

تین ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اُحد کے مقام پر جو مدینہ سے شمال مشرق کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ دو دن پہلے جمع ہو چکا تھا۔ ان میں دو ہزار اونٹ سوار۔ دو سو گھوڑے سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔

دوسرے دن ہفتہ ۱۱۔ شوال کو مسلمان احد پہنچے۔ آنحضرت نے صفیں آراستہ کیں تو فوج کی پشت پر پچاس تیر انداز اس ہدایت کے ساتھ مقرر فرمائے کہ کسی حالت میں۔ یہاں تک کہ فتح کی صورت میں بھی اس جگہ سے نہ ہٹیں۔

آغاز جنگ یوں ہوا کہ کفار کی عورتیں ہند (امیر معاویہ کی ماں) کی سرکردگی میں دف بجاتی اشعار گاتی مقتولین بدر کا دردناک مرثیہ پڑھتی آگے بڑھیں۔ اُن کے رجزیہ تھے۔

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔
قالینوں پر چلنے والیاں۔
تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے۔
اور پیچھے قدم ہٹایا تو تم سے الگ ہو جائیں گے۔

سب سے پہلے لشکر قریش کا علم بردار طلحہ نکلا اور حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پھر اس کا بھائی عثمان آیا اور حضرت حمزہ نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔ اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان اس قدر بے جگری اور جانبازی سے لڑے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور اس کے پاؤں اکھڑنے لگے مگر بعض مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اور جو ۵۰ تیرانداز فوج

کی پشت پر مقرر کئے گئے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹ میں حصہ لینے لگے اور اس کا نتیجہ ہوا کہ قریش کے سردار خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ عقب سے حملہ کر دیا۔ اور بدحواسی میں کئی مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسلامی فوج کے علمبردار مصعب بن عمیر بڑی حد تک آنحضرت کے ہمشکل تھے۔ وہ شہید ہوئے تو یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ خواتین میں یہ خبر پہنچی تو انصار میں سے ایک بی بی میدانِ جنگ میں آکر ایک ایک سے رسول اللہ کی خیریت پوچھتی پھریں۔ ان کو اپنے شوہر پھر باپ پھر بھائی پھر بیٹے کی شہادت کی خبریں ملیں اور وہ یہی کہتی رہیں اچھا یہ تو بتاؤ رسول اللہ کس طرح ہیں۔ اور جب آنحضرت کے چہرہ پر ان کی نظر پڑی تو خوشی سے اچھل پڑیں اور کہا۔

"اے خدا کے سچے رسول، باپ بھائی شوہر بیٹا سب تجھ پر قربان ہیں"۔

حضرت اُم عمارہ رسول اکرم کے قریب پہنچ کر سینہ سپر ہو گئیں اور تلوار سے وار روکتی رہیں۔ عبداللہ بن قمیہ قریش کا ایک بہادر صفیں چیرتا آنحضرت کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور زور سے آپ کے چہرے پر ایک تلوار ماری جو اچٹتی ہوئی لگی۔ اور آپ کی پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں گھس گئیں اور دائیں طرف کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ اس وقت اُم عمارہ نے اس کے تلوار ماری مگر لوہے میں غرق تھا۔ وار کارگر نہ ہوا۔ جاں نثارانِ رسولِ عربی نے اپنے آقا کو اپنے گرد لے لیا تھا۔ چاروں طرف سے تیر آرہے تھے۔ آپ پہاڑ کی

چوٹی پر چند صحابہ کے ساتھ چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے اپنے لشکر کو لے کر چڑھنے کی کوشش کی مگر حضرت عمر اور دیگر صحابہ نے اس قدر پتھر اور تیر پھینکے کہ اسے ناکام لوٹنا پڑا۔

مدینہ، رسول اللہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو بی بی فاطمہ اُحد کے پہاڑ پر آگئیں انھوں نے اپنے باپ کا زخم دھویا اور چٹائی جلا کر زخم میں راکھ بھری اور خون تھم گیا۔

حضرت حمزہ نے اس جنگ میں شہادت پائی۔ کفار کی عورتوں نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں کے ناک کان کاٹے۔ اور امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔ اور حضرت حمزہ کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبایا۔ ان کی بہن اور رسول اللہ کی پھپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے اس جنگ میں انتہائی صبر و ضبط کا ثبوت دیا۔ رسول اللہ نے انہیں دیکھ کر ان کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام سے فرمایا "تمہاری ماں حمزہ کی لاش نہ دیکھیں" انہیں معلوم ہوا تو کہا، میں سن چکی ہوں، مگر اللہ کی راہ میں یہ قربانی کچھ نہیں۔ بھائی کا جو مرثیہ انھوں نے کہا اس کے ایک شعر میں رسول اللہ سے اس طرح خطاب کر رہی ہیں۔

"آپ پر آج وہ دن آیا ہے کہ سورج سیاہ ہو گیا۔ حالانکہ پہلے تو وہ روشن تھا"

بی بی عائشہ اور اُم سلیم اس جنگ میں شریک تھیں مشکیں بھر بھر کر لاتیں۔ زخمیوں کو پانی پلاتیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں

مسلمان مدینہ واپس آرہے تھے کہ حمنہ بنت جحش ملیں (حضرت زینب کی بہن جنہوں نے واقعہ افک میں بہن کے خیال سے حضرت عائشہ کے خلاف منافقین کی ہاں میں ہاں ملائی تھی) انہیں پہلے اپنے ماموں حضرت حمزہ کی شہادت کی خبر ملی پھر اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کی۔ دونوں کے لئے انہوں نے دعائے مغفرت کی مگر جب اپنے شوہر حضرت مصعب بن عمیر کی خبر شہادت سنی تو رونے لگیں۔ رسول اکرم نے فرمایا "دیکھو حمنہ کے دل میں اپنے شوہر کی کس قدر محبت ہے۔"

جنگ اُحد میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے جن کے کفن کے لئے مسلمانوں کے پاس کافی کپڑا بھی نہ تھا۔ ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر اسی دن مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس میں نہ یہ ہمت تھی کہ مدینہ پر حملہ کرے نہ یہ جرات کہ لڑائی فیصلہ کُن ہو۔ مغربی مورخین کہتے ہیں کہ جنگ اُحد میں قریش کی فتح ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو اس لڑائی میں سخت نقصان اٹھانا پڑا مگر کیا اس جنگ کو فتح کہا جائے گا جس میں مال غنیمت کچھ بھی ہاتھ نہ آیا؟ کیا فاتح لشکر کی شان یہ ہوتی ہے کہ جنگی قیدی ایک بھی اس کے ساتھ نہ ہو؟

رحم و کرم

غزوہ سویق کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے کچھ فاصلہ پر ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے کہ ایک وحشی بدو دعثور نے آپ کو دیکھ لیا۔ وہ تلوار سونت کر آپ کے سینہ پر کھڑا ہو گیا تو آپ کی آنکھ کھل گئی اس نے چلا کر کہا "محمد! اب تمہیں کون

میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے ؟" آپ نے فرمایا "خدائے واحد" اس جواب پر تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ سینۂ اقدس سے اترا تو جھٹ آپ نے اٹھ کر تلوار اٹھالی اور فرمایا " اب تم کہو تمہیں کون بچا سکتا ہے" اس نے کہا " آہ! کوئی نہیں"۔ آپ نے یہ کہہ کر " تو پھر مجھ سے رحم دل ہونا سیکھ" اس کی تلوار واپس کر دی۔ خدائے واحد پر اس قدر یقین اور دشمن پر اس قدر رحم و کرم عفو و درگذر دیکھ کر متحیر حیرت میں رہ گیا اور اسی وقت آپ پر ایمان لایا۔ "سپرٹ آف اسلام" میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کو واشنگٹن ارونگ نے بڑے دلاویز پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ ۵۔ ذی الحج مطابق یکم اپریل ۶۲۴ء سنہ عیسوی کا ہے۔

چوتھا نکاح بی بی حفصہ سے ۳ سنہ ہجری

بی بی حفصہ حضرت عمر کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی۔ اور انہیں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔ جنگ بدر میں وہ زخمی ہو کر چند ہفتے بعد گذر گئے۔ ان کی دوسری شادی حضرت عمر نے پہلے حضرت عثمان سے پھر ان کے رضامند نہ ہونے پر حضرت ابوبکر سے کرنی چاہی۔ وہ بھی خاموش ہو گئے۔ بی بی حفصہ کے حقوق ہجرت اور حضرت عمر کی خدمات اسلامی کے پیش نظر آپ نے بی بی حفصہ سے نکاح کر لیا۔ (نومبر ۶۲۴ سنہ عیسوی)

عبداللہ بن ابی بن سلول

مدینہ والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ وہ قبیلۂ خزرج

کا سب سے بڑا سردار تھا۔ سارا مدینہ اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو رضامند ہو چکا تھا۔ جلوس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تاج شاہی بن چکا تھا کہ رسولِ اکرم مدینہ تشریف لائے۔ اور عبداللہ کی امیدوں پہ پانی پھر گیا مصلحتاً وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ مگر دل ہی دل میں انگاروں پہ لوٹتا رہا۔ منافقین (یعنی) وہ لوگ جو ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر تھے مسلمانوں کے دشمن، مارِ آستین۔ ان کا سردار یہی شخص تھا مسلمانوں کے خلاف مختلف قبائل مکے کے بت پرستوں اور مدینہ کے یہودیوں کو یہی اُکساتا تھا ہجرت کے تیسرے سال جب مکہ نے دوبارہ مدینہ پہ چڑھائی کی اور اُحد پر بُت پرستوں کا مسلمانوں نے مقابلہ کیا تو اُسی کے بہکانے سے تین سو (۳۰۰) مدینہ والوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے میں بھی پیش پیش تھا اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے ہی حضرت عمر نے اس پہ تلوار سونت لی تھی۔ مگر اللہ کے رسول کے عفو و درگذر نے اُن کا غصہ ٹھنڈا کیا تھا۔ حباب اسی عبداللہ کا بیٹا سچا مسلمان تھا جب عبداللہ کی موت کا پیام آگیا تو اس نے اپنے بیٹے کو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کا کرتہ مل جائے تاکہ عذاب قبر سے محفوظ رہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے۔ دُنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ شان تو صرف انسانِ کامل ہی کی ہو سکتی ہے حضرت عمر کی مخالفت کے باوجود آپ نے کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ اُس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی۔ شریکِ دفن بھی ہوئے اور اُس کے حق میں دعا بھی کی۔

یہودیوں سے لڑائیاں

مکہ میں بت پرست قریش کے مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں یہودی ان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ قینقاع۔ نضیر۔ قریظہ۔ ان کے تین قبیلے تھے۔ یہ لوگ تجارت پیشہ زمیندار۔ دولت مند اور سود خوار تھے اور انصار ان کے قرضدار رہتے تھے۔ ان میں تعلیم بھی تھی۔ اور صنعت و حرفت بھی۔ مگر بہت لالچی اور ریاکار اور بدکار تھے۔ اسلام کی ترقی کو اپنے مفاد کے خلاف سمجھ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے۔ مشرکین سے کہتے کہ تم مسلمانوں سے اچھے ہو۔ وہ بظاہر مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاتے تاکہ اسلام کے متعلق مشرکوں کے خیالات اور خراب ہوں مسلم خواتین کے متعلق فحش اشعار کہتے اور سڑکوں پر گاتے۔ قبیلہ قینقاع نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا جو ۱ھ میں مسلمانوں سے کیا تھا مسلمانوں نے ان کے مضبوط قلعوں کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا۔ اور فیصلہ کے مطابق انہیں مدینہ چھوڑنا پڑا۔ یہ سات سو آدمی تھے جو شام میں جا کر آباد ہوئے۔

کعب بن اشرف یہودیوں کا بہت مشہور شاعر تھا۔ جنگ بدر میں قریش کے جو سردار مارے گئے تھے۔ ان کا اس نے دردانگیز مرثیہ لکھا۔ جس میں قریش کو مشتعل کیا گیا کہ مسلمانوں سے انتقام لیں۔ مدینہ آیا تو آنحضرتؐ کے متعلق ناشائستہ اشعار کہے پھر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھا۔

یہود کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر مسلمانوں کے مدینہ آنے کے وقت سے ہی قریش سے ساز باز کر رہا تھا۔ اور قریش نے اس کو خط لکھا تھا کہ آنحضرت کو قتل کر دے یا مدینہ سے نکال دے۔ انہوں نے رسول اللہ کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی۔ یہود کے ارادوں سے باخبر ہونے کے بعد جب ان سے تجدید معاہدہ کو کہا گیا تو بنو قریظہ نے پھر معاہدہ کر لیا۔ مگر اس قبیلہ نے نہ کیا۔ عبداللہ بن ابی نے یہ کہہ کر پیٹھ ٹھونکی کہ میں دو ہزار آدمیوں سے مدد کروں گا۔ تم صلح کی بات نہ کرنا جنگ احد کے موقعہ پر مدینہ سے باہر قریش مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے اور مدینہ کے اندر یہودی مسلمانوں کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ سنہ ۴ ہجری میں ان کے سنگین قلعوں کا محاصرہ کیا گیا اور اس شرط پر رضا مند ہو کر کہ اپنے اونٹوں پر جس قدر مال لے جا سکیں لے۔ انہیں مدینہ سے نکلنا پڑا۔ جنگ خیبر انہیں کی وجہ سے ہوئی۔

بنو نضیر ہی کے اکسانے سے بنو قریظہ نے جنگ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف حصہ لیا تھا۔

پانچواں نکاح بی بی زینب ہلالیہ بنت خزیمہ سے سنہ ۴ ہجری

بی بی زینب ہلالیہ ام المساکین بنت خزیمہ کے یکے بعد دیگرے دو شوہر مرنے کے بعد تیسرے شوہر عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ رہا تھا۔ ان کا چوتھا نکاح رسول اللہ سے سنہ ۴ ہجری

مطابق جنوری سنہ ۶۲۶ء میں ہوا مگر تین ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

چھٹا نکاح بی بی ام سلمہ سے سنہ ۴ھ

یہ ابو سلمہ کی بیوہ تھیں۔ جنہوں نے جنگ احد میں زخمی ہونے کے ۸ ماہ بعد وفات پائی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ اُن کی کفالت اور ان کی حفاظت کے لئے سنہ ۴ ہجری مطابق فروری سنہ ۶۲۶ء آنحضرت نے ان سے نکاح کیا۔ اسلام کی راہ میں انہوں نے بہت سختیاں اٹھائی تھیں۔

قبائل کی لڑائیاں

بُت پرستی عرب کے ہر قبیلہ کا ایمان تھا اور اسی کو مٹانے کے لئے رسول تشریف لائے حج کے دنوں میں جب عرب کے تمام قبائل جن کا گذارہ ہی لوٹ مار پر تھا۔ جس کی اسلام نے سختی سے ممانعت کی تھی۔ مکہ آتے تو قریش اسلام کے خلاف انھیں ابھارتے پھرتے ادھر یہودی ان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔ بلکہ مدینہ کے اندر یا مدینہ کے باہر کہیں بھی وہ اطمینان سے نہ رہ سکتے تھے۔ مسلمان سخت پریشان تھے اور آنحضرت انہیں تسلی تشفی دیتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو مشرکین ہی سے نہیں منافقین سے بھی خطرہ تھا۔

ایک دن قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ تحفے پیش کر کے کہا میرے قبیلہ کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے تحفے واپس کر دیئے اور فرمایا مجھے نجدیوں پر اعتبار نہیں۔ اس کے یقین دلانے پر کہ مسلمانوں کو ہرگز

کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔ آپ نے ستر انصاری ساتھ کر دیئے جنہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا۔ مگر انہیں گھیر کر قتل کر دیا گیا۔ صرف ایک انصاری کسی طرح بچ کر نکل آئے اور آنحضرت کو اس سانحہ کی اطلاع دی۔ آنحضرت کو اتنا شدید صدمہ ہوا کہ تا دمِ حیات ان بے گناہ مسلمانوں کی شہادت پر افسوس کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں قارہ اور عضل دو قبیلوں کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہمیں دین کی باتیں بتانے کے لئے چند مسلمانوں کو بھیج دیجئے۔ آپ نے دس آدمی بھیجدیئے ان پر بھی دھوکہ سے اسی طرح رجیع کے مقام پر حملہ کر دیا۔ آٹھ شہید ہوئے اور دو گرفتار۔ ان میں سے ایک زید تھے۔ ابو سفیان نے انہیں خرید لیا تھا اور پھر قتل کے وقت جب سینکڑوں تماشائی موجود تھے ان سے کہا "تمہیں چھوڑا جا سکتا ہے بشرطیکہ تم محمد کو قتل کرو۔" انہوں نے جواب دیا لاحول ولاقوۃ میری جان حضور کے مقابلہ میں کیا چیز ہے میں تو حضور کے پاؤں میں کانٹے کی خلش بھی نہیں دیکھ سکتا۔" اس جواب پر ان کا سر اڑا دیا گیا۔

ساتواں نکاح
بی بی زینب بنت جحش سے
۵ ہجری مطابق جون ۶۲۶ء

بی بی زینب بنت جحش کی ماں امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور عبداللہ کی بہن تھیں گویا بی بی زینب رسول اللہ کی پھوپی کی بیٹی۔ مدینہ جب ہجرت کر کے آئیں تو تیس سال سے اوپر عمر ہو گئی تھی تین سال بعد ان کا نکاح رسول اللہ نے اپنے آزاد غلام زید بن حارثؓ سے کر دیا تھا۔ یہ وہی زید تھے۔ جو زید بن محمد کہلانے لگے تھے اور رسول اللہ

بیٹے کی طرح محبت کرتے تھے۔ زید کی پہلی شادی ام ایمن سے ہوئی تھی مگر ان کے انتقال کے بعد زینب بنت جحش سے۔ وہ اس رشتہ کو پسند نہ کرتی تھیں کیونکہ وہ ایک باوقار معزز خاندان سے تھیں اور زید بہرحال غلام۔ مگر اسلام میں امیر غریب آزاد و غلام کا امتیاز نہیں اور اسے اس رواج کو مٹانا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر دیا مگر چونکہ بی بی زینب اس نکاح سے خوش نہ تھیں انہوں نے زید سے طلاق لے لی۔ اب ادھر تو بی بی زینب کے پہلے نکاح کی تمام ذمہ داری آپ کی ذات پر تھی۔ دوسرے لے پالک کی مذموم رسم کو مٹانا تھا۔ کہ کسی کو بیٹا بنا لینے سے اس کا حق بیٹے کے برابر ہرگز نہیں ہو جاتا اس لئے آپ نے خود بی بی زینب سے نکاح کیا۔ یہ واقعہ اس قدر اہم تھا کہ کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔

جنگ بنی مصطلق ۵ہجری

مدینہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے مریسیع یہاں یہودی قبیلہ بنی مصطلق آباد تھا قریش کے اکسانے پر اس قبیلہ کے سردار حارث ابن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ حضور کو اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو آپ نے صحابہ کو مقابلہ کے لئے تیار کیا اور ۲ شعبان ۵ھ کو اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی۔ حارث کو اس کا علم ہوا تو وہ تو بھاگ گیا مگر مریسیع والے مسلمانوں پر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے حملہ کیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

آٹھواں نکاح بی بی جویریہ سے ۵ ہجری

جنگ مصطلق میں مسلمانوں کے ہاتھ چھ سو قیدی دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں آئیں۔ قیدیوں میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جن کا شوہر مسافع بن صفوان جنگ مصطلق میں مارا گیا تھا۔ مال غنیمت تقسیم ہوا تو جویریہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں جس نے اس شرط پر ان کو چھوڑ دیا کہ ایک معقول رقم معاوضہ ادا کی جائے۔ جویریہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ اس وقت میں قید ہوں مگر اپنے قبیلہ کے سب سے بڑے آدمی کی بیٹی ہوں آپ میری مدد کیجئے۔ رسول اللہ نے معاوضہ کی رقم ثابت کو ادا کر کے انہیں آزاد کر دیا۔ بی بی جویریہ مسلمان تو ہو ہی چکی تھیں انہوں نے خواہش کی کہ رسول اللہ ان سے نکاح کر لیں۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرما لی اور اس نکاح کے احترام میں بی بی جویریہ کے قبیلہ کے سب آدمی آزاد کر دیئے گئے۔ اور مال غنیمت ان کے مالکوں کو واپس کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنے قبیلہ کے لوگوں کے لئے اس قدر رحمت کا باعث ہوئی ہو جیسے بی بی جویریہ"۔

بی بی عائشہ پر بہتان

۵ ہجری میں مریسیع سے واپسی پر بی بی عائشہ قافلہ کے پیچھے رہ گئیں۔ ہوا یہ کہ ان کی کنگھی کہیں گر پڑی تھی۔ وہ اس کی تلاش میں رہیں اور خالی ہو [illegible] لئے

ہوئے اُن کا اونٹ روانہ ہو گیا۔ صفوان ابن معطل گری پڑی چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے سب سے آخر میں تھے۔ انہوں نے بی بی عائشہ کو دیکھا تو اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور جا کر فوج سے مل گئے۔ دشمنانِ اسلام ہر وقت اسلام کو بدنام کرنے کی تاک میں لگے ہی رہتے تھے اس موقع پر انہوں نے بالخصوص منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے حضرت عائشہ پر بہتان اٹھایا۔ رسول اللہ نے تحقیق کی۔ گواہیاں بی بی عائشہ کی بےگناہی میں دی گئیں۔ یہاں تک کہ کلام اللہ کی آیتیں ان کی برات میں نازل ہوئیں ان سے پہلے ایک اور عصمت مآب خاتون بی بی مریم کی عصمت کا کلام اللہ گواہ ہے۔

جنگ احزاب یا غزوۂ خندق ذیقعدہ ۵ھ

یہودیوں کا قبیلہ بنو نضیر اپنی مسلسل شرارت بد عہدی اور غداری کی وجہ سے مدینہ سے نکالا گیا تو ادھر تو خیبر والوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا رہا اور ادھر مکہ جا کر قریش کو جو پہلے ہی سے مسلمانوں پر دانت پیس رہے تھے اور اُن سے بدلہ لینے پر تلے بیٹھے تھے بھڑکایا۔ عرب کے مختلف قبائل بھی اس فکر میں تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کا پاپ کٹے۔ تینوں طاقتیں متحد ہو گئیں۔ اور قریش نے تیسری مرتبہ قبائل اور یہود کی مدد سے مدینہ کی طرف پیش قدمی کی۔ تینوں اتحادیوں کی مجموعی فوج کی تعداد دس ہزار اور بقول بعض چوبیس ہزار تھی۔ رسول اللہ کو معلوم ہوا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا سلمان فارسی کی اس رائے کو سب نے

پسند کیا۔ کہ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے خندق کھودی جائے۔ مدینہ تین طرف سے نخلستان اور مکانات سے محفوظ تھا اور چوتھی طرف پانچ گز چوڑی پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔ رسول اللہ نے دس دس گز زمین دس دس آدمیوں کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دی اور خود بھی صحابہ کی طرح فاقہ کی حالت میں خندق کھودی! بیس دن تک یہ خندق کھودی گئی۔

یہود۔ قریش اور قبائل کے دس ہزار اور بقول بعض ۲۴ ہزار لشکر نے پوری تیاری کے ساتھ اس زور سے حملہ کیا کہ زمین مدینہ دہل گئی۔ سورۂ احزاب میں اس موقعہ کے لئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ آیت ۱۰ اولا

"جب دشمن اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف سے آپڑے اور جب (خوف کی وجہ سے) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا بڑا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے[۱]"

اسلامی فوج میں منافقین بھی تھے جو مصلحتاً مسلمان ہو گئے تھے۔ رسد کی کمی، رات رات بھر جاگنے۔ اور اپنے گھر محفوظ نہ ہونے کے بہانے تراش کر وہ شہر جانے کی فکر میں تھے۔ اس کے متعلق بھی سورۂ احزاب میں ہے۔ آیت ۱۳۔

"ان میں بعض لوگ نبی سے جانے کی اجازت مانگتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض

---

[۱] إِذْ جَاءُوكُم ۔۔ ۔۔ ۔۔ زِلْزَالًا شَدِيدًا

بھاگنا چاہتے ہیں" [1]

اور مسلمانوں کے متعلق بھی اسی سورۃ کی آیت ۲۲ ہے کہ

"ایمان داروں نے جب اُن کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو وہی ہے جس کی ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے خبر دی تھی۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس سے ان کے ایمان اور طاعت میں اور ترقی ہو گئی" [2]

یہ جنگ بہت سخت تھی اور ایک ماہ تک رہی۔ مسلمانوں کو تین تین دن فاقے کرنے پڑے۔ صحابہ نے رسول اللہ کو پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آپ نے بھی ان کو دکھایا کہ شکم پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مشرکین خندق پار نہ کر سکتے تھے۔ تیر اور پتھر برساتے تھے۔ مختلف اصحاب کے سپرد مختلف حصے تھے۔ ایک حصہ کا اہتمام خود آپ کے ذمہ تھا۔ ایک طرف سے خندق کی چوڑائی کم تھی۔ اسی طرف سے قریش خندق پار کر کے آئے۔ سب سے پہلے عمر بن عبدِ وُدّ نے جس کی بہادری کا لوہا سارا عرب مانتا تھا سامنے آیا کہ حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پھر کئی نامور سردار آئے اور مارے گئے۔ مسلمان عورتیں جس قلعہ میں تھیں اس پر بنو قریظہ کے یہودیوں نے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ کی پھوپی حضرت صفیہ نے خیمہ کی چوب اکھاڑ کر اس زور سے اس یہودی کے جو پھاٹک تک پہنچ گیا تھا کھینچ کر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔

---

[1] وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ ۔ ۔ ۔ ۔ اِلَّا فِرَارًا۔

[2] وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ ۔ ۔ وَ تَسْلِيْمًا ۝

حضرت صفیہ نے اس کا سر کاٹ کر قلعہ پر لٹکا دیا۔ اور یہودی یہ سمجھ کر کہ قلعہ میں بھی فوجیں ہیں بھاگ گئے۔ رسد ختم ہو تے ہی اور جنگ طول کھینچ رہی تھی اور دشمن اکتا سے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کہ طوفان بھیجا۔ ان کے خیمے اکھڑنے لگے۔ اس واقعہ کو کلام اللہ میں (سورۂ احزاب آیت ۹) اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اے ایمان والو۔ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی (جس نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے اور (فرشتوں کی) ایسی فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے (اس وقت کے) اعمال کو (خندق کھودنے کے استقلال کو) دیکھتا تھا" [1]

ابوسفیان نے جو دشمن کے لشکر کا سب سے بڑا آدمی تھا کہا رسد ختم ہوگئی۔ آندھی نے پریشان کر دیا۔ یہود بنو قریظہ بھاگ گئے۔ محاصرہ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ابوسفیان کی تقریر سن کر لشکر کفار واپس ہو گیا اور رسول اللہ مسلمانوں کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ جنگ احزاب یا جنگ خندق میں دشمن کے چوبیس ہزار کے لشکر کے مقابلہ میں اسلامی فوج صرف تین ہزار تھی۔

صلح حدیبیہ اور بیعت الرضوان سنہ ۶ ھ فروری سنہ ۶۲۸ء	سنہ ۶ ھ میں رسول اللہ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ حج کے لئے

[1] یا ایہا الذین ۔ ۔ ۔ وکان اللہ بما تعملون بصیرا

روانہ ہوئے اور قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لئے۔ ہتھیار کے علاوہ جو ہر عرب ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ کوئی ہتھیار کسی کے پاس نہ تھا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی رسم ادا کی گئی۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے قبائل کو خبر کی۔ اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ سے باہر آئے۔ ادھر رسول اللہ اور مسلمان مکہ سے ایک میل ادھر حدیبیہ کے مقام پر پہنچے۔

ابھی تک قبیلہ خزاعہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر اسے مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ بدیل بن ورقہ اس قبیلہ کے سردار کو آنحضرت کے آنے کی خبر ملی تو وہ حدیبیہ میں آیا اور اطلاع دی کہ قریش کا ایک بڑا لشکر مکہ سے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ آپ کو مکہ نہ جانے دے گا۔ آپ نے فرمایا ہم جنگ کے لئے نہیں آئے۔ عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ مناسب تو یہی ہے کہ قریش ہم سے ایک مقررہ مدت کے لئے صلح کر لیں۔ نہیں تو میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہیں ہو جاتی۔ بدیل نے یہی الفاظ قریش کے پاس جا کر دوہرا دیئے۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے آئے اور اثنا گفتگو میں رسول اللہ سے کہا کہ آپ مسلمانوں پر زیادہ بھروسہ نہ کریں۔ آپ پر کوئی مصیبت آ پڑی تو یہ سب بھاگ جائیں گے۔" مگر اس نے قریش سے جا کر کہا" میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر جو عقیدت و محبت مسلمانوں کی محمد کے ساتھ دیکھی وہ کہیں نظر نہ آئی۔ قریش کے دور اندیش اور سمجھدار آدمیوں کی رائے تھی کہ معاہدہ کر لینا چاہیئے۔ تین دفعہ ہم مدینہ پر دھاوا بول چکے ہیں، مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے ۔۔۔

معاہدہ ہو جائے گا تو شام کی تجارت کھل جائے گی۔ کیونکہ کوئی فیصلہ کن گفتگو اب تک نہ ہوئی تھی۔ اس لئے رسول اللہ نے حضرت عثمان بن عفّان کو قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے انہیں روک لیا اور یہ خبر اُڑ گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے عہد لیا کہ اسلام پر وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ قریش کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ بھی نہ تھی۔ سامانِ جنگ بھی ان کے پاس نہ تھا۔ مگر وہ اپنے آقا اور مولا کو اللہ کا سچا رسول یقین کرتے اور اسلام پر اپنے جسم کا آخری قطرہ تک بہا دینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

قریش کی طرف سے سہیل بن عمر رسول اللہ کے پاس آیا اور اس سے گفتگو ہونے کے بعد حضرت علی نے معاہدہ قلم بند کیا۔ صلح کی شرطیں یہ تھیں۔

(۱) مسلمان بغیر حج کئے اس سال تو واپس چلے جائیں مگر (۲) آیندہ سال حج کو آسکتے ہیں لیکن تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں گے۔
(۳) جو مسلمان مکہ میں ہیں انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے لیکن اگر ان میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اُسے نہ روکیں گے (۴) مکہ سے جو مدینہ جائے وہ واپس کیا جائے مگر کوئی مسلمان جو مکہ آئے تو واپس نہ کیا جائے
(۵) قبائل کو اختیار ہوگا کہ قریش اور مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔

بظاہر مسلمانوں نے دب کر یہ شرطیں قبول کیں۔ مگر اس معاہدہ میں ان

کی بڑی فتح تھی۔ تین دن حدیبیہ میں قیام کر کے مسلمان واپس ہوئے جیسا کہ حضرت جبریل نے پہلی وحی کے نزول کے وقت کہا تھا کہ "اے محمد قرآن تم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوگا" انیس سال سے وقتاً فوقتاً کلام اللہ نازل ہو رہا تھا۔ ——— حدیبیہ سے روانہ ہونے کے بعد راستہ ہی میں سورۂ فتحنا (باب ۴۸) کا نزول ہوا "ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی" سلہ

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی یہ فتح تھی کہ وہ اور کفار بے کھٹکے ملنے جلنے لگے۔ شام کی طرف وہ تجارت کو جاتے اور ان کے خاندان کے بہت سے افراد بھی مدینے میں تھے۔ اس لئے وہ اکثر مدینہ آتے اور گہری نظر سے مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے اور مکہ جا کر اس کا ذکر کرتے۔ اسلام کی تعلیم وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو متاثر ہوتے اور یتیم عبد اللہ کی رسالت کا یقین کر کے کلمہ توحید پڑھتے۔ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک قریش اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ اب تک نہ ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید اسی زمانہ میں ایمان لائے اور اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

نواں نکاح بی بی ام حبیبہ سے ۶ سنہ ہجری

بی بی ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی اور عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کو ہجرت حبش کی اجازت ہوئی تو ۵ سنہ نبوت میں یہ بھی اپنے میاں کے ساتھ حبش چلی گئی تھیں۔ وہاں جا کر عبید اللہ بن جحش عیسائی ہوگیا تو انہوں نے اسلام کی محبت میں اس سے علیحدگی کر لی اور وہ وہیں

سلہ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔

مر گیا۔ رسول اللہ کو جب معلوم ہوا کہ اسلام کی خاطر اس قدر تکلیفیں جھیلنے کے بعد ان کی محبت اسلام کا یہ حال ہے اور اب ان کا کوئی مددگار نہیں تو عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ حبش کے بادشاہ کے نام خط لکھ کر بھیجا کہ اپنی وکالت سے میرا نکاح ام حبیبہ کے ساتھ کر دو۔ اور مہر بھی ادا کر دو۔ یہ نکاح ابو سفیان کی دشمنی میں کمی کا باعث ہوا۔ سنہ ۷ ہجری میں بی بی ام حبیبہ حبش سے مدینہ آگئیں۔

دعوت اسلام سلاطین کو سنہ ۷ ہجری

رسول اللہ صرف عرب کے لئے نہیں تمام دنیا کے لئے اور صرف اُس زمانہ کے لئے نہیں۔ رہتی دنیا تک کے لئے بندگانِ خدا کو راہ راست دکھانے اور خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اس لئے آپ نے سنہ ۷ ہجری کے اوائل مطابق سنہ ۶۲۸ عیسوی میں اڑوس پڑوس کے فرماں رواؤں کو اسلام قبول کرنے کے لئے خطوط روانہ کئے اس زمانہ میں عرب کے اطراف میں چار زبردست سلطنتیں تھیں۔ ایک تو آتش پرستوں کی فارس میں۔ جس کا شہنشاہ خسرو پرویز تھا۔ اور تین عیسائیوں کی روم میں جس کا حاکم ہرقل مصر میں جس کا حکمراں مقوقس اور حبش میں جس کا بادشاہ نجاشی تھا۔

فتح خیبر سنہ ۷ مطابق مارچ سنہ ۶۲۸ء

خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ مدینہ سے جلاوطنی کے بعد یہودی قبیلہ بنو نضیر کے آدمی زیادہ تر یہیں آباد ہوئے۔ اس لئے یہ

جگہ یہودیوں کا مرکزی مقام بن گیا۔ یہاں انہوں نے مضبوط قلعے بنائے جنگ احزاب کے لئے انہوں ہی نے اسلام کے خلاف قریش اور مختلف قبائل کو اکسایا تھا۔ منافقین کے سب سے بڑے سردار عبداللہ بن ابی سے انہوں نے سازباز کی اور اُس نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ صلح حدیبیہ سے یہودی یہ سمجھے کہ مسلمانوں نے جو دب کر معاہدہ کیا ہے تو واقعی وہ کمزور ہیں۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قبیلہ غطفان کو یہ لالچ دیا کہ فتح ہونے پر مدینہ کے نخلستان کا نصف حصہ تم کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ کو جب ان لوگوں کے ارادہ کا علم ہوا تو یہود اور قبیلہ غطفان کے حملہ سے مدینہ کو بچانے کے لئے سباع بن عرفطہ غفاری کو حاکم مدینہ مقرر کر کے ۱۶۰۰ آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے جب آپ سفر پہ جاتے، اور ازواج مطہرات میں سے کسی کو لے جانے کی ضرورت ہوتی تو قرعہ ڈال لیتے۔ جس بیوی کا نام نکلتا انہیں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ خیبر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہودی اپنی عورتوں کو محفوظ مقام پر پہنچا کر اور غلہ وغیرہ کافی مہیا کر کے جنگ کے لئے بالکل تیار ہیں۔ یہودیوں کی فوج بیس ہزار تھی۔ اور بہترین قسم کے سامانِ جنگ سے آراستہ۔ ان کے چھ نہایت مضبوط قلعے تھے۔ جن میں سے پانچ تو آسانی سے سر کر لئے گئے مگر چھٹا قلعہ القموص کا بیس دن تک مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ آخر رسول اللہ نے حضرت علی کو علم دیا۔ حضرت علی نے کئی یہودیوں کا سر قلم کر دیا تو یہودی ان پر ٹوٹ پڑے

حضرت علی کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو انہوں نے قلعہ کا کواڑ جو بہت مضبوط اور بہت بھاری تھا۔ پوری قوت سے اکھاڑ ڈالا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ یہ قلعہ بھی سر ہو گیا۔ اور یہودیوں نے ہتیار ڈال دیئے جنگ خیبر میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور پندرہ مسلمان شہید ہوئے یہودیوں کی یہ درخواست منظور کر لی گئی کہ زمین انہیں کے قبضہ میں رہے اور پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیا جائے۔

لیکن یہودی اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کی دعوت کی اور آپ دشمنوں کی دعوت میں بخوشی تشریف لے گئے۔ لیکن اس شریر قوم کی ایک عورت زینب بنت حارث جو سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ کے ذریعہ آنحضرت کو کھانے میں زہر دیا۔ آپ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ خدا کی مدد سے آپ کو معلوم ہو گیا۔ مگر ایک صحابی بشر ابن بارہ جنہوں نے کئی لقمے کھائے تھے ان پر زہر نے اثر کیا۔

دسواں نکاح
بی بی صفیہ
۷ھ ہجری مطابق ۶۲۸ء

بی بی صفیہ کو ان کے پہلے شوہر سلام بن مشکم نے طلاق دے دی تھی۔ دوسرا شوہر کنانہ قبیلہ بنو نضیر کے مشہور سردار ابی الحقیق کا پوتا تھا۔ ان کا باپ حیی بن اخطب جو ہارون پیغمبر کی نسل میں سے تھا جنگ خیبر میں مارا گیا تھا۔ فتح خیبر کے بعد یہ جنگی قیدی تھیں اور اگرچہ دحیہ بن کلبی کو انہیں دے دیا گیا تھا مگر صحابہ نے ان کے خاندانی اعزاز کے خیال سے تجویز کی کہ رسول اللہ ان سے نکاح کر لیں تو یہود کی دشمنی میں کمی

آجائے گی۔ اس تجویز کے مطابق رسول نے ان سے نکاح کر لیا۔ یورپ کے متعصب مورخین نے جو یہ لکھا کہ فتح خیبر سے مسلمانوں کو بے اندازہ دولت ملی یہ اس وجہ سے من گھڑت کہانی اور بالکل جھوٹا قصہ ہے کہ بی بی صفیہ کے نکاح کے بعد جب رسول اللہ نے دعوت ولیمہ کیا تو مسلمان اپنا اپنا کھانا لیکر آئے تھے اس نکاح کے بعد یہودی پھر کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شریک نہیں ہوئے

ادائے عمرہ ۷ھ ہجری

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ دو ہزار جاں نثاروں کے ساتھ ادائے عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ معاہدۂ حدیبیہ کی رُو سے مسلمان اپنے ساتھ مکہ میں ہتھیار نہ لا سکتے تھے اس لئے انہوں نے بطن یاجج کے مقام پر جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ہتھیار چھوڑے۔ آپ کے ساتھ انصار اور مہاجرین مدینہ کے علاوہ مسلمان بھی تھے جو حبش ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور واپس مدینہ آ گئے تھے۔ ادائے عمرہ کے بعد معاہدہ کی رُو سے تین دن گذرنے پر مسلمان مدینہ کے لئے واپس ہو گئے۔

گیارہواں نکاح بی بی میمونہ سے ۷ھ ہجری

قبیلہ بنو ہلال کے ایک معزز سردار حارث بن حزن کی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو سے ہوا اس نے طلاق دے دی تو دوسرا نکاح عبدالعزیٰ سے ہوا اس کے انتقال کے بعد حضرت عباس نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ قرابت کے حقوق کا تقاضا ہے کہ میری سالی سے جو بیوہ ہے آپ نکاح کر لیں۔

رسول اللہ نے درخواست منظور کر لی۔ مگر نکاح اس وقت ملتوی کر دیا گیا کیونکہ جنگِ خیبر کی تیاری ہو رہی تھی۔ جب آپ عمرہ کے لئے ۷ھ میں مکہ پہنچے تو حضرت عباس کی وکالت سے نکاح ہوا۔ اور مہر کے پانچ سو درہم ادا کر دیئے گئے اور بی بی میمونہ کو رسول اللہ اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔

جنگِ موتہ
۸ھ مطابق ۶۲۹ء

قیصر روم کو خط لکھ کر رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو بھیجا تھا قیصر کے ایک رئیس شرجبیل نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ ان کے قصاص کے لئے جمادی الاول ۸ھ مطابق جولائی ۶۲۹ء میں رسول اللہ نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر رومیوں کے مقابلہ کے لئے زید بن حارث کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ قیصر روم کے جرنیل شرجبیل کو جاسوسوں کے ذریعہ اس کی اطلاع ملی۔ تو وہ ایک لاکھ فوج سے آگے بڑھا۔ موتہ کے مقام پر ملک شام میں جنگ ہوئی۔ حضرت زید بن حارث برچھیاں کھا کھا کر حضرت جعفرؓ زخموں سے چور ہو کر حضرت عبداللہ بن رواحہ تلوار پر تلوار کے وار سے گھائل ہو کر شہید ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید بے جگری سے لڑے۔ کہا جاتا ہے ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ ڈیڑھ دن کی جنگ کے بعد اپنی فوج کو ہوشیاری سے نکال کر واپس آ گئے۔ اس جنگ کے بعد انہیں سیف اللہ کا خطاب ملا۔

فتح مکہ ۸ ہجری

قبیلہ خزاعہ اور بنو بکر کی دشمنی نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی تھی۔ ایک رات بنو بکر نے قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بنو بکر کی مدد کی۔ خزاعہ نے حرم میں پناہ لی۔ وہاں عربوں کے رواج کے مطابق کسی کا خون نہیں بہایا جا سکتا تھا۔ قریش نے بجائے روکنے اور منع کرنے کے خزاعہ کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اس قبیلہ کے کئی آدمی خانہ کعبہ میں مارے گئے۔ صلح حدیبیہ کی رُو سے قبیلۂ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس کے نمائندے رسول اللہ کی خدمت میں فریاد لے کر آئے آپ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ ان تین باتوں میں سے ایک بات منظور کی جائے۔

(۱) مقتولین کا خوں بہا دیا جائے (۲) یا بنو بکر سے تعلقات منقطع کیے جائیں (۳) ورنہ پھر معاہدہ حدیبیہ ختم سمجھا جائے۔

جب قریش نے معاہدہ حدیبیہ توڑنا منظور کیا تو رسول اللہ دس ہزار مسلح مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو نکلے اور اس طرح دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے جو الفاظ کہلوائے تھے :-

"وہ دس ہزار پاک انسانوں کو لے کر آیا"

وہ پورے ہوئے۔ مرّ الظہران پہ جو مکہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ ان پاک نفوس نے قیام کیا۔ اور رسول اللہ کی ہدایت کے مطابق ایک ایک خیمہ میں آگ روشن کی گئی تاکہ قریش مسلمانوں

کی تعداد سے کبھی مرعوب ہوں۔ اور بندگانِ خدا کا خون نہ بہے
اور ایسا ہی ہوا بغیر مقابلہ کئے اہل مکہ سر ہو گئے اور سب سے پہلے
جو قریش رسول اللہ کے سامنے لایا گیا وہ ان کا سب سے بڑا سردار
اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان تھے۔ ابوجہل کے بعد
یہی قریش کے سرغنہ تھے۔ جنگ بدر کے بعد مدینہ پر دو دفعہ چڑھائی
انہیں کی سرکردگی میں ہوئی تھی۔ عرب کے تمام قبائل کو اسلام کے خلاف
انہوں ہی نے اکسایا تھا اور رسول اللہ کو قتل کرنے کی تدبیر بھی انہوں
ہی نے کی تھیں۔ رسول اللہ کا خلق دوست دشمن سب کے لئے
یکساں تھا۔ حضرت عمر نے ابوسفیان کو دیکھا تو آگ بگولا ہو گئے اور
اپنے آقا سے کہا اجازت ہو تو ابھی گردن اڑا دوں مگر آپ نے منع فرمایا
بیس سال سے تنی ہی گردن اور اکڑا ہوا سر خلق محمدی کے آگے جھک
گیا اور اسلام قبول کیا۔

اللہ اور اس کے رسول کی فوج جب مکہ میں داخل ہوئی تو تکبیر کے
نعروں سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ انصار کے علمبردار حضرت
سعد بن عبادہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا " آج کعبہ کو حلال کیا جائیگا"
مگر جب اللہ کے رسول کی سواری گذری اور یہ الفاظ آپ تک
پہنچے تو فرمایا نہیں۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے"۔

مکہ میں پہنچ کر ابوسفیان نے اپنی قوم سے کہا کہ " مقابلہ میں سراسر
نقصان ہی نقصان ہے"۔ اس کے ساتھ ہی رسول اللہ کی طرف سے

یہ اعلان کیا کہ جو لوگ میرے گھر میں پناہ لیں گے یا اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیں گے یا کعبہ میں آئیں گے۔ ان سب کو پناہ دی جائے گی "اس اعلان کے باوجود جب حضرت خالد بن ولید فوج کو لے کر مکہ میں داخل ہونے لگے تو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اس پر تیر برسائے۔ رسول اللہ کی ہدایت تھی کہ کسی قیمت پر بھی کسی کا خون نہ گرایا جائے مگر اپنی مدافعت میں حضرت خالد کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اور عکرمہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے۔ اب رسول اللہ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے جہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اس سے ایک ایک بت کو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر گرایا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

(حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی)

حضرت عمر نے بتوں کو کعبہ سے باہر نکلوایا۔ اور اب رسول اللہ نے کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں تھیں انہیں مٹایا۔ پھر "مقام ابراہیم" پر جا کر نماز پڑھی۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی منگا کر دروازہ کھلوایا۔ اور نماز ادا کی۔ پھر کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کو ان الفاظ کے ساتھ واپس کی کہ ان کی اولاد کے پاس ہی رہے گی۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مسلم بھائی چارہ پر خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور پھر اہل قریش سے خطاب کیا۔ اور یہ قریش کون تھے اور ان میں

کون کون لوگ شامل تھے۔ ——— وہ جنہوں نے اس سرزمین مکہ پر آپ کو بھرے بازاروں میں گالیاں اور کوسنے دیئے تھے۔ وہ بے رحم جنہوں نے مٹی کے ڈھیلے۔ اینٹیں اور پتھر متعدد بار مارے تھے اور اتنی کثرت سے اور ایسے زور زور سے کہ آپ خون میں نہا نہا جاتے تھے پیشانی اور سر سے خون کا فوارہ چھوٹ جاتا اور رانوں اور پنڈلیوں سے خون کی تیلی بہہ بہہ جاتی تھی۔ وہ ظالم جنہوں نے آپ پر تلواریں چلائیں اور تیر برسائے اور جسم پر رسی ڈال کر گھسیٹا تھا وہ بیدرد جنہوں نے آپ کے راستے میں بار ہا کانٹے بچھائے جن سے پاؤں لہولہان ہو جاتے اور ان گڑھوں میں جنہیں گھاس سے ڈھک دیا جاتا تھا۔ آپ کے گرنے پر قہقہے لگائے جاتے تھے۔ وہ سنگدل جنہوں نے اس حالت میں کہ آپ سربسجدہ تھے اونٹ کا بیٹھا اور انتڑیاں جن کے تعفن سے دماغ پھٹ پھٹ جاتا پیٹھ پر رکھا اور گلے میں ڈالی تھیں۔ اس مجمع میں وہ پتھر دل بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جلتی بھٹکتی ریت پر لٹا کر گرم گرم سلاخوں سے داغا تھا۔ اور یہ وہ قریش تھے جنہوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لئے بار بار مدینہ پر حملے کئے تھے۔ ان کٹر دشمنوں کے ساتھ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ بد سے بدتر جو بھی سلوک کیا روا تھا۔ جائز تھا۔ صحیح تھا۔ نا قابلِ اعتراض تھا مگر ——— آپ نے سب کو معاف کر دیا!!

آپ نے دریافت کیا "تم جانتے ہو تم سے میں کیا معاملہ کرنے والا ہوں"۔
انہوں نے کہا "آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کی اولاد"۔

آپ نے فرمایا "آج تم پر کچھ الزام نہیں تم سب آزاد ہو"!
پھر مہاجرین سے فرمایا کہ اپنی مملوکہ زمین اور جائداد سے دستبردار ہو جائیں!!

رحم و کرم عفو و درگذر کی ایسی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں ہے؟
اب نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ حضرت بلال حبشی نے کعبہ کی چھت پر اذان دی۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند جگہ بیٹھ گئے تو اہل مکہ نے آنا شروع کیا۔ ایک ایک آتا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔ عورتوں سے بیعت اس طرح لی گئی کہ پانی کے ایک پیالہ میں آپ ہاتھ ڈال کر نکال لیتے پھر عورتیں ہاتھ ڈال کر خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرتیں۔

اہل مکہ میں چند آدمی ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر ان سے کچھ کہا سنا نہیں گیا۔

اس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ پندرہ روز مکہ میں قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ واپس آئے اور حضرت معاذ بن جبل کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ مکہ کے نو مسلموں کو اسلامی احکام بتائیں۔

جنگ حنین
سنہ ۸ھ
مطابق جنوری ۶۳۰ء

طائف کا قبیلہ ثقیف رسول اللہ کا سخت مخالف تھا۔ طائف اور مکہ کے درمیان ایک اور قبیلہ رہتا تھا ہوازن یہ بھی اسلام دشمنی میں ثقیف سے کم نہ تھا۔

دونوں جنگجو اور طاقتور اور بہت بڑے قبیلے تھے۔ جب مکہ رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا اور مسلمان ہو رہا تھا یہ دونوں قبائل جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قبائل نصر اور جشم بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ جب رسول اللہ مکہ سے مدینہ لوٹنے لگے تو اس سے پہلے ہی اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر ہوازن اور ثقیف کے قبائل اور ان کے ساتھی مالک بن عوف کی سرداری میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے اور وادیٔ حنین میں جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے فوجیں اتار دیں۔ رسول اللہ کو جونہی حالات کا علم ہوا آپ دس ہزار مسلمانوں کے علاوہ جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ دو ہزار نو مسلم مکہ سے لے کر آپ حنین کی طرف شوال کے مہینہ میں بڑھے۔ رسد اور سامانِ جنگ کافی نہ تھا۔ اس لئے ابوجہل کے بھائی عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لئے گئے اور مکہ کے رئیس صفوان بن امیہ سے بھی سامان جنگ مستعار لیا۔ اتنی مقدار میں اسلامی فوج پہلے کبھی نہ تھی مسلمانوں نے جوش میں آکر کہا "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ غرور پسند نہ آیا۔ اور فتح کی بجائے شکست ہونے لگی[۱]۔ دشمن کی فوج پہاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ جسے مسلمان پوری طرح نہ دیکھ سکے مگر وہ اسلامی فوج کو اچھی طرح

---

[۱] قرآن مجید میں ہے وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۔ ۔ وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ (باب ۹ سورہ توبہ آیت ۲۶) اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی قوت پر نازاں تھے لیکن وہ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تمہیں نہیں دکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

دیکھ سکتی تھی مسلمانوں پر تیروں کی بارش ہوئی تو وہ ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ آپ نے انصار کو آواز دی۔ مہاجرین کو پکارا پھر گھوڑے پر سے اتر کر فرمایا۔ "میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔ پھر آپ کے فرمانے پر حضرت عباس نے مہاجرین اور انصار کو آواز دی۔ اور اب جو مسلمان پلٹے تو انہوں نے جوش ایمانی میں اس شدت کا حملہ کیا کہ لڑائی کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ کفار کی فوج بھاگ رہی تھی جس نے طائف اور اوطاس میں جا کر دم لیا۔ جو حنین میں رہ گئے وہ اسیرانِ جنگ تھے جن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مال غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس میں ۲۴ ہزار اونٹ۔ ۴۰ ہزار بھیڑیں۔ چار ہزار چاندی کے سکے تھے۔ حنین سے چل کر فتحمند اسلامی فوج نے اوطاس کے مقام پر ہوازن کی بھاگی ہوئی فوج سے سخت مقابلہ کیا۔ مگر کفار یہاں بھی مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور طائف کی طرف بھاگے۔ طائف محفوظ مقام تھا۔ جہاں ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ یہاں کے قبیلہ ثقیف کی بہادری کا عرب بھر میں جواب نہ تھا یہاں دشمنانِ اسلام نے سال بھر تک مقابلہ کرنے کا انتظام کیا رسول اللہ نے مال غنیمت اور جنگ قیدی جعرانہ میں رکھے اور طائف کی طرف پیش قدمی کی۔ بیس دن تک طائف کا محاصرہ رہا۔ چونکہ کبھی بھی رسول اللہ کا مقصد جنگ نہ تھا۔ اور آپ نے تلوار محض مجبوریوں میں مدافعت کے لئے اٹھائی تھی اس لئے طائف سے محاصرہ اٹھا لیا گیا جعرانہ آکر مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔ اور تمام اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا گیا۔

غزوۂ تبوک
سنہ ۹ھ اکتوبر ۶۳۰ء

عیسائیوں کی سلطنت روم جس کا شہنشاہ ہرقل تھا اپنے عروج پر تھی۔ شام پر غسانی خاندان کی حکومت تھی۔ اور اس کا مذہب بھی عیسائی تھا۔ اسلام انتہائی سرعت کے ساتھ عرب میں پھیل رہا تھا اور قبیلہ پر قبیلہ اسلام قبول کر رہا تھا۔ سلطنت روم کے لئے اسلام کی ترقی ناقابل برداشت بلکہ اس کے وجود کے لئے خطرناک تھی اور موتہ میں ایک معرکہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ شام کے قبطی سوداگروں سے جو روغن زیتون فروخت کرنے کی غرض سے مدینہ آیا کرتے تھے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رومیوں کا ایک عظیم لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے شام میں تیار ہو رہا ہے رسول اللہ کے کانوں تک یہ بھی خبر پہنچیں کہ شہنشاہ ہرقل نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عرب کے تمام عیسائی قبیلے رومیوں کے ساتھ ہیں۔ بہترین صورت یہ تھی کہ ملک کی سرحد پر مدافعت کی جائے۔ رسول اللہ نے تمام قبائل سے مدد مانگی مگر موسم سخت اور گرم تھا اور فصلیں کٹنے کے لئے تیار تھیں۔ مسافت طویل تھی۔ اور اتنی دور پیدل چلنا بے حد مشکل بہت سے مجاہد ایسے تھے جن کے پاس کوئی گھوڑا یا اونٹ نہ تھا اور رسول اللہ سب کے لئے سواری کا انتظام نہ کر سکتے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار دینار کی پیش کش کی تو رسول اللہ حضرت علی کو حاکم مدینہ مقرر کر کے تیس ہزار مسلح فوج لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ اور دمشق کے درمیان چودہ منزل پہ ایک مقام ہے تبوک۔ یہاں اسلامی فوجیں اتار کر دشمن کی

خبروں کا انتظار کیا گیا۔ موتہ کے مقام پر ایک لاکھ کے مقابلہ میں تین ہزار سرفروشانِ اسلام کی جاں بازی اور دلیری کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے ہرقل نے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور رسول اللہ کو جو معلوم ہوا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ وہ خبر غلط تھی۔ مسلمانوں کو تو خدا کا یہ حکم تھا کہ "اللہ کے لئے ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑنا چاہتے ہیں"۔ مسلمانوں کو ہر لڑائی میں مدافعت کے لئے جنگ کرنی پڑی جارحانہ قدم کسی موقعہ پر انہوں نے نہیں اٹھایا تیس ہزار مسلح فوج کے ساتھ وہ چاہتے تو کتنے ہی عیسائی قبیلوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے مگر ایک شخص پر بھی انہوں نے جبر نہیں کیا۔ نہ کسی کا خون بہایا۔ کثیر اخراجات اور طویل مسافت کے بعد جب رسول اللہ نے دیکھا کہ جنگ کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ دشمن لڑنا نہیں چاہتا تو بیس دن تبوک میں قیام کر کے اسلامی فوج واپس ہوئی۔ راستہ میں چھوٹی چھوٹی عیسائی ریاستوں سے عہد نامے ہوئے اور سرحدوں پر امن و امان ہو گیا۔

غزوات نبوی

رسول اللہ کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ دین پھیلانے کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی ہو۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کو جنگ اُس وقت اور صرف اُس وقت کرنی پڑی جب وہ جنگ کے لئے مجبور کئے گئے۔ جب ان پر حملے کئے گئے۔ جب حملہ کے خطرات پیدا کئے گئے۔ اور ان کو اپنی مدافعت کے لئے مدینہ سے نکلنا پڑا۔ قریش تین مرتبہ مکہ سے جنگ کی تیاریاں کر کے روانہ

ہوئے کہ مسلمانوں کو ختم کر دیں تو مجبور ہو کر مسلمان بھی مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکلے۔ دوسرے قبائل اور یہودیوں اور عیسائیوں سے جو لڑائیاں ہوئیں وہ بھی اسی قسم کی تھیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [۱] (مذہب میں زبردستی نہیں ہے) پھر رسول اللہ بت پرستوں اور نصارا کو مسلمان بنانے کی غرض سے تلوار کس طرح اٹھا سکتے تھے۔ مسلمانوں کو تو اللہ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ [۲] "لڑائی کی اجازت ان کو دی گئی جن کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا"

مسلمانوں پر کعبہ میں کچھ کم مظالم کئے گئے۔ گھر میں ان کا رہنا مشکل ہو گیا۔ تو انہوں نے ہجرت حبش کی اس پر بھی کفار کی زیادتیوں میں کمی نہ آئی بلکہ وہ اور شیر ہوئے اور گھر سے نکلنا مسلمانوں کے لئے خطرہ کا باعث بن گیا تو رسول اللہ نے انہیں مدینہ بھیج دیا۔ اور خود بھی ہجرت کی یہاں بھی قریش نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور ایک نہیں تین بار انہیں نیست و نابود کرنے کے لئے بڑی بڑی جنگی تیاریاں کر کے روانہ ہوئے۔ کھلم کھلا اعلانِ جنگ کیا اور بدر۔ احد۔ احزاب میں مسلمانوں کو اپنی مدافعت کے لئے لڑنے پر مجبور کر دیا اور مظلوم دن رات کا مشاہدہ ہے کہ تنگ آکر مجبور ہو جاتا ہے مقابلہ پر۔ اور انسانوں میں نہیں جانوروں تک میں۔ شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

نہ دانی کہ گربہ چوں عاجز شود   برآرد بہ چنگال چشم پلنگ

---

[۱] سورۂ لبقر آیت ۲۵۶ [۲] سورہ حج رکوع ۶

قریش ظالم تھے اور مسلمان مظلوم۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "اور خدا کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور مت زیادتی کرو۔ تحقیق اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" [۱]

اور پھر مسلمانوں کی جنگ کی شان کیا تھی وہ عورتوں بوڑھوں بچوں نوکروں کو قتل نہ کرتے۔ جو عہد کرتے اس کی پابندی ان کے لئے لازمی ہوتی۔ قاصدوں پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔ سرسبز اور شاداب کھیتوں اور ہرے بھرے درختوں کو پامال نہ کرتے۔ اور اس زمانہ کے عام دستور کے خلاف اسیرانِ جنگ کو آرام سے رکھتے۔ اسلام ان پر ٹھونسا نہ جاتا بلکہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اشاعت اسلام اور وفود عرب

ارشاد باری ہے لا اکراہ فی الدین چنانچہ رسول اللہ نے مذہب کے بارے میں ایک متنفس پر بھی زبردستی نہیں کی۔ سوائے منافقین کے جو مصلحتاً یعنی اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی نیت سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ جس شخص نے اور جس قبیلہ نے اسلام قبول کیا ہنسی خوشی سے ایمان لایا۔ اور جس شخص اور قبیلہ نے کیا ۲۳ سال کی قلیل مدت میں سارا عرب ہی مسلمان ہو گیا۔ بغیر جانی یا مالی نقصان کے خوف وغیرہ کے بغیر کسی زیادتی یا سختی کے۔ مکہ شہروں کی ماں مشہور تھا۔ اطراف و جوانب ہی سے نہیں کل ملک سے قبائل حج کے لئے ہر سال آتے رہتے تھے

---

[۱] سورۃ البقر آیت ۱۹۰

جن سے قریش کے سردار کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ شخص پیدا ہوا ہے جو ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ یہ کاہن ہے جادوگر ہے پاگل ہے۔ سرپھرا ہے۔ اس کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ اس کے بہکائے میں نہ آنا۔ اس طرح رسول اللہ کا نام سارے قبائل عرب کے کان تک پہنچ چکا تھا۔ اور مکہ آنے والے خود بھی دیکھتے تھے کہ جس شخص کو قریش بچپن سے امین و صادق کہتے تھے اب اسے جھوٹا ساحری اور جادوگر بتاتے ہیں۔ وہ حیران بھی ہوتے کہ یہ کیسی قسم کا آدمی ہے کہ اس پر مار پر مار پڑتی ہے مٹی اور پتھر تان تان کر پھینکے جاتے اور اس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ اس پر غلاظت رکھی جاتی ہے۔ اور اس کو رسیوں میں باندھ کے گھسیٹا جاتا ہے۔ مگر یہ شخص ہے کہ اس قدر شدید جسمانی تکالیف کی پرواہ نہیں کرتا۔ لہولہان ہو جاتا اور خون میں نہا جاتا ہے مگر ایک ہی رٹ ہے "خدائے واحد"! فتح مکہ کے بعد اب جو انہیں معلوم ہوا کہ عرب کے سب سے محترم شہر کے بسنے والے جو اس شخص پر ہر وقت دانت پیسا کرتے تھے اور مار ڈالنے کی فکر میں لگے رہتے تھے جو اس کے خون کے پیاسے تھے بالآخر اس پر ایمان لے آئے اور مسلم برادری میں شریک ہو گئے تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اور اسلام میں ان کو کشش معلوم ہوئی اور ۹ھ اور ۱۰ھ میں سارا عرب مسلمان ہو گیا۔

قبیلۂ غفار کے ابوذر غفاری۔ قبیلۂ ازد کے ضماد بن ثعلبہ۔ قبیلہ دوس کے مشہور شاعر طفیل بن عمرو اوسی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

مصر

جو خیالات لے کر گئے تھے اپنے اپنے قبیلوں پر ظاہر کئے تو سب نے اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ کے انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج سے جو لوگ ۱۲ سنہ نبوی میں مکہ گئے تھے وہ مسلمان ہو چکے تھے وہ اپنے ساتھ مصعب بن عمیر کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے مدینہ لائے۔ تو ان دونوں قبائل کے باقی آدمیوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ نے یہ پیشنگوئی کی تھی کہ سلطنت روم کو ملک فارس پہ فتح ہو گی۔ سات سال گذرنے پر جنگ بدر کے بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوئی تو سینکڑوں کو آپ کی رسالت کا یقین ہو گیا اور اسلام قبول کیا۔ مختلف قبیلوں نے اپنے وفود رسول اللہ کی خدمت میں بھیجے اور ایمان لائے۔ بنو اسد۔ شنو سیلین (یمن کا قبیلہ) قبیلہ ثقیف۔ بنو فزارہ۔ صدا۔ سلامان۔ قبیلہ بنو اسد۔ عرب کے بڑے بڑے قبیلے تھے ان کے وفود پر رسول اللہ کے خلق وکرم اور اسلامی تعلیمات کا ایسا اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر جب اسلام کی خوبیاں انہوں نے بیان کیں تو سب نے دین برحق قبول کیا۔ قبیلہ بنو تمیم جس نے جنگ حنین میں رسول اللہ کی مدد کی تھی۔ اس کا وفد آیا تو اس میں بڑے بڑے شاعر اور خطیب بھی تھے۔ ان کی اور مسلمانوں کی خطابت اور شاعری کا مقابلہ کیا گیا۔ حضرت ثابت بن قیس کی تقریر اور حسان بن ثابت کے برجستہ قصیدہ کا ان کو لوہا ماننا پڑا۔ اور اسلام لے آئے۔ اسی زمانہ میں مشہور شاعر کعب ابن زہیر جو کسی زمانہ میں اسلام کے سخت دشمن تھے۔ مسلمان ہوئے اور رسول اللہ کی شان میں قصیدہ بردہ کہا جو آج تک مشہور ہے

اسی زمانہ میں یمن کے عیسائی قبیلہ طے کی شرارتیں دبانے کے لئے حضرت علی دو سو مسلح سپاہیوں کو لے کر گئے تھے۔ اسیرانِ جنگ میں حاتم کی بیٹی صفانہ بھی تھی۔ رسول اللہ کو معلوم ہوا تو آپ نے عزت و احترام کے ساتھ اُسے آزاد کردینے کا حکم صادر فرمایا مگر وہ ایک معزز نامور باپ کی بیٹی تھی اس نے کہا جب تک میرے ساتھ کی عورتیں آزاد نہ ہوں گی مجھے قید منظور ہے۔ رسول اللہ نے جب یہ سُنا تو سب کو آزاد کردیا۔ صفانہ کا بھائی عدی بھاگ کر شام چلا گیا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں گئی اور جب وہ مل گیا اور اسے واقعہ سنایا وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اور اپنے قبیلہ کا سردار مقرر کیا گیا۔ غرض حضر موت۔ بحرین۔ یمن۔ عمان۔ شام۔ سرحد فارس وغیرہ سے مختلف قبائل کے وفود رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد جب واپس گئے تو ان کے تاثرات سے اسلامی تعلیمات اور خلق محمدی کے تذکروں سے ان کے قبائل مسلمان ہوگئے اور جس ملک میں ہر وقت قتل و غارت گری اور لوٹ مار رہتی تھی وہاں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک بالکل امن و امان قائم ہوگیا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ عربوں کو قریش کے اسلام قبول کرنے کا انتظار تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ شخص (محمد) اپنے آدمیوں (قریش) کو مسلمان کرلے تو بے شک یہ سچا پیغمبر ہے۔ اور جب مکہ فتح ہوگیا تو تمام قبائل نے سرعت سے اسلام قبول کیا۔

ہجرت مدینہ کے وقت سب مل ملا کر کوئی چار سو کے قریب مسلمان تھے مگر

دین پھیلانے کی غرض سے کسی بُت پرست کسی یہودی یا عیسائی پر دین کے بارے میں زبردستی کئے بغیر کسی کے خون کا ایک قطرہ گرائے بغیر دس سال میں اسلام کہاں سے کہاں پہنچا اور کس تیز رفتاری سے بڑھا کہ عقل دنگ ہے۔

۲ھ ہجری جنگ بدر قریش کی ایک ہزار فوج کے مقابلہ میں صرف ۳۱۳ مسلمان تھے
۳ھ جنگ احد " ۳۰۰۰ " " ۷۰۰ " "
۵ھ جنگ احزاب (خندق) یہود قریش اور قبائل ... ۲۴ ہزار آدمی " " تین ہزار " "
۸ھ فتح مکہ کے لئے جب رسول اللہ روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار " "
۸ھ جنگ حنین کے موقعہ پر " بارہ ہزار "
۹ھ تبوک میں سخت گرم موسم اور قحط کے زمانہ میں رومیوں کے مقابلہ کیلئے تیس ہزار " "
۱۰ھ حجۃ الوداع کے وقت " " ایک لاکھ " "

حجۃ الوداع
۱۰ھ
جنوری فروری ۶۳۲ء

رسول اللہ نے عمرہ (چھوٹا حج) دو دفعہ ادا کیا تھا اگر اصل حج یا بڑا حج کرنے کی نوبت ابھی تک نہ آئی تھی آپ جو کچھ زبان سے کہتے اس پر عمل بھی ضرور کرتے تھے، آپ کو ابھی مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ حج کس طرح کرنا چاہئیے۔ آپ نے عرب بھر میں یہ پیغام بھیجا کہ جو مسلمان آ سکتے ہوں آپ کے ساتھ بڑا حج کریں۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ مطابق ۲۳ فروری ۶۳۲ء کو ظہر کی نماز کے بعد آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

آپ کے متعدد نکاحوں کی ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ عورتوں کو احکام اسلام سے ازواج محترمات کے ذریعہ آگاہ کیا جائے۔ مردوں میں مذہب

مقدس کے مسائل سمجھانے کے لئے بہت سے صحابہ تھے مگر عورتوں کو اسلامی تعلیم سے کون آگاہ کرتا۔ چونکہ عورتوں کو بھی حج کے تمام طریقے بتانے تھے۔ اس لئے تمام ازواج مطہرات کو ساتھ لیا۔ اور ۹ روز بعد ۴ ذی الحج کو مکّہ میں داخل ہوئے۔

کیا خدا کی شان ہے کہ ۲۳ سال قبل سرزمین مکّہ کا بچہ بچہ آپ کی جان کا دشمن تھا یا پھر وہ وقت آیا کہ اسی سرزمین پر ایک لاکھ اور بقول بعض ایک لاکھ چودہ ہزار جاں نثاروں نے آپ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ ۸ ذی الحج کو آپ مکّہ سے منا گئے اور ۹ تاریخ کو جبل العرفات سے اپنی اونٹنی قوا پر بیٹھ کر آپ نے مسلمانوں سے خطاب کیا ایک لاکھ کا مجمع آپ کے اردگرد تھا اور اس لئے کہ دور دور کے مسلمان سن سکیں آپ کے الفاظ ربیعہ بن امیہ بن خلف دہراتے جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

مسلمانوں غور سے سنو کیونکہ نہ معلوم اس کے بعد تم سب سے ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔

جانتے ہو آج یوم النہار (قربانی کا مقدس دن) اور مبارک مہینہ ہے اور جگہ محترم شہر ہے۔

پس تمہارا خون۔ تمہاری آبرو تمہاری ملکیت ایک دوسرے کو ہمیشہ اتنی ہی محترم ہونی چاہیے۔ جیسے یہ دن یہ مہینہ یہ شہر محترم ہیں۔ جو مسلمان یہاں موجود ہیں وہ ان مسلمانوں کو جو یہاں نہ آسکے یہ پیغام پہنچا دیں۔

لوگو خبردار تمہارا پروردگار ایک ہے۔ کبھی کسی کو اس کے ساتھ

شریک نہ کرنا۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ جو تم خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔

جہالت کے سب خون معاف ہوئے سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون معاف کرتا ہوں۔

مسلمانو، عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ عورتوں کا تم پر وہی حق ہے۔ جو تمہارا حق عورتوں پر ہے۔ ان کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آؤ اور ان سے اچھا سلوک کرو۔

میں اپنے بعد اللہ کی کتاب (قرآن) چھوڑتا ہوں۔ اس کو مضبوط پکڑے رہے اس پر عمل کیا تو گمراہ نہ ہوگے،

خطبہ ختم کرکے آپ اونٹنی پر سے اترے۔ ظہر اور عصر کی نماز کے بعد وحی نازل ہوئی۔

" اور آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کمل کیا۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو منتخب کیا "

یہ حج حجتہ الوداع کہلاتا ہے کیونکہ رسول اللہ کا یہ آخری حج تھا۔

رحلت سارا عرب اسلام قبول کرچکا تھا۔ دین کی تکمیل ہوچکی تھی اللہ کو اپنے آخری رسول سے جو کام لینا تھا وہ لیا جا چکا تھا۔ مدینہ واپس ہوئے دو ماہ ہی گذرے تھے کہ رسول اللہ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔

۲۸ صفر بدھ کی رات آپ قبرستان سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا۔ پھر بخار ہو گیا اور متواتر تیرہ دن رہا۔ مگر جب تک جسم میں طاقت رہی نماز پڑھانے مسجد نبوی میں آتے رہے۔ آخری نماز آپ نے مغرب کی پڑھائی اور جب درد سر اور بخار کی شدت سے اٹھنے کی قوت نہ رہی تو ارشاد ہوا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔

اور پھر خیال آیا کہ بی بی عائشہ کے پاس چند دینار رکھوائے تھے۔ فرمایا انہیں ابھی خیرات کر دو۔ یہ مناسب نہیں کہ محمد اپنے خالق کی بارگاہ میں جائے تو اس کے گھر میں دینار ہوں۔" اور اسی رات کو گھر میں جلانے کو تیل تک میسر نہ تھا۔ اور بی بی عائشہ ایک پڑوسن سے تیل مانگ رہی تھیں اور جو کپڑے اس وقت جسم مبارک پر تھے ان میں اوپر تلے کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

پیر کا دن ہجرت کا گیارہواں سال ربیع الاول کا مہینہ اور ۱۲ تاریخ تھی (مطابق ۸ جون ۶۳۲ء اور جدید تاریخی تحقیق کی رو سے عیسوی تاریخ ۲۸۔ اگست اور ہجرت کی تاریخ یکم ربیع الاول کہ آپ نے رحلت فرمائی۔

شانِ رسالت

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا بیان ہے۔ "آپ غریبوں کی مدد کرتے مقروضوں کا بار اٹھاتے صلہ رحم فرماتے اور مصیبت ماروں کے کام کرتے تھے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ سے کسی نے پوچھا۔ آپ گھر میں کیا کرتے تھے انہوں نے کہا

"گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ جوتا پھٹ جاتا تو خود اُسے گانٹھتے۔ ڈول پھٹ جاتا تو اس میں ٹانکے لگا لیتے تھے۔ دودھ دوہ لیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ کر اُسے چارہ دیتے تھے۔ بازار سے سودا خرید کر لاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے تھے۔ غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے تھے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:۔

"آپ کسی کو بُرا نہ کہتے تھے۔ بُرائی کے بدلے کسی کے ساتھ کبھی بُرائی نہیں کی۔ کسی ذاتی معاملہ میں کسی سے کبھی بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا۔ کنیز خادم جانور کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی کے سامنے پاؤں پھیلا کر کبھی نہیں بیٹھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح کرتے تھے کہ ہر شخص سمجھ لے۔ سلام میں پہل کرتے۔ مصافحے کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے۔ اور مہمانوں کی خود خدمت کرتے۔"

بی بی اُم سلمہ فرماتی ہیں:۔

"ایک دفعہ آپ گھر تشریف لائے تو چہرہ فکر مند تھا۔ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی اور بستر پر پڑے رہ گئے ابھی تک خرچ نہیں ہوئے۔"

کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو بی بی عائشہ کے ہاں گئے۔

دیکھا کہ گھر میں کپڑے کی چھت ہے۔ آپ نے اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا:۔ "خدا نے اس لئے پیسہ نہیں دیا کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔"

ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا "بیٹی کیا تم یہ پسند کرو گی کہ لوگ یہ کہیں کہ پیغمبر کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔"

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے فرمایا "اس کو اتار دو تو بہتر ہے۔"

خاتونِ جنت بی بی فاطمہ کے ہاں ایک دن تشریف لے گئے۔ تو دیواروں پر پردے دیکھ کر لوٹ گئے۔

ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا میں سخت بھوکا ہوں آپ نے ازواجِ مطہرات کے ہاں کھانے کے لئے بھیج دیا۔ سوائے پانی کے کسی کے ہاں کچھ نہ تھا۔

صحابہ نے ایک موقعہ پر سخت بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپ نے بھی پیٹ کھول کر دکھایا تو بجائے ایک کے دو پتھر بندھے تھے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دن جو میں حاضر ہوا تو بھوک کی وجہ سے آپ نے کپڑے سے کس کر پیٹ باندھ رکھا تھا۔

کسی شخص سے آپ نے کچھ کھجوریں قرض لی تھیں۔ وہ تقاضہ کو آیا تو

آپ نے ایک انصار سے ادائگی کے لئے فرمایا۔ انہوں نے کھجوریں تو دے دیں۔ مگر اتنی اچھی نہ تھیں۔ اس نے لینے سے انکار کیا۔ اُن انصار کو ناگوار گذرا۔ حیرت سے کہا۔ تم پیغمبر خدا کی دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ اُس نے کہا۔ رسول اللہ ہی سے انصاف کی امید نہ رکھوں تو پھر کس سے رکھوں۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا "سچ کہتا ہے"۔

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا۔ اور جب واپس کیا تو اس سے بہتر۔ کسی نے وجہ دریافت کی۔ فرمایا۔ سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو خوش معاملگی کے ساتھ قرض ادا کرتے ہیں"۔

مال غنیمت ایک بار تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص منہ کے بل آپ پر گر پڑا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے اسے ہٹایا تو لکڑی کا سرا اس کے منہ پر لگ گیا۔ فرمایا "مجھ سے بدلہ لے لو"

رحلت سے چند دن قبل مسجد نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا "میرے ذمہ کسی کا قرض ہو یا میں نے کسی کی جان مال آبرو کو نقصان پہنچایا ہو تو اس وقت مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ ایک شخص نے کہا میرے چند درم نکلتے ہیں۔ اسی وقت اُسے ادا کر دیئے گئے۔

غریب سے غریب مسلمان بھی بیمار رہتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے صحابہ کے ساتھ اس طرح بیٹھتے تھے کہ اجنبی پہچان نہ سکتا تھا۔ جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔ کوئی تعظیم کو اٹھتا تو منع فرما دیتے۔ ایک بار ان الفاظ میں منع کیا " میری تعظیم کو نہ اٹھو۔ یہ اہل عجم کا طریقہ ہے۔"

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا تو منع کر دیا کہ بیرونِ عرب اس طرح بادشاہوں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ جب آپ چلتے تو صحابہ آگے بھی چلتے پیچھے بھی۔ غلاموں تک کے پاس بیٹھنے یا ان کے ساتھ کھانا کھانے میں آپ کو عار نہ تھا۔

نماز فجر کے بعد آپ مسجد نبوی ہی میں ٹھہر جاتے اور مختلف باتیں معلوم کرتے۔ عورتیں مجلس نبوی سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکتی تھیں تو ان کی درخواست پر ایک خاص دن مقرر کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا میرے ورثا (میرے بعد) روپیہ پیسہ میں حصہ نہ لیں (بلکہ) جو کچھ میں اپنی بیویوں کے اخراجات سے فاضل چھوڑ جاؤں وہ صدقہ ہے۔ (۳۴۴۔ جلد دوم بخاری)

عالم نزع میں خیال آیا کہ کچھ اشرفیاں پڑی ہوئی ہیں حضرت عائشہ سے فرمایا۔ جاؤ خیرات کر دو۔

وقتِ رحلت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع میں رہن تھی۔

باب تیسرا

مسلمانوں کی مائیں

رسول اللہ کی ازواج مطہرات

حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ بن حضرت

عدی — عامر — تیم

نقطہ	عدی	عامر	تیم
مخزوم	رواح	حل	سعد
عمرو	قرط	مالک	کعب
عبداللہ	رباح	نضر	عامر
مغیرہ	عبدالعزیٰ	عبدود	ابوقحافہ
ابوامیہ	نفیل	عبدالشمس	ابوبکر
	الخطاب	قیس
	عمر	زمعہ
بی بی ام سلمہ	بی حفصہ	بی بی سودہ	بی بی عائشہ
بیوہ	بیوہ	بیوہ	کنواری
(۶) ۴ ہجری	(۴) ۳ ہجری	(۲) ۱۰ نبوی	(۳) ۲ھ

قریش خاندان کی

ابراہیم خلیل اللہ کی انچاسویں (۴۹) پشت میں عدنان دوم
مدرکہ بن الیاس بن مضر بن معد ثانی بن عدنان دوم

خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی

اسد
دودان
غنم
کثیر
مرہ
صبرہ
بہر
رباب
جحش
بی بی زینب
زید کی طلاق (۷) ـــــ سنہ ۵ھ

عبد العزی
اسد
خویلد
بی بی خدیجہ
دو شوہروں کی بیوہ
(۱) ـــــ نبوت سے ۱۵ سال قبل

عبد مناف
ہاشم
عبد المطلب
عبد اللہ
محمد رسول اللہ

عبد شمس
امیہ
حرب
ابو سفیان
بی بی اُم حبیبہ
بیوہ
(۹) ـــــ سنہ ۶ھ

۱۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ

خاندان | بی بی خدیجہ قبیلہ قریش کے ایک نامور سوداگر خویلد کی بیٹی تھیں۔
شجرہ نسب باپ کی طرف سے اس طرح ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ اور قصیٰ رسول اللہ کے پردادا ہاشم کے بھی دادا تھے گویا بی بی خدیجہ اور رسول اللہ دونوں کا شجرہ نسب قصیٰ سے جاکر ملتا ہے۔

ماں کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی گویا رسول اللہ کی دسویں پشت پران کا سلسلۂ نسب جاکر مل جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت بی بی خدیجہ نجیب الطرفین تھیں۔

ماں کے اجداد		باپ کے اجداد
عامر	لوی	
معیص	کعب	
عبد	مرہ	
حجر	قصیٰ	
رواحہ	عبد مناف	عبدالعزیٰ
ہرم	ہاشم	اسد
اصم	عبدالمطلب	خویلد
زائدہ	عبداللہ	بی بی خدیجہ
فاطمہ	محمد رسول اللہ	
بی بی خدیجہ		

باپ بی بی خدیجہ کے باپ خویلد ابن اسد قریش کے متمول سوداگروں میں سے تھے۔ تجارت میں خدا نے انہیں اتنی برکت دی کہ مالی اعتبار سے قریش کے دوسرے مقتدر قبائل بنی تیم اور بنی کعب میں بھی ان کی ٹکر کے بہت کم رئیس تھے۔ شام اور یمن تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ خاندانی اعزاز کے علاوہ قریش یوں بھی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا تموّل ان کی شہرت کا باعث ہوا لیکن جن باتوں کی وجہ سے ان کا نام نزدیک و دور چمکا وہ ان کی ہمدردی اور ایثار و کرم تھا۔

پیدائش و ابتدائی حالات بی بی خدیجہ کی پیدائش ۵۵۵ عیسوی اور ۵۰ کسرٰی ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے مگر خویلد بن اسد نے ان کی پرورش اور تربیت پر خاص توجہ کی۔ طبیعت میں شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ متانت شروع ہی سے تھی۔ اور نیک اس درجہ تھیں کہ عزیز اقارب اور کنبہ خاندان والے ہی نہیں غیر بھی انہیں طاہرہ کہتے تھے۔ اور محض اس لقب ہی سے نہیں پکاری جاتی تھیں بلکہ شرافت طبعی اور نیک نہادی کی وجہ سے ان کو سیدۃ النساء کا گراں قدر تمغہ بھی دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اکثر "سیدۃ النساء" کے نام سے بھی پکاری جانے لگیں۔

پہلے دو شوہر اور ان کے بعد پندرہ سال کی عمر میں ان کا پہلا نکاح زرارہ تمیمی کے بیٹے نباش سے ہوا جس کا نام بعض مورخین نے معاش لکھا ہے مگر جو ابو ہالہ کے نام سے مشہور ہوا

اُس سے بی بی خدیجہ کے ہاں دو لڑکے ہوئے۔ ایک ہالہ جو کم عمری ہی میں
مرگیا۔ دوسرا ہند جو رسول اللہ پر ایمان لائے۔ اور جنگ جمل میں حضرت علی
کی طرف سے لڑ کر مارے گئے۔ حضرت امام حسن کوئی حدیث روایت
کرتے وقت جب یہ فرماتے کہ میرے ماموں ہند نے بیان کی ہے تو ان کا مطلب
انہیں ہند سے ہوتا تھا۔ ہند ابھی کم عمر بچہ اور بی بی خدیجہ اکیس بائیس سال کی
تھیں کہ ابوہالہ کا انتقال ہوگیا۔ [illegible]

باوجودیکہ قریش کا تمدن انتہا درجہ کا بگڑ چکا تھا لیکن بیوہ کا نکاح ان میں
عیب نہ تھا۔ مرد کو یہ حق تھا کہ چاہے جتنی بیویاں رکھے اور عورت بیوہ ہونے
کے بعد دوسری شادی کا حق رکھتی تھی۔ چنانچہ بی بی خدیجہ کی دوسری شادی
عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی۔ ان سے بی بی خدیجہ کے ہاں صرف ایک لڑکی
ہوئی اُس کا نام بھی ہند تھا۔ یہ بھی مسلمان ہوئیں اور صحابیات میں ان کا شمار ہے
عتیق کی مالی حالت ابوہالہ سے بہتر تھی مگر اس کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور اپنے
بعد اچھا خاصہ اثاثہ اور اپنی یادگار ہند ایک بچی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا۔
عتیق کی موت کا بی بی خدیجہ کو بہت صدمہ ہوا۔

خاندانی اعزاز کے علاوہ وہ دولت مند بھی تھیں اور حسن صورت کے اعتبار
سے بھی خواتین قریش میں ان کو امتیازی درجہ حاصل تھا پھر وہ سگھڑ اور
سلیقہ مند اور منتظم بھی تھیں۔ ان میں اتنی خوبیاں جمع تھیں کہ عتیق کا انتقال
ہوا تو قریش کے کئی سرداروں نے نکاح کا پیام بھجوایا۔ ایک سردار نے تو
پیام نکاح کے ساتھ یہاں تک کہلوا دیا کہ مہر ایک ہزار اونٹ ادا کروں گا گو کہ

بی بی خدیجہ نے تیسرے نکاح سے انکار کر دیا۔ انہیں دنیا سے کچھ بیزاری سی ہو گئی تھی۔ انہوں نے ارادہ کر لیا۔ کہ باقی زندگی زہداسے ہی میں گذار دوں گی چنانچہ ان کا اکثر وقت خانہ کعبہ میں گذرتا تھا۔ کاہنہ عورتوں کا ان کے ہاں آنا جانا تھا اور وہ دلچسپی بلکہ عقیدت کے ساتھ ان کی باتیں سنتی تھیں۔ کاہنہ عورتوں نے ہی ان سے کہا تھا۔ پیغمبر آخر الزماں جلد آنے والا ہے اور قوم قریش میں سے ہوگا۔

تجارت

قانون قدرت کے موجب جب خویلد کے قویٰ کمزور پڑ گئے اور بڑھاپے اور ضعیفی نے انہیں زیادہ محنت کے قابل نہ رکھا اور وہ تجارت کے بکھیڑوں سے کچھ گھبرا سے گئے تو انہوں نے کاروبار بی بی خدیجہ کے سپرد کیا اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ان کی تجارت شمال میں شام اور جنوب میں یمن کی طرف تھی اور سال میں دو دفعہ ایک بار جنوب اور ایک بار شمال کی طرف تجارتی مال لے کر قافلے جایا کرتے تھے گو حبش بصرہ اور بابل بھی تجارت کی منڈیاں تھیں۔ مگر مرکز ملک شام تھا۔ طبقات ابن سعد کا بیان ہے کہ مکہ سے تجارتی قافلے روانہ ہوتے تو تمام قریش کا سامان ملا کر بھی بی بی خدیجہ کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ بی بی خدیجہ کے مال سے لدے ہوئے اونٹ سال میں ایک دو پھیرے شام کے کر لیا کرتے تھے جن سے ان کو ہر سال معقول منافع ہوتا تھا۔ ان کا مال ان کے غلام اور ملازم لے جایا کرتے تھے لیکن وہ اس فکر میں تھیں کہ کوئی آدمی معتمد مل جائے جو دیانت داری کے ساتھ ان کے کاروبار کو توسیع و ترقی دے سکے۔

یتیم عبداللہ کارندے کی حیثیت سے

یتیم عبداللہ کی دیانت و امانت اور صداقت کا شہرہ ان کے کان میں پڑ چکا تھا۔ چنانچہ آپ کو انہوں نے بلا بھیجا۔ لیکن بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ پہلے ابو طالب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بھتیجے کو بی بی خدیجہ کے کے ہاں ملازم کرا دیں اور یہ خیال یوں پیدا ہوا کہ ابو طالب کی مالی حالت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ کاروبار برائے نام رہ گیا تھا۔ اور قرضہ میں ہر سال اضافہ ہوئے چلا جا رہا تھا۔ اول تو اہل و عیال کی کثرت پھر پڑا قحط اور گرانی ہوئی غضب کی۔ آمدنی کم اور خرچ بہت زیادہ۔ قرض بھی آخر کہاں تک لیتے کب تک لیتے اور کس برتے پر لیتے۔ آپ کی کفالت اب تک ابو طالب ہی کر رہے تھے۔ حالات سے انتہائی پریشان ہو کر آخر ایک دن آپ سے کہا۔ "بیٹے تمہیں معلوم ہے۔ چند سال سے میں سخت مالی پریشانیوں میں گرفتار ہوں قحط نے بڑے بڑے امیروں کے چھکے چھڑا دیئے۔ جن کے ہاں دولت کے ڈھیر تھے آج وہ قرضہ کے پھیر میں ہیں۔ جمع پونجی جو کچھ میرے پاس تھی سب ختم ہو گئی کھانے کو تو پاس ہے نہیں کاروبار میں لگاؤں کہاں سے اور بچوں کا پیٹ پالوں کس طرح سوچتے سوچتے اب میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے تم کام سے لگ جاؤ گے اور آمدنی بھی کچھ ہو جائے گی۔ خدیجہ کے اونٹ تجارت کا مال لے کر دو تین دن میں شام جانے والے ہیں۔ تمہاری راست بازی اور دیانتداری کا اسے علم ہے اور اسے ایک معتبر کارندے کی ضرورت ہے۔ تم اس سے ملازمت کی درخواست کرو۔ تو مجھے پوری امید ہے وہ ضرور منظور کرے گی۔

آبا کی رحلت کے بعد سے میں نے تم کو آج تک کہ پندرہ سال ہو گئے۔ اپنے سے جدا نہیں کیا۔ لیکن کیا کیا جائے حالات نے مجبور کر دیا ہے"۔

آپ نے چچا کی گفتگو خاموشی کے ساتھ سنی اور وہاں سے اٹھ کر بی بی خدیجہ کے ہاں آئے اور ملازمت کی خواہش ظاہر کی۔ مورخین کا بیان پہلا صحیح ہو یا دوسرا یعنی بی بی خدیجہ نے خود آپ کو بلایا یا ابو طالب کے کہنے سے آپ گئے۔ بہر حال بی بی خدیجہ کو تو ایک قابل بھروسہ اور ایماندار نائب کی ضرورت تھی چنانچہ انہوں نے اظہار مسرت کے بعد ملازم رکھ لیا۔

سفر شام

چند روز بعد آنحضرت کو تجارت کا مال و اسباب دے کر غلاموں اور نوکروں کے ہمراہ بی بی خدیجہ نے سفر شام پر روانہ کر دیا اور اپنے پرانے غلام میسرہ کو یہ ہدایت کی کہ وہ محمد کے کسی معاملے میں دخل نہ دے۔ کسی بات کی مخالفت یا نکتہ چینی بالکل نہ کرے اور جو جو واقعات راستہ میں گذریں وہ سب ذہن میں رکھے اور واپسی پر بغیر کسی کمی بیشی کے حرف بحرف بیان کرے۔ یہ ہدایت اس وجہ سے میسرہ کو دی گئی تھی کہ کاہنہ عورتوں کی باتوں سے وہ بہت متاثر تھیں عرب کے انتہا درجہ کے بگڑے ہوئے تمدن اور عبدالمطلب کے پوتے اور عبداللہ کے بیٹے کی صداقت و دیانت کچھ عجیب سی بات تھی اس لئے انہیں شک ہوا کہ جو پیغمبر آخرالزماں آنے والا ہے وہ کہیں یہ ہی نہ ہوں۔

مکہ سے تجارتی قافلہ شام کے لئے روانہ ہونے لگا تو ابو طالب نے اہل قافلہ سے کہا کہ ذرا میرے بھتیجے کا خیال رکھنا۔ پہلے کبھی اس نے

کاروبار نہیں کیا۔ تجارت کے معاملات کا تجربہ نہیں۔ کوئی اونچ نیچ ہو تو خیال رکھنا۔

قریش کا یہ تجارتی قافلہ ٹھیرتا ٹھیرتا جب ملک شام کے قریب پہنچا تو آنحضرت اونٹ سے اتر کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ قریب ہی ایک راہب نسطورا کی جھونپڑی تھی۔ اس نے آپ کو تعجب سے دیکھا اور میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ میسرہ نے بتایا کہ عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ہے تو راہب نے کہا یہ شخص نبی ہونے والا ہے۔ کیونکہ ہماری پاک کتاب کہہ رہی ہے کہ سوائے نبی کے کوئی شخص اس درخت کے نیچے نہ بیٹھے گا۔ میسرہ کے لئے راہب کی گفتگو حیرت انگیز تھی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ قافلہ کچھ دیر بعد شہر میں پہنچا۔ لین دین خرید و فروخت شروع ہوئی۔ بی بی خدیجہ کا مال بہت اچھے داموں نکلا اور جو نقد رقم وصول ہوئی تھی اس میں شام کی مشہور چیزیں خرید کر اونٹوں پر لادی گئیں۔ اور قافلہ مکہ واپس آیا۔ اہل قافلہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ انتہائی شریفانہ تھا اور وہ آپ کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے۔ مکے پہنچ کر آپ نے جو جو چیزیں تھیں وہ اور جو رقم موجود تھی وہ کوڑی کوڑی کا حساب دینے کے بعد بی بی خدیجہ کے آگے رکھ دی۔ اتنا منافع بی بی خدیجہ کو پہلے کبھی نہ ہوا تھا نہ اتنی عمدہ چیزیں ان کے کارندے پہلے کبھی شام سے لائے تھے۔ ادھر تو آپ کی کارگزاری غیر معمولی فائدہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ادھر میسرہ نے تمام واقعات جو راستے میں گذرے تھے وہ ایک ایک کر کے بیان کئے جس سے بی بی خدیجہ

بہت خوش ہوئیں اور آپ سے جو اُجرت ٹھیری تھی اس کے حساب سے جتنی رقم ہوتی تھی اُس سے دوگنی رقم دی۔

بی بی خدیجہ کا آنحضرت سے نکاح

جس خوش اسلوبی کے ساتھ نائب یا ایک کارندے کی حیثیت سے آپ نے تجارتی مال کی خرید فروخت کر کے اپنے فرائض انجام دیئے انہیں دیکھ کر اور جس خوش اخلاقی کے ساتھ آپ اہل قافلہ کے ساتھ پیش آئے اس کی کیفیت میسرہ سے سُن کر بی بی خدیجہ خوش ہی نہیں ہوئیں اُن کی عقیدت نے بھی ترقی کی۔ کاہن عورتوں کی باتیں ان کے ذہن میں تھیں اور وہ سمجھ چکی تھیں کہ یہ معمولی آدمی نہیں ہے۔ نسطورا راہب کی گفتگو میسرہ نے دہرائی تو ان کے اس خیال نے تقویت پکڑی کہ جس آنے والے نبی کی بشارت دی گئی ہے غالباً وہ یہی ہیں۔ اس خیال کے ساتھ انہوں نے یہ سوچا کہ اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش بختی ہوسکتی ہے کہ ان سے میں نکاح کرلوں۔ چنانچہ شام سے آپ کو واپس آئے تین ماہ گذرے تھے کہ ایک دن انہوں نے خود آپ پر یہ خیال اس طرح ظاہر کیا کہ "میں اور آپ دونوں ایک ہی کنبہ کے ہیں یعنی قصّیٰ کے پوتوں کی اولاد ہیں۔ آپ کی نیک کرداری سے میں بہت متاثر ہوئی ہوں اور میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی کہ آپ کے نکاح میں آجاؤں"۔ آپ نے اُن کر کہا۔ "میں اپنے چچا ابوطالب سے پوچھ کر جواب دوں گا"۔ چنانچہ آپ نے ابوطالب پہ بی بی خدیجہ کا خیال ظاہر فرمایا۔ بی بی خدیجہ معمولی عورت نہ تھیں۔ طاہرہ

ور سیدۃ النسا۔ دولت ثروت کے لحاظ سے چوٹی کی روساء میں سے۔
صورت شکل میں مشہور۔ خانہ داری اور سلیقہ مندی کا گھر گھر چرچا۔ فراست
ور متانت میں دور دور شہرہ۔ قریش کے بڑے بڑے روسا نے بڑے
سے بڑے مہر پہ پیام نکاح دیا اور کورا جواب مل گیا۔ ابوطالب نے سُنا
بہت خوش ہوئے اور کہا بیٹا بڑی اچھی نسبت ہے۔ خدیجہ قریشی خواتین
مول ہے ضرور اس سے شادی کرلو۔ چنانچہ آپ اپنے دو چچا ابوطالب
ور حمزہ اور بعض قریش سرداروں کے ہمراہ بی بی خدیجہ کے ہاں گئے اور خویلد
کی وکالت سے نکاح ہوگیا۔
بعض مورخین یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ نکاح کی تحریک بی بی خدیجہ کی طرف
سے ہوئی مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ بی بی خدیجہ نے خود ایک دم براہ راست آپ سے
اپنا خیال ظاہر کیا۔ ان مورخین کا بیان ہے کہ بی بی خدیجہ نے اپنی لونڈی
منیبہ کی بیٹی اور بقول بعض مورخین اپنی سہیلی، نفیسہ کو آپ کی خدمت میں
اس غرض سے بھیجا کہ آپ کو ان سے نکاح کرنے پر رضامند کرے۔
نفیسہ نے آپ سے پوچھا آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا
"میں غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں نکاح کروں تو کس طرح؟"
نفیسہ نے کہا "روپیہ پیسہ کا تو آپ خیال نہ کریں آپ ہی کے کنبہ کی
دبیہ والی اور خوبصورت ہے جو طبعی شریف اور بہت نیک ہے۔
آپ کا نکاح ٹھیرا دوں تو آپ کو عذر تو نہ ہوگا؟" آپ نے بھی سوالیہ جواب
"مگر وہ کون ہے؟" نفیسہ نے بتایا "خویلد کی بیٹی خدیجہ"

آپ نے اظہار تعجب کیا اور کہا "مجھے تو امید نہیں کہ وہ مجھ جیسے غریب کے ساتھ نکاح پر رضامند ہو جبکہ بڑے بڑے امیروں کے پیام وہ رد کر چکی ہے"۔ نفیسہ نے کہا "یہ مجھ پر چھوڑ دیجئے اور آپ اس کا فکر نہ کیجئے"۔ آپ نے فرمایا "اچھا میں اپنے چچا سے پوچھ لوں"۔ اور جب ابوطالب نے رشتہ کی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تو آپ نے نکاح پر آمادگی ظاہر کی۔ نفیسہ خوشی خوشی بی بی خدیجہ کے پاس گئی اور ساری گفتگو دہرائی بی بی خدیجہ نے نفیسہ کو بھیج کر آپ کو بلایا اور کہا "جس چیز نے مجھے آمادہ نکاح کیا ہے وہ آپ کا پاکیزہ اخلاق اور صداقت اور دیانت ہے" آپ وہاں سے اٹھ کر ابوطالب کے پاس آئے اور بی بی خدیجہ کی تحریک نکاح کا ذکر کیا۔ اس سلسلہ میں بعض مورخین یہ لکھ رہے ہیں کہ بی بی خدیجہ نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاتھ ابوطالب کے پاس پیغام بھیجا اور پیغام کے ساتھ تحائف بھی بھیجے۔ مورخین کا دوسرا بیان یہ ہے کہ چونکہ خویلد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے بی بی خدیجہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا بھیجا۔ ابوطالب نے عمرو بن اسد کو اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ کا پیام نکاح بی بی خدیجہ کے لئے دیا جسے عمرو نے فوراً منظور کر لیا۔ ابوطالب نے رؤسا قریش کی موجودگی میں خطبۂ نکاح پڑھایا اور بھتیجے کے مہر کے بیس اونٹ بقول بعض چھ اونٹ حمزہ نے اپنے پاس سے ادا کئے۔

بعض متعصب مغربی مورخین ولیم میور وغیرہ لکھ رہے ہیں کہ خدیجہ کو اندیشہ تھا کہ ان کے باپ خویلد محمد جیسے مفلس آدمی سے ان کے نکاح پر

ہرگز رضامند نہ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک دعوت کی اور گائے ذبح کی اور اپنے باپ کو خوب شراب پلائی۔ اور عنبر اور زعفران خوب چھڑکا اور خویلد نے نشہ کی حالت میں حمزہ کی موجودگی میں اپنی بیٹی کی شادی محمد سے کردی مگر جب نشہ اتر گیا اور خویلد ہوش میں آئے اور انہیں واقعات معلوم ہوئے تو انہوں نے کہا میں ایک مفلس آدمی کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی پر ہرگز رضامند نہیں ہو سکتا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ اطراف کے سرداروں نے تلواریں نکال لیں مگر سمجھا بجھا کر خویلد کا غصہ ٹھنڈا کیا اور وہ خاموش ہو گئے۔ مگر مستند مورخین اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ خویلد کا انتقال ہو چکا تھا اور نکاح ان کے بھائی عمرو بن اسد کی ولایت سے ہوا تھا۔

بی بی خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل جو توریت اور انجیل کے عالم تھے۔ مجلس نکاح میں موجود تھے۔ ابوطالب کے خطبۂ نکاح کے بعد انہوں نے کھڑے ہو کر نکاح کی گواہی دی۔ ان کے ہمراہ عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ میں نے خویلد کی بیٹی خدیجہ کو عبداللہ کے بیٹے محمد کے نکاح میں دیا۔ ایجاب و قبول کے بعد بی بی خدیجہ نے آپ کو زنانخانہ میں بلایا۔ اور کہا اونٹ ذبح کر کے کھانا پکوائیے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اور بی بی خدیجہ ۴۰ برس کی تھیں۔ گویا وہ آپ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں پرایجی ویلز وغیرہ بعض مغربی مورخین کو اس میں شبہ ہے کہ بی بی خدیجہ اور آپ کی عمر میں اس قدر فرق تھا۔ مگر تمام مستند مورخین کے بیانات سامنے رکھ کر اس نکاح کے وقت بی بی خدیجہ

۴۰ سال کی تھیں - اور آنحضرت ۲۵ برس کے -

تیسرے نکاح کے بعد پہلے ۱۵ سال

بی بی خدیجہ کے اس نکاح کے بعد پہلے پندرہ سال کے واقعات پر تاریخ کوئی تمام روشنی نہیں ڈالتی - البتہ یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ اور بی بی خدیجہ کی ازدواجی زندگی انتہائی کامیاب تھی اور کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا - آپ کنوارے تھے اور جوان - بی بی خدیجہ دو شوہروں کی بیوہ اور ادھیڑ تھیں - ان کے لئے جو پہلے دھڑا دھڑ سرداران قریش کے پیام چلے آرہے تھے تو صرف ان کے تمول اور خوبصورتی اور وقار خاندانی ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے انتظامات خانہ داری کی مہارت اور سلیقہ مندی کے سبب سے بھی - رسول اللہ سے بی بی خدیجہ کی اولاد آپ کے نبوت عطا ہونے سے قبل ہی کے دور میں ہوئی اور بی بی خدیجہ کا یہ زمانہ بچوں کی پرورش نگہداشت اور تربیت میں گذرا - ان کے وقت کا زیادہ حصہ بچوں پر صرف ہوتا تھا - اور آپ ان کی تجارت کا کام کاج دیکھتے بھالتے تھے - بی بی خدیجہ کو آپ سے عقیدت تو پہلے ہی تھی - اور یہ عقیدت ہی سبب نکاح ہوئی - نکاح کے بعد ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا آپ کی خدمت اور خوشنودی - اور خدمت وخوشنودی کا جذبہ اتنا زبردست اور اس کا عملی پہلو اتنا نمایاں تھا کہ تن من دھن سب ہی کچھ آپ پر قربان کردیا - آپ کو نبوت ابھی عطا نہ ہوئی تھی کہ ارہاصات یعنی پیغمبری کے آثار شروع ہوگئے - آپ چلے جارہے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا

کہ درخت اور پتھر سلام کر رہے ہیں۔ آپ ڈر جاتے۔ گھبرا کر بی بی خدیجہ کو یہ واقعات سُناتے تو وہ تسلی تشفی کی باتیں کرتیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کان الفاظ سُنتے مگر کہنے والا نظر نہ آتا۔ کبھی آپ سوچتے کہ میرا وہم ہے کبھی خیال کرنے لگتے کہ میرے دماغ میں خلل ہو گیا ہے۔ بی بی خدیجہ اپنے شوہر کے فکر و پریشانی کو اپنی دلسوزی اور ہمدردی کی محبت بھری باتوں سے دُور کرتیں۔ انہیں کی تسلی آمیز باتوں سے آپ کی ڈھارس بندھتی۔ انہیں کی دلجوئی آپ کے منتشر خیالات کو سکون بخشتی۔

نبی کی بیوی

بی بی خدیجہ کے تیسرے نکاح کو پندرہ سال گذر چکے تھے۔ اس وقت ان عمر ۵۵ سال تھی اور رسول اللہ صلعم ۴۰ برس کے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ شرک اور بُت پرستی سے آپ کو بچپن ہی سے نفرت تھی۔ پیغمبری ملنے سے پانچ سال پہلے سے آپ تن تنہا مکہ کی پہاڑیوں کی طرف جا نکلتے اور اکثر غارِ حرا میں چلے جاتے جو مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ کئی کئی دن عبادت میں گذار دیتے عیسوی سال ۶۱۱ تھا۔ رمضان المبارک کی ۲۷ تاریخ۔ رات کا وقت آپ مصروف عبادت تھے۔ کہ حضرت جبرئیل اپنی اصلی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کپڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کر کے کہا "پڑھو" آپ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔ فرشتہ نے پھر کہا۔ "پڑھو" آپ نے ڈر اور خوف کی حالت میں جواب دیا "میں امی ہوں" یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں حضرت جبریل نے سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور

"اِقْرَأْ" پڑھا کر چلے گئے۔ آپ پر خوف اور ڈر کی کیفیت دیر تک طاری رہی۔ کانپتے تھرتھراتے گھر واپس آئے اور بی بی خدیجہؓ سے کہا "مجھے کپڑا اڑھا دو"۔ جب کپکپی ذرا کم ہوئی تو اپنی رفیقۂ حیات کو جو سب سے بڑی محرم راز تھیں واقعہ سنایا اور کہا "یہ بات میں منہ سے نکالتا ہوں تو لوگ یقین نہ کرینگے اور مجھے نہ جانیں کیا سمجھیں"۔

بی بی خدیجہ نے اس موقع پر انتہائی دلجوئی کی گفتگو کی اور کہا:۔ "اے عبداللہ کے بیٹے! آپ خوف نہ کھائیں۔ آپ نے کبھی کوئی بات غلط زبان سے نہیں نکالی۔ کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ آپ یتیموں کے دست گیر اور رانڈوں کے مددگار ہیں، محتاجوں مسکینوں کی خدمت کرتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے اور اس کے بندوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ کنبہ والوں کے ساتھ آپ کا سلوک ہمیشہ مہربانی اور نرمی کا ہوتا ہے۔ اہل قریش آپ کی صداقت اور امانت کے معترف ہیں۔ آپ کسی قسم کا خوف نہ کریں۔ خدا آپ کو ضائع نہ کرے گا"۔

اس گفتگو کے بعد بی بی خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو نصرانی ہو گئے تھے۔ اور انجیل مقدس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا کرتے تھے۔ توریت اور انجیل کے مطالعہ میں ان کے وقت کا بڑا حصہ گزرتا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے پورا واقعہ سننے کے بعد

---

۵۱ قرآن مجید باب ۹۶ سورۂ علق آیت ۱ تا ۵۔

کہا " محمد کے پاس جو شخص آیا وہ آدمی نہیں ناموس خدا کا امین فرشتہ جبرئیلؑ ہے۔ جو موسیٰؑ پر نازل ہوا۔ اے عبداللہ کے بیٹے! جس پیغمبر کی خدا نے بشارت دی ہے وہ تم ہی ہو۔ مگر تمہاری قوم تم کو وطن سے نکالے گی اور تمہیں سخت تکلیفیں پہنچائے گی۔ کاش میں اس وقت زندہ رہتا۔ تو تمہاری حمایت اور مدد کرتا "

ورقہ کی اس گفتگو سے آپ کا فکر و تردد مسرت سے بدل گیا لیکن اپنی قوم کے بارے میں فرمایا " میں نے تو اپنی قوم کے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ میری قوم میرے ساتھ برا سلوک نہ کرے گی " اس کے بعد بی بی خدیجہ آپ کو گھر لے آئیں۔

مورخین کا ایک گروہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کر رہا ہے کہ رسول اللہ نے غار حرا کا واقعہ گھر آکر بی بی خدیجہ کو سنایا تو انہوں نے دلجوئی اور تسلی کے بعد آپ کو لٹا کر چادر اڑھا دی اور جب آپ کی آنکھ لگ گئی تو ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور آپ نے جو کچھ بتایا تھا حرف بحرف ورقہ کے سامنے بیان کیا۔ پوری کیفیت سننے کے بعد قدوس قدوس تین دفعہ یہ لفظ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ اور اس نے کہا " قسم خدا کی محمد کے پاس وہی خدا کا امین فرشتہ جبرئیل آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔ مبارک ہو اے خدیجہ! تمہارا شوہر نبی ہے۔ تم محمد سے کہو گھبرائیں نہیں "

گھر آکر بی بی خدیجہ نے آپ کے سامنے ورقہ کے الفاظ دہرائے اور

بی تشفی آمیز باتیں کیں۔ دو یا تین روز کے بعد آپ خود خانہ کعبہ میں جاکر
سے ملے۔ اُس نے کہا کہ تم خود مجھے کچھ اپنے واقعات سناؤ۔ آپ
سرگذشت بیان کی جسے سُن کر ورقہ نے کہا "خدا کی قسم محمد! تم اپنی
ت کے نبی ہو اور غار میں خدا کا فرشتہ جبریل تمہارے پاس آیا تھا۔"

پہلی روایت کے مطابق بی بی خدیجہ رض آپ کو نینوا کے رہنے والے
طویل العمر نصرانی راہب عداس کے پاس بھی لے گئی تھیں بی بی خدیجہ
س بزرگ سے دریافت کیا کہ آسمانی کتابوں میں کچھ جبریل کا بھی ذکر
؟ جب اس نے بتایا کہ جبریل خدا کا فرشتہ ہے جو موسیٰ اور عیسیٰ کے
ں آیا کرتا تھا۔ تو انہوں نے رسول اللہ کے غار حرا کے واقعہ کو تفصیل
ہ بیان کیا۔ عداس نے واقعہ سُن کر قدوس قدوس کہا اور آپ کی پشت
ے قمیض اٹھا کر مہر نبوت کو دیکھ کر بوسہ دیا اور یہ کہہ کر سجدہ میں گر پڑا
اے خدیجہ! تیرا شوہر نبی برحق ہے جس کی بشارت موسیٰ اور عیسیٰ دے گئے ہیں"

مہر نبوت کے متعلق خطبات احمدیہ میں سر سید احمد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں تمام مستند
یثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ پشت پر ایک سیاہ غدود سا تھا اور اس
بال تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میری
سالت کی مہر ہے۔ اور نہ کبھی اس کو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش
ا۔ آنحضرت کی ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی۔ اور اس خیال سے آنحضرت
پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے استعارۃً
س کو مہر نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا ہوگا ... (باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

سب سے پہلی مسلمان

نسطورا، ورقہ، عداس، تینوں جید عالم ایک سے ایک بڑھ کر آسمانی کتابوں پر پورا عبور تھا۔ نسطورا نے غلام میسرہ کے سامنے آپ کی پیغمبری کی تھی۔ ورقہ نے واقعات سن کر اور عداس نے مہر نبوت دیکھ کر آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ بی بی خدیجہ کا شک یقین کے قریب تو پہلے ہو چکا تھا۔ اب حق الیقین عین الیقین اور کامل الیقین میں کسر ہی کیا تھی۔ کسی شخص کو اس کے گھر والوں بالخصوص اس کی بیوی سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ بی بی خدیجہ رض سے زیادہ آپ کے اطوار و عادات و خیالات سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ ادھر آپ نے غار حرا کا واقعہ سنایا ادھر انہیں یقین کامل ہو گیا کہ واقعہ کا ہر ہر لفظ حقیقت و صداقت پر مبنی ہے۔ پندرہ سال کے عرصہ میں آپ نے بھولے سے یا مذاق میں بھی کبھی کوئی بات غلط یا مبالغہ سے کہی ہوتی تو سوچنے کی گنجائش بھی نکل سکتی تھی۔ ادھر آپ نے نبوت عطا ہونے کا واقعہ سنایا اور ادھر اعتماد، عقیدت اور خلوص کے ساتھ انہوں نے ایک ایک لفظ کا یقین کر لیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۵) جس شخص نے یہ بیان کیا کہ مہر نبوت پر یعنی اس شے پر جو آپ کی پشت پر تھی الفاظ محمد رسول اللہ لکھے تھے۔ اس کو دھوکا ہو گیا ہے۔ ہاتھ کی مہر میں اور اس پشت کے غدود میں جس کو خاتم نبوت کہتے تھے، کیونکہ عبارت ہاتھ کی مہر میں کندہ تھی نہ پشت کی چیز پر۔ خاتم نبوت کے ایک معنی ہوئے نبوت کی انگوٹھی جس پر مہر کندہ تھی دوسرے معنی ہوئے آخری نبی۔

بی بی خدیجہ سب سے پہلی مسلمان تھیں اور یہی نہیں کہ سب سے پہلے ایمان لائیں۔ بلکہ انہوں نے خواتین میں دینِ حق پھیلانے کی سعی کی۔ انہیں کی کوشش سے قریش کی کئی متعدد خواتین نے اسلام قبول کیا۔ ام الفضل (آپ کے چچا عباس کی بیوی) اسماء (حضرت ابوبکر کی بیٹی) حضرت عمر کی بہن اسماء بنت عمیس۔

بہترین بیوی

بیوی کو رفیقۂ حیات کہتے اور ٹھیک کہتے ہیں کہ سفرِ زندگی میں علیحدہ علیحدہ سمت سے ایک منزل پر پہنچنے کے بعد دونوں ایک ساتھ مستقبل کی راہیں طے کرتے اور ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہیں۔ ایک کا دکھ دوسرے کا درد۔ ایک کا فکر دوسرے کا تردد۔ ایک کی راحت و آسائش دوسرے کا آرام و سکون۔ خوشی و غم میں دونوں شریک۔ بہتری و بدتری سے دونوں وابستہ۔ عمر بھر کا ساتھ اور ہمیشہ کی رفاقت۔ شریف میاں اور شریف بیوی سے بڑھ کر ایک دوسرے کا دوست اور خیر خواہ۔ ایک دوسرے کا غمگسار اور مددگار اور کون ہو سکتا ہے۔ مگر بی بی خدیجہ وہ عاشقِ زار بیوی تھیں جنہوں نے آپ کی خاطر اپنی جان کو جان سمجھا نہ اپنے مال کو مال۔ ہاتھ سے، روپے پیسے سے، ہر لمحہ خدمت و اطاعت کو مستعد ہر گھڑی غم دور کرنے کو آمادہ۔ ہر وقت سہولت و آسائش بہم پہنچانے کو تیار۔ پہاڑیوں میں چھپ چھپ کر یادِ الٰہی میں کئی کئی دن مصروف رہتے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھانا پہنچاتیں۔ شعب ابوطالب میں تین سال کے قریب آپ کے ساتھ محصور رہیں۔ وہ دولت مند اور متمول تھیں اور

بہتر سے بہتر کھانا کھا سکتی تھیں مگر شوہر کے دکھ درد میں برابر کی رہیں۔ اور آپ کے ساتھ کئی کئی فاقے کئے اور درختوں کے پتے کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی معصوم بے گناہ بچوں کو بھوک سے تڑپتے اور پیاس سے بلکتے کئی کئی بار اس تین سال کے عرصہ میں دیکھا۔ مگر حرف شکایت اور کسی موقع پر زبان پر آیا ہی نہیں۔ شکایت وہ کرتیں بھی تو کس سے کس بات پر۔ شوہر کی خوشنودی اور رضامندی کے سوا ان کے سامنے تھا ہی نہیں وہ آپ کے سامنے اپنے کو بھول چکی تھیں۔ وہ کس قدر کامیاب گھر والی تھیں اس کا اندازہ ان کے متعلق آپؐ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے

"بچوں کی ماں اور گھر کی منتظم"

نبوت عطا ہونے اور پہلی وحی کے نزول کے بعد غار حرا سے واپس آنے پر آپ کو جو ڈر اور خوف تھا اُس سے وہ کس قدر متاثر ہوئیں۔ ان کا دل اپنے شوہر کی محبت سے کس قدر لبریز تھا۔ اور اُن کی قلبی کیفیت کیا تھی۔ وہ بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اُن کی اس گفتگو سے جس کے ایک ایک لفظ میں شوہر کی عظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور اس دوڑ دھوپ سے جو انہوں نے ورقہ اور عداس کے ہاں کی۔ رسول اللہ کو ان پر کس قدر اعتماد تھا۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہر معاملہ میں اُن سے مشورہ لیتے اور اُن کے مشورہ کے مطابق کام کرتے تھے۔

ان کی رحلت کے کئی سال بعد کا ایک واقعہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ کتنی اچھی بیوی تھیں۔ اور رسول اللہ کو اُن سے کس قدر محبت تھی۔ یہ حدیث

مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ اکثر بی بی خدیجہ کو یاد کرتے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے کہہ دیا کہ وہ تھیں کیا؟ ایک بڑھیا اور بیوہ تھیں۔ خدا نے ان کے بدلے ان سے بہتر بیوی آپ کو دی" آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا

"خدا کی قسم خدیجہ سے بہتر بیوی مجھے نہیں ملی۔

وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے۔

انہوں نے میری تصدیق کی اس وقت جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے

انہوں نے اپنی ساری دولت مجھ پر قربان کر دی"

بی بی عائشہ کا بیان ہے "اس دن کے بعد سے میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ رسول اللہ کے سامنے ایسی بات نہ کہوں گی"

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور کے یہاں کوئی اچھی چیز آتی تو آپ فرماتے کہ اسے لے جا کر فلاں عورت کو دے آؤ۔ کیونکہ خدیجہ اسے بہت عزیز رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں (الاستیعاب جلد ۲) ایک بار حسانہ مزنیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ بہت مہربانی سے اس کا حال پوچھتے رہے۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے دریافت کیا "یہ بڑھیا کون تھی" فرمایا۔ "خدیجہ کی سہیلی۔ اسے خدیجہ سے بہت محبت تھی"

اسلام کی سب سے بڑی محسن

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کے احسانات سے اسلام کی گردن جھکی

ہوئی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تقویت اسلام کو جس ذات سے پہنچی وہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ یہی نہیں کہ وہ پیغمبر اسلام پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور قریش کی کئی معزز خواتین نے انہیں کی ترغیب سے اسلام قبول کیا۔ بلکہ ان کے زبردست استقلال، ان کی غیر متزلزل استقامت ان کے خلوص و عقیدت سے لبریز رفاقت اور ان کی پُر ایثار معاونت نے اسلام پھیلانے میں قدم قدم پر آپ کی ڈھارس باندھی اور آپ کی ہمت بڑھائی۔ قوم کو راہ راست پر بلانے میں آپ کے جہاں جہاں قدم اٹھے انہوں نے وہاں آنکھیں بچھائیں اور اپنی ساری دولت اسلام پر قربان کر دی۔ ۵ نبوی میں جب مسلمان ہجرت کر کے حبش جانے لگے تو اس جماعت نے آپ کی بیٹی حضرت رقیہ بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھیں مگر عشق اسلام کے سامنے بیٹی کی جدائی کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ شعب ابو طالب میں اسلام کی خاطر باوجود متمول ہونے کے انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ متواتر فاقے کئے۔ معززین قریش میں بی بی خدیجہ کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور ان ہی کی شخصیت کا لحاظ تھا کہ ان کی زندگی میں آپ کو نسبتاً کم اذیتیں پہنچائی گئیں۔ مگر جب وہ دنیا سے اٹھ گئیں تو اہل مکہ نے آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ وہ وہ ستم ڈھائے اور وہ وہ جسمانی تکلیفیں پہنچائیں کہ ان کے خیال ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یورپ کے متعصب مورخین جنہوں نے نکاحوں کے سلسلے میں رسول اللہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔ وہ بھی بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی اسلامی خدمات

کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور جرمن مورخ اسپرنگر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر خدیجہ نہ ہوتیں تو آنحضرت پیغمبر ہی نہ ہوتے"۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے پیغمبری کے جو فرائض انجام دیئے ان میں بی بی خدیجہ کی صائب رائے بیش بہا مشورے ان کی دلسوزی ہمدردی ان کی دولت و ثروت سے بڑی زبردست مدد ملی۔ اور اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ ان کے انتقال کے بعد جب موقع ملتا۔ آپ ان کی یاد میں بھیڑ ذبح کر کے غریبوں میں گوشت تقسیم فرماتے تھے۔ ان کے احسانات اسلام کا آپ کے قلب پر کتنا گہرا اثر تھا۔ اور ان کی خدمات اسلام کی وجہ سے ان کی عظمت و وقعت کس درجہ آپ کی نظر میں تھی۔ اس کا اندازہ ان الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے۔ جن کی روایت بی بی عائشہ سے ہے۔ اور جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

رسول اللہ کی محبت

بی بی خدیجہ کی جو عظمت رسول اللہ کے دل میں تھی۔ اس کی وجہ ان کے احسانات اسلام تھے مگر چونکہ وہ بہترین بیوی تھیں اس لئے آپ ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ عمر میں وہ آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ جب آپ جوان تھے وہ ادھیڑ۔ جب آپ ادھیڑ ہوئے تو وہ بڑھیا۔ ان کی عمر کے آخری پندرہ سترہ سال وہ تھے جب ان کے ہاں اور اولاد پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ عرب میں متعدد بیویوں کا عام رواج تھا۔ اور ملک کا کوئی قانون یا سوسائٹی کا کوئی قاعدہ آپ کو دوسرے نکاح سے نہ روک سکتا تھا۔ مگر آپ نے

جوانی کا سارا زمانہ ایک لمحہ بھی عقدِ ثانی کا خیال کئے بغیر گذار دیا۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بی بی خدیجہ سے محبت انتہا درجہ کی تھی وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ خواہشوں کو کچل کر نفس پر غالب آنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔

رحلت بی بی خدیجہ اور رسول اللہ کا ۲۵ برس ساتھ رہا۔ ۶۵ برس کی عمر میں جب آپ ۵۰ برس کے تھے ہجرت سے تین سال قبل جب نبوت کا دسواں سال تھا رمضان کے مہینہ میں (مطابق دسمبر ۶۱۹ء) ان کا انتقال ہوا اور مکہ کے مشہور قبرستان حجون میں مدفون ہوئیں۔

اولاد اُمہات المومنین میں حضرت خدیجہ کو یہ فضیلت بھی ہے کہ صرف ان سے رسول اللہ کے چھ بچے ہوئے۔ دو لڑکے اور چار لڑکیاں۔ لڑکے قاسم اور عبداللہ تھے۔ قاسم بڑے تھے اور انہیں کی وجہ سے آپ ابوالقاسم بھی کہلاتے تھے۔ دونوں کا کم عمری میں نبوت سے پہلے ہی انتقال ہوا۔ دی آؤٹ لائن آف ہسٹری میں ایچ جی ویلز کا یہ بیان قطعی غلط ہے کہ آنحضرت اور بی بی خدیجہ کا ایک بچہ عبدمناف یا عبدمنیف بھی تھا۔ اس نام کا رسول اکرم کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لڑکیوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حضرت زینب سب سے بڑی صاحبزادی نکاح کے پانچ سال بعد جب بی بی خدیجہ ۴۵ اور رسول اللہ ۳۰ سال کے تھے پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح بی بی خدیجہ کی بہن کے بیٹے ابوالعاص بن ربیع بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی کے ساتھ ہوا۔ بھانجے سے بی بی خدیجہ کو بہت محبت تھی انہیں کی تحریک

پر رسول اللہ نے رشتہ پسند کیا۔ بی بی زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا مگر ابو العاص ۶ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ نوجوان اور کامیاب تاجر تھے اور دونوں میاں بیوی کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ کفار مکہ نے ان کو بہت بہکایا کہ بی بی زینب کو طلاق دے دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہیں حضرت زینب سے جو محبت تھی اس کا اندازہ ان کے اشعار سے ہوتا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا جرم کا ایک باشندہ سر سبز و شاداب ہے زینب تو امین کی بیٹی صالحہ ہے۔ اور ہر ایک شوہر اپنی ایسی بیوی کی تعریف کرے گا۔"

ان کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ علی اور امامہ۔ علی تو لڑکپن ہی میں فوت ہو گئے۔ اور امامہ سے فاطمۃ الزہرا کی رحلت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے نکاح کیا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد امامہ کا دوسرا نکاح مغیرہ بن نوفل بن حارث سے ہوا۔ اور ان سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں آپ کے داماد ابو العاص بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ مغربی مورخین کا یہ بیان کہ ابو العاص کو اس شرط پر رسول اللہ نے آزاد کیا تھا کہ آپ کی بیٹی زینب کو مدینہ بھیج دیا جائے اور ان سے کوئی فدیہ نہیں لیا گیا قطعی غلط ہے۔ صحیح صرف یہ بات ہے کہ ان سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ مکہ واپس جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ دامادی کی وجہ سے ابو العاص اور دوسرے اسیران جنگ میں رسول اللہ نے کوئی امتیاز

نہیں برتنا۔ اور ان سے بھی فدیہ کیا گیا۔ جس میں حضرت خدیجہ کا وہ ہار بھی تھا جو حضرت زینب کو جہیز میں دیا گیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر آپ کو بی بی خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ مکہ جا کر ابوالعاص نے اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ بی بی زینب کو مدینہ کے لئے روانہ کیا تو قریش میں سے ایک شخص نے نیزہ سے حضرت زینب کو زمین پر گرا دیا وہ حاملہ تھیں۔ اس صدمہ سے حمل ساقط ہو گیا۔ چند روز بعد جب زید بن حارث مکہ آئے تو ان کے ساتھ حضرت زینب مدینہ آگئیں۔ ۶ھ میں ابوالعاص بھی مسلمان ہو گئے۔ اور ۸ھ میں بی بی زینب کا انتقال ہوا۔ بی بی سودہ اور بی بی ام سلمہ نے غسل دیا اور رسول اکرم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۳) بی بی زینب سے تین سال چھوٹی تھیں بی بی رقیہ اور (۴) منجھلی بیٹی تھیں بی بی ام کلثوم۔ ان دونوں کے نکاح رسول اللہ کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے علی الترتیب ہوئے تھے۔ کوہ صفا پر جب آپ نے قریش سے خطاب کر کے انہیں دعوت اسلام دی تھی تو ابولہب اور اس کی بیوی امّ جمیل کو بہت غصہ آیا تھا اور ان دونوں نے اپنے لڑکوں سے کہہ کر رقیہ اور امّ کلثوم کو طلاق دلوا دی تھی۔ حضرت ام کلثوم کا صرف نکاح ہوا تھا۔ وداع نہیں ہوئی تھی۔ طلاق کے بعد بی بی رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا۔ ان دونوں میں اس قدر محبت تھی کہ مکہ بھر میں مشہور ہو گئی تھی۔ اور لوگ کہتے تھے سب سے اچھا جوڑا رقیہ اور عثمان کا ہے۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر ۲ھ میں چیچک میں مبتلا ہو کر بی بی رقیہ نے بعمر

۲۱ سال وفات پائی۔ رسول اکرم ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس وقت بدر میں تھے۔

بی بی رقیہ کے بعد رسول اللہ نے بی بی ام کلثوم کا دوسرا نکاح حضرت عثمان ہی سے کیا۔ بی بی رقیہ سے حضرت عثمان کے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے مگر چھ برس کے ہو کر وفات پائی۔ بی بی ام کلثوم سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کا ۹ سنہ میں انتقال ہوا اور رسول اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۴) حضرت فاطمۃ الزھرا۔ سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ رسول اکرم اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی اور پیدا ہوئی تھیں ۱ سنہ ۱ میں۔ ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب سے جنگ بدر کے بعد اور جنگ احد سے پہلے ۲ سنہ ہجری میں ہوا۔ ان کے جہیز میں ایک مشک اور ایک چکی بھی تھی۔ اور یہ دونوں چیزیں آخر وقت تک ان کے پاس رہیں۔ ایک دفعہ حضرت علی نے ان پہ کچھ سختی کی۔ وہ شکایت کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی بھی گئے۔ شکایت سن کر رسول اللہ نے کہا۔ "بیٹی تم اتنا نہ سمجھتیں کہ مردوں کی یہ عادت ہی ہوتی ہے" حضرت علی اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ "میں اب تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کہوں گا" حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ "فاطمہ گفتگو بالکل اپنے باپ کی طرح کرتی تھیں" وہ جب رسول اللہ کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ان کی پیشانی چومتے

اور مرحبا فرمایا کرتے تھے۔ بی بی عائشہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ "میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولتے نہیں دیکھا"۔ بی بی فاطمہ سے رسول اکرم کو اس قدر محبت تھی کہ جنگ یا سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے آخر میں اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے

بی بی فاطمہ کی وفات رسول اکرم کی رحلت کے چھ ماہ بعد ۱۳ رمضان ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ ان کے پانچ بچے تھے۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ سب سے بڑے حضرت حسنؓ تھے جو حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور جنہوں نے اپنی بیوی جعدہ کے ہاتھوں زہر پیا۔ اور ۴۹ھ میں رحلت کی۔ اُن سے چھوٹے امام حسینؑ تھے۔ جنہوں نے ۶۱ھ میں معرکہ کربلا میں شہادت پائی۔

رسول اللہ ان بچوں سے بہت محبت کرتے اور ان کو اپنا بیٹا فرمایا کرتے تھے محسن بی بی فاطمہ کے تیسرے بیٹے تھے۔ جنہوں نے بچپن میں وفات پائی۔

دونوں صاحبزادیوں میں حضرت زینب کبریٰ کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا تھا۔ انہوں نے واقعۂ کربلا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کوفہ و دمشق میں سختیاں اٹھائی تھیں۔ ام کلثوم دوسری بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت عمر بن الخطاب سے ہوا اور دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح عون بن جعفر سے ہوا۔ اور ان کی رحلت کے بعد تیسرا نکاح محمد بن جعفر سے ہوا۔

(۲)

اُمّ المومنین حضرت سودہؓ

خاندان سودہ بنت زمعہ بن قیس۔ یہ بھی قریش ہیں اور ان کا سلسلہ نسب عامر بن لوئی تک پہنچتا رہا ہے۔ اس مناسبت سے سودہ عامریہ کے نام سے بھی مشہور ہوئیں۔ صفحہ ۱۳۸ پر جو شجرہ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے۔ ان کے جد اعلیٰ عامر کے باپ لوئی کی رسول اللہ ہیں پشت میں تھے۔ گویا خاندان ایک ہی ہے۔ بی بی سودہ عامریہ بنت زمعہ کی ماں شموس اور نانا قیس تھا جو عدی بن النجار کے قبیلہ سے تھا۔ عرب میں یہ قبیلہ وقار و وجاہت کے لحاظ سے قریش کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ اور ان دونوں قبیلوں میں شادی بیاہ ہوتے تھے۔

پہلا نکاح بی بی سودہ کب پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح کس عمر میں ہوا۔ کچھ معلوم نہ ہوسکا نہ ابتدائی حالات۔ پہلا نکاح ان کے چچا کے لڑکے سکران بن عمر سے ہوا تھا۔ سکران کے متعلق بھی تاریخ صرف یہ بتاتی ہے کہ وہ قریش مکہ کے ان افراد میں تھا۔ جنہوں نے قرآن مجید اور رسول اللہ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی تھی۔

قبول اسلام رسول اللہ کو جب نبوت عطا ہوئی تو آپ نے اپنی

قوم کو ہدایت کی کہ بُت پرستی ترک کر کے خدائے واحد کی پرستش کرے۔ قریش میں بہت بڑی اکثریت اُن لوگوں کی تھی۔ جنہوں نے آپ کا مضحکہ اُڑایا۔ آپ کو جھٹلایا۔ آپ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی، بے حرمتی سے پیش آئے اور آپ کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ اور جب بی بی خدیجہ اور ابو طالب دونوں کی وفات ہو گئی تو کھلم کھلا سخت سے سخت جسمانی اذیتیں پہنچانے میں بھی کسر نہ رکھی مگر بہت بڑی تعداد جہاں ایسے کٹر اور ظالم آدمیوں کی تھی وہاں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آخر سُنیں تو سہی یہ شخص کہتا کیا ہے۔ ادھر تو رسول اللہ کی باتیں انہیں مفید معلوم ہوتیں اُدھر وہ یہ سوچتے کہ قوم کے اس قدر بُرے سلوک کے باوجود جو یہ شخص خدائے واحد کی پرستش کی تلقین مستقل مزاجی سے کئے جا رہا ہے اور بجائے غصہ اور خفگی کے اس کے ضبط و تحمل میں رتی بھر فرق نہیں آ رہا تو ضرور یہ خدا کی طرف سے پیغام بر ہے۔ پھر قرآن مجید کی آیتیں سُن کر بھی ان کے دل پر اثر ہوتا۔ اور وہ آپ پر ایمان لے آتے۔ بی بی سودہ شروع ہی سے سمجھدار اور بہت نیک خاتون تھیں۔ رسول اللہ کے متعلق یہ تو وہ بہت پہلے سے جانتی تھیں کہ سارا قریش ان کو صادق اور امین کہتا ہے انہیں ایک بار ذرا تفصیل سے رسول اللہ کی باتیں اور قرآن مجید کی آیتیں سننے کا موقع ملا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ آپ ایمان لے آئیں مگر ان کے شوہر بُت پرست تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے جو رسولِ خدا کے دشمن تھے۔ اس لئے انہوں نے

دُوراندیشی سے کام لیا اور اپنے شوہر پہ یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں مگر جب موقع ملتا وہ سکران کو اسلام کی خوبیاں بتاتیں۔ شروع شروع میں تو اس نے بی بی سودہ کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی مگر آہستہ آہستہ وہ اسلام کی طرف مائل ہونا شروع ہوا لیکن اسے خوف یہ تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو قریش میری پھبتیاں اُڑائیں گے اور فقرے کسیں گے۔ بی بی سودہ سکران کے مسلمان نہ ہونے سے بہت رنجیدہ رہنے لگیں۔ وہ ایک اچھی گھروالی تھیں۔ ان کے اور سکران کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ دونوں میاں بیوی میں محبت تھی۔ بالآخر بی بی سودہ کی کوشش بارآور ہوئی اور سکران بھی مسلمان ہو گیا۔

قریش کے مظالم ہجرت حبش ۵ ھ

قریش کو جب معلوم ہوا کہ سکران بن عمرو اور اس کی بیوی سودہ بن زمعہ دونوں مسلمان ہو گئے تو لگے طرح طرح سے ستانے۔ سکران گھر سے نکلتا تو اُسے بُرا بھلا کہتے۔ آوازے کستے۔ اس پہ مٹی پھینکتے۔ کبھی کبھی اس کے گھر پہ پتھر بھی پھینکے۔ ایک بار دونوں اپنے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے تیر کھینچ کر مارا جو سکران کے لگا اور وہ اور بی بی سودہ فریاد لے کر رسول کی خدمت میں آئے۔ جو لوگ اس وقت مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اُن سب پہ قریش سختیاں کر رہے تھے۔ خونریزی جن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اُن کے لئے زبان سے بُرے کلمات نکالنے معمولی بات تھی۔ موقع ملتا تو زدوکوب سے کبھی نہ چوکتے۔ قریش کے مظالم جب

حد سے بڑھ گئے اور مسلمانوں کو مکہ میں سانس لینا بھی حرام ہوگیا تو رسول اللہ کے ارشاد پہ پندرہ مسلمان گیارہ مرد چار عورتیں تحفظ جان کے لئے ۵ ؁ھ میں حبش ہجرت کر کے چلے گئے۔ ان پندرہ مسلمانوں میں آپکے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابو طالب اور آپ کے پھوپی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام کے علاوہ آپ کے داماد حضرت عثمان بن عفان اور ان کی بیوی حضرت رقیہ (آپ کی منجھلی صاحبزادی) اور بی بی سودہ اور ان کے شوہر سکران بن زمعہ بھی تھے۔

واپسی مکہ

سکران حبش میں بیمار ہو گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ ۶ ؁ھ ہجری میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے مسلمان ہو جانے سے قریش کی ایذا رسانی میں نسبتاً کسی قدر کمی ہو گئی تو بیوہ سودہ مکہ آگئیں اور اپنے باپ زمعہ کے ساتھ اپنے پرانے مکان میں رہنے لگیں۔ مکہ میں دو سال انہوں نے بیوگی میں گذارے اور ۱۰ ؁ھ نبوی میں رسول اللہ سے ان کا نکاح ہوا۔ جب بی بی خدیجہ کی رحلت کو تین ماہ کے قریب ہو چکے تھے

دوسرا نکاح رسول اللہ سے ۱۰ ؁ھ نبوی

حضرت خدیجہ جیسی اطاعت شعار، خدمت گذار، غم گسار، عاشق زار بیوی کی رحلت سے رسول اللہ کو کس قدر زبردست صدمہ پہنچا اس کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے کہ آپ کو فرائض پیغامبری کی ادائگی میں اُن کی دولت اُنکے خلوص اور صائب رائے سے زبردست مدد مل رہی

تھی۔ یہ کیسی پریشانی تھی کہ خانہ داری کا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا اور دو بچیاں محتاجِ پرداخت تھیں۔ اور ان کی نگرانی کے لئے گھر میں کوئی بڑی بوڑھی نہ تھی۔ ولیم میور لکھتا ہے کہ "خدیجہ کے بعد آنحضرت کے خاندان کو مادری نگرانی کی ضرورت تھی"۔ منجھلی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح کم عمری میں ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دیا گیا تھا۔ مگر اس لئے کہ آپ[1] نے قوم کو توحید کی طرف بلایا بے قصور بچّی کو طلاق دیدی گئی تھی۔ وہ خانہ داری کا سارا بوجھ اٹھا لے اور اپنی چھوٹی بہن حضرت فاطمۃ الزہرا کی اچھی طرح دیکھ بھال نہ کر سکتی تھیں بلکہ خود ان کے لئے بھی ایک بڑی بوڑھی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن الاوقص کی بیٹی عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ نے رسول اکرم کی طائف سے واپسی کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ "آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے"۔ آپ نے فرمایا "کس سے کروں"۔ خولہ نے کہا "چاہے کنواری سے کیجئے چاہے بیوہ سے"۔ آپ نے پوچھا "وہ کون ہیں" تو خولہ نے بتایا کہ "کنواری تو حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ اور بیوہ زمعہ کی بیٹی سودہ"۔ بی بی عائشہ کے نکاح کا بیان ان کے حالات میں آئے گا۔ بی بی سودہ کے پاس پیامِ نکاح دے کر خولہ کو رسول اللہ نے بھیجا۔ اور انہوں نے آ کر بی بی سودہ سے کہا "مبارک ہو اللہ کے سچے رسول نے اپنا پیامِ نکاح تمہارے لئے میری معرفت بھیجا ہے۔ خدا نے تمہاری فلاح و بہتری کے یہ اسباب پیدا کر دیئے ہیں"۔ بی بی سودہ نے خولہ سے کہا "مجھے یہ منظور ہے مگر میرے والد سے اس کا ذکر کر دو"۔ خولہ زمعہ کے پاس آئیں۔ اور بی بی سودہ کے

ساتھ رسول اکرم کے نکاح کی درخواست زمعہ سے کی۔ اس نے جواب دیا کہ "مجھے سودہ کے لئے یہ پیام منظور ہے تم سودہ کی رائے معلوم کرلو" خولہ نے کہا" میں معلوم کر چکی ہوں وہ رضامند ہے" زمعہ بولے" اچھا تو پھر تم سودہ کو میرے پاس لے آؤ" چنانچہ خولہ بی بی سودہ کو لے آئیں تو باپ نے بیٹی سے کہا" سودہ خولہ تمہارے نکاح کا پیام محمد بن عبداللہ کی طرف سے لائی ہیں۔ تم رضامند ہو" بی بی سودہ نے کہا" جی ہاں"۔ بیٹی کی رضامندی معلوم ہونے زمعہ نے خولہ سے کہا "محمد بن عبداللہ کو میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آئیں اور بی بی سودہ کا دوسرا نکاح چار سو[1] دینار پر سرور عالم کے ساتھ سنہ ۱۰ نبوی میں ہو گیا۔

زرقانی اور طبقات ابن اسعد میں بعض روایات ہیں کہ بی بی سودہ نے ایک خواب دیکھا تھا اور اپنے پہلے شوہر سکران بن عمر سے جب بیان کیا تو انہوں نے کہا "شاید میرا آخر وقت آپہنچا اور تمہارا نکاح رسول اللہ سے ہوگا"

عبد بن زمعہ بی بی سودہ کا حقیقی بھائی اس وقت مکہ میں موجود نہ تھا۔ اسے جب بہن کے نکاح ثانی کی خبر ملی تو بہت ناگوار ہوا۔ مگر جب وہ دن آیا کہ وہ بھی مسلمان ہو گیا تو اس نے بہت دیر تک تاسف کیا۔ اس واقعہ کو یاد کر کے کہ اس نے بی بی سودہ کے نکاح کی خبر پر غم و غصہ میں

---

[1] بی بی عائشہ صدیقہ کی ایک روایت کی رُو سے ازدواج مطہرات کے مہر چار سو درہم تھے۔ لہذا دینار سہو ہو سکتا ہے۔

اس کی زبان سے نامناسب الفاظ نکلے تھے۔

اس نکاح کے وقت بی بی سودہ کے باپ زمعہ موجود تھے مگر بہت ضعیف تھے۔ اور کوئی خاص ذریعۂ معاش نہ تھا۔ عبداللہ ان کا بھائی بھی تھا مگر اس سے ان کو کوئی مالی مدد نہ ملتی تھی۔ سکران سے ان کا ایک بچہ عبدالرحمٰن بھی تھا مگر کم عمر۔ بیوگی کا زمانہ وہ بغیر کسی معقول سہارے کے گذار رہی تھیں۔

نکاح کی غرض

بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ نکاح کی تحریک رسول اللہ کی طرف سے نہیں بی بی سودہ کی طرف سے کی گئی۔ اور رسول اللہ نے اس تجویز کو قبول فرما لیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اگر رسول اللہ اُن سے نکاح نہ کرتے تو ان کی پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اور کفالت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ باپ بہت ضعیف۔ بھائی بے پروا۔ بچہ ناسمجھ۔ اسلام کی خاطر انہوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ ان کے پہلے شوہر تارک الوطنی کی حالت میں انتقال ہوا۔ ان کی خدمات اسلام کا اس سے بڑھ کر اور کیا معاوضہ اور ان کی مدد کا اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا تھا کہ وہ رسول اللہ کے نکاح میں آگئیں۔ وہ کسی لحاظ سے بھی بی بی خدیجہ کی ٹکر کی نہ تھیں ان کی کم سے کم عمر ۵۰ سال سے تو کوئی مورخ انکار کر ہی نہیں رہا اور بعض مورخین تو ان کی عمر بی بی خدیجہ سے جو وقت رحلت ۶۵ برس کی تھیں۔ زیادہ بتاتے ہیں یعنی وہ ستر کی لپیٹ میں تھیں۔ اس نکاح کی غرض و غایت خانہ داری کا انتظام اور بچیوں کی دیکھ بھال تھی اور یہ نکاح کیا

کیا گیا تھا۔ ان کی خدمات اسلام کے معاوضہ میں ان کو بے سہارا دیکھ کر انہیں پناہ دینے کے لئے۔

بڑھاپے کا احساس

رسول اکرم صلعم کے ساتھ بی بی سودہ تین سال مکہ میں رہیں۔ پھر ہجرت کر کے جب مدینہ آئیں تو ابوب انصاری کے گھر پر آکر اتریں۔ کیونکہ رسول اللہ نے مدینہ آکر شروع میں یہیں قیام فرمایا تھا۔ سات ماہ بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو اس سے ملحق حجرہ میں بی بی سودہ رہنے لگیں۔ جب اور تین چار بیبیاں آپ کے نکاح میں آئیں تو ان کو خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ زیادہ بڑھیا ہونے کی وجہ سے کہیں آپ ان کو علیحدہ نہ کردیں۔ چنانچہ ایک دن آپ نے عرض کیا کہ "میں ضعیف ہو گئی ہوں۔ جسم میں سکت بالکل نہیں رہی۔ دنیاوی کوئی خواہش اب مجھ میں باقی نہیں۔ میرے لئے یہی فخر سب سے بڑی دولت ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے رسول کی بیوی پکاری جاؤں۔ میں اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں"۔

عادات وخصائل

دولت۔ حسن۔ جوانی یعنی وہ صفات جو پیام نکاح کی ترغیب کا سبب کہلائی جا سکتی ہیں بی بی سودہ میں ان میں سے ایک بھی نہ تھی۔ ہاں اسلام کی خاطر انہوں نے جو سختیاں جھیلیں تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے پیش نظر تھیں۔ دنیاوی اعتبار سے آپ کو ضرورت تھی ایک ایسی سمجھدار نیک سیرت عورت کی جو بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کا انتظام خوش اسلوبی سے کر سکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان ہو۔

ان صفات کے علاوہ بی بی سودہ کی طبعی شرافت۔ نیکی۔ خوش اخلاقی۔ رحمدلی۔ وسیع القلبی اور سیر چشمی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے انہیں قریش کی خواتین میں امتیاز حاصل تھا۔ ان سب باتوں پر غور فرما کر آپ نے اپنی عمر سے زیادہ عمر کی بیوہ سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا۔ جنگ بدر جب ختم ہو گئی اور مسلمان مدینہ واپس آ گئے اور دوسرے دن اسیران جنگ مدینہ لائے گئے تو حضرت بی بی سودہ نے ابو یزید سہیل بن عمر کو دیکھا کہ ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔ بے اختیار ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے "تم نے عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں اس سے تو موت زیادہ عزت کی تھی" رسول اکرم صلعم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا "اے سودہ تم خدا اور اس کے پیغمبر کے خلاف ایسے دل آزار الفاظ کہہ کر انہیں طعنہ دے رہی ہو"۔ انہوں نے عرض کیا "میں قربان اے اللہ کے سچے رسول اس حالت میں ان کو دیکھ کر میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکی"۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر رحم دل تھیں۔

مسلمانوں کی ماؤں میں بی بی سودہ سب سے زیادہ لمبے اور دوہرے جسم کی تھیں اس لئے تیز نہ چل سکتی تھیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں جس نے سودہ کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہ سکتی تھیں (یہ ان کے لمبے قد کے متعلق ہے)

حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ انہیں درم سے بھری ہوئی تھیلی بھیجی۔ انہوں نے دریافت کیا "کیا عمر نے کھجوریں بھیجی ہیں؟"۔ خادم نے عرض کیا "جی نہیں کھجوریں نہیں درم ہیں"۔ فرمایا "کھجوریں ہوتیں تو

کھانے کے کام آتیں۔ درم کس کام کے" یہ کہہ کر تھیلی کے سارے درم غربا میں تقسیم کر دیئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بی بی سودہ کیسی سیر چشم اور کشادہ دل تھیں۔

اسدالغابہ میں ہے کہ بی بی سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتی اور ان کو دباغت دیتی تھیں۔

حجتہ الوداع پر (زرقانی کے بیان کے مطابق) رسول اکرم نے اپنی بیویوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ بی بی سودہ نے اس ارشاد کے بعد حج کبھی نہ کیا اور باقی زندگی گھر میں گذار دی۔

حضرت عائشہ صدیقہ بی بی سودہ کی تعریف فرماتی ہیں کہ "سودہ میں ذرا تیزی تو تھی ورنہ اور کوئی بھی ایسا نہیں جس کے درجہ میں ہونا مجھے سودہ سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا"

ضرورت کے وقت عورتیں باہر نکل سکتی ہیں

حضرت عمر ہی سے متعلق ایک اور واقعہ بی بی سودہ کا یہ ہے کہ مدینہ شہر تو رسول اللہ کی ہجرت کے بعد بنا۔ پہلے گاؤں تھا اور یثرب کہلاتا تھا۔ یثرب کا نام مدینہ سرورکائنات نے رکھا جس طرح ہمارے ہاں کے دیہات میں پاخانے گھروں میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح مدینہ میں بھی اس وقت رفع حاجت کے لئے شام کے جھٹ پٹے میں گاؤں کے باہر چلے جاتے تھے۔ خواتین کو گاؤں کے نوجوان آتے جاتے دیکھتے اور کبھی چھیڑتے بھی تھے حضرت عمر کو یہ بات ناگوار

گذرتی تھی کہ ازدواج مطہرات گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ صحیح بخاری کے پارہ ۲۱ میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ایک دن شام کے جھٹ پٹے میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ آرہی تھی کہ حضرت عمر نے پہچان کر غصہ کے لہجہ میں کہا سودہ میں نے تم کو دیکھ لیا ہے۔ بی بی سودہ نے گھر آکر سرورکائنات سے حضرت عمر کی شکایت کی۔ اور سوال کیا کہ کیا ہم اپنی ضرورت سے بھی گھر کے باہر نہ نکلا کریں "۔ آپ نے فرمایا "نہیں سودہ میں عورتوں کو ضروریات کے لئے باہر نکلنے کو منع نہیں کرتا "۔

اولاد

رسول اکرم صلعم سے بی بی سودہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پہلے شوہر سکران بن عمر سے ایک لڑکا تھا۔ یہ یعنی حضرت عبدالرحمن بن سکران مکہ ہی میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں جنگ جلولا ۱۶ھ ہجری میں انہوں نے شہادت پائی تھی۔

رحلت

رسول اکرم صلعم کے بعد دس سال زندہ رہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضؓ اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ رسول اللہ کا اور ان کا ۱۳ برس ساتھ رہا۔ ۲۲ھ ہجری میں حضرت عمر کی شہادت سے چند ماہ قبل مدینہ میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔ اور وہیں تدفین ہوئی۔

---

(۳)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ

خاندان ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق بن ابو قحافہ تھے اور ان کے جد اعلیٰ تیم بیٹے تھے کلاب کے جو رسول اللہؐ کے شجرۂ نسب میں پانچ واسطوں سے قصی کے باپ تھے۔ گویا یہی باپ کی طرف سے قریش خاندان کی تھیں۔ اور کنبہ ایک ہی تھا۔ ان کی والدہ زینب جو کنیت اُم رومان سے مشہور ہیں اسی قبیلے سے تھیں اور ان کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے کنانہ سے اس طرح جا ملتا ہے :-

ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

حضرت ابوبکر صدیق اہل السنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کے بعد بنی آدم میں حضرت ابوبکر بہترین انسان ہیں۔ رسول اللہ صلعم "انسان کامل" تھے اور حضرت ابوبکر "افضل البشر" وہ آپ کے بہت عزیز دوست اور عمر میں صرف دو سال چھوٹے تھے جس دن سے کہ نبوت عطا ہوئی تھی زندگی کے آخری سانس تک اُٹھتے بیٹھتے صبح شام دن رات آپ کو اسلام کی دھن تھی۔ اشاعت اسلام میں جس سے سردلی وہ

چاہے کتنا ہی غیر ہوتا آپ کو عزیزوں سے بڑھ کر عزیز تھا اور جس نے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے اس سے خون کا رشتہ ہوتا اور قریب سے قریب وہ سو دشمنوں کا دشمن تھا۔ آپ کے دعویٰ نبوت کی خبر جب گھر سے باہر پہنچی تو حضرت ابوبکر بسلسلۂ تجارت باہر گئے ہوئے تھے واپسی پر انہوں نے سُنا تو سیدھے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سوال کیا "یہ جو کچھ مشہور ہو رہا ہے کیا صحیح ہے؟" کیسا تامل اور کہاں کا تردد ادھر آپ نے فرمایا کہ "ہاں" اور ادھر وہ ایمان لے آئے۔ اور ایمان بھی لائے تو اس درجہ کا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مکہ کے وہ معمولی آدمی نہ تھے۔ خاندانی وقار و شرف کے لحاظ سے سنجیدگی، بردباری، دور اندیشی، عاقبت بینی، سمجھداری کے اعتبار سے ان کو قریش میں امتیازی درجہ حاصل تھا۔ تجارت کے سلسلہ میں کئی مقامات دیکھے اور مختلف قبائل سے تعلقات تھے۔ علم الانساب میں ان کی ٹکر کے آدمی عرب بھر میں بہت ہی کم تھے۔ اور جہاں دقت پیش آتی ان سے پوچھنے آیا کرتے تھے۔ ان صفات کے علاوہ ایک بڑی بات یہ بھی تھی کہ وہ قریش کے دولتمند افراد میں سے تھے۔ اور اس وجہ سے بھی سب ان کی عزت کرتے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ انہیں کی تلقین و اثر سے مسلمان ہوئے عشقِ اسلام کا یہ حال تھا کہ متعدد مسلمان لونڈی غلاموں پر مشرکین مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ان کی آزادی کی قیمت منہ مانگی رقمیں دے دے کر انہوں ہی نے آزاد کرایا۔ جب حضرت ابوبکر ایمان لائے تھے تو زمین و جائداد تجارت

کے مال و اسباب کے علاوہ ان کے پاس نقد چالیس ہزار نقرئی سکے تھے مگر جب مدینہ ہجرت کی تو صرف ۵ ہزار درہم رہ گئے تھے اور ساری دولت وہ اسلام پر لٹا چکے تھے۔ عورتوں میں بی بی خدیجہ اور مردوں میں حضرت ابوبکر وہ رفیق تھے۔ جن کی دولت سے قصر اسلام کی جڑیں مضبوط ہوتے ہیں رسول اکرم صلعم کو بڑی زبردست مدد ملی اور صرف دولت ہی اسلام پر نہیں لٹائی بانی اسلام کے ہر دکھ درد میں شریک رہے۔ اور آپ کی حمایت میں آپ کے ساتھ جسمانی تکالیف بھی سخت اٹھائیں۔ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے جب قریش نے رسول اکرم کی بے حرمتی کی اور عقبہ بن ابی معیت نے ایک کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر بل دیئے۔ اور حضرت ابوبکر نے کہا "اے ظالموں صرف اس وجہ سے تم انہیں مار ڈالنا چاہتے ہو کہ یہ تمہیں خدائے واحد کی طرف بلاتے ہیں"۔ تو قریش نے رسول اللہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو اس قدر مارا کہ گوشت نیل اور بدھیاں پڑ گئیں اور جگہ جگہ سے خون نکل آیا۔ سرور کائنات خیر اور خوددار اس درجہ کے تھے کہ کسی کا احسان نہ اٹھاتے تھے اور اگر احسان اٹھانا پڑتا تو کبھی بھولتے نہ تھے اور جب موقع ملتا اتار دیتے تھے۔ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تو آپ نے یہی نہیں کہ ان کے بیٹے حضرت علی مرتضیٰ کی پرورش کر کے ادلہ کا بدلہ کر دیا بلکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا کی ان سے شادی کی حضرت عثمان نے اپنی ساری دولت اسلام پر لٹا دی تو رسول اللہ نے اس کے اعتراف میں یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں انہیں دیں۔ انصار مدینہ نے مسجد نبوی

کی زمین مفت نذر کرنی چاہی مگر آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی۔ حضرت عباس مسلمان ہو کر نہائے تو بہت شہرے منافق عبداللہ بن ابی بن سلول کا کرتہ انہیں پہنایا گیا۔ اس احسان کا بدلہ اس طرح ادا فرمایا کہ جب وہ کٹر منافق مرگیا اور اس کے بیٹے حباب نے عذاب قبر کم ہونے کے عندیے سے آپ کا کرتہ منگایا تو کرتہ بھی دیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ حضرت ابوبکر نے تو تن من دھن سب ہی کچھ اسلام پر قربان کر دیا تھا۔ ان کی خدمات کا اعتراف اسلام پر ان کے احسانات کا معاوضہ رسول اللہ اگر ادا کر سکتے تھے تو صرف اسی طرح کہ قریب ترین رشتہ داری سے بھی تعلقات مستحکم ہو جائیں۔ اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ یہی سبب تھا کہ رسول اکرم نے بی بی عائشہ کے لئے اپنا پیام نکاح بھجوا دیا۔

رسول اللہ سے نکاح سنہ ۱ نبوی

ابوطالب کی رحلت اور بی بی خدیجہ کی وفات اوپر تلے آگے پیچھے یہ دو صدمے رسول اللہ کو ایسے سخت پہنچے کہ یہ سال آپ کے حزن و ملال کا سال کہا جاتا ہے۔ ابوطالب کے جنازے پر آپ کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ بی بی خدیجہ کے انتقال نے آپ کے دل کی دنیا اجاڑ دی۔ خانگی سکون و اطمینان زیر و زبر کر دیا تھا۔ مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ حکیم بن الاوقص کی بیٹی مشہور صحابی عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ نے جو آپ کا رنج و غم محسوس کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ نکاح کر لیجئے۔ آپ نے دریافت فرمایا "کس سے؟" خولہ نے کہا

"آپ چاہیں تو کنواری سے کر لیجئے۔ اور چاہیں تو بیوہ سے۔" فرمایا۔
"کنواری کون اور بیوہ کون؟" خولہ نے عرض کیا "کنواری تو آپ
کے دوست ابوبکر کی بیٹی عائشہ ہے اور بیوہ زمعہ کی بیٹی سودہ ہے"
رسول اللہ نے کچھ سوچ کر فرمایا "اچھا دونوں جگہ درخواست کرو۔"
بی بی سودہ کے پیام کی تفصیل ہم ان کے حالات میں لکھ چکے ہیں۔ بی بی
عائشہ کا پیام لے کر خولہ حضرت ابوبکر کے ہاں گئیں اور ان کی بیوی اُم رومان
پر اظہار مدعا کیا۔ انہوں نے تعجب سے کہا کہ "رسول اللہ تو ابوبکر کے
بھائی ہیں۔ چچا بھتیجی کا نکاح کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر تم ذرا ٹھیرو
ابوبکر باہر گئے ہوئے ہیں اور اب آتے ہی ہوں گے۔" اتنے میں حضرت
ابوبکر بھی آ گئے ان سے گفتگو دوہرائی گئی تو انہوں نے کہا مجھے پیام تو
منظور ہے مگر رسول اللہ میرے بھائی اور عائشہ ان کی بھتیجی ہے کیا نکاح
ہو سکتا ہے" خولہ یہ سُن کر وہاں سے اُٹھ سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر
ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ یہ پیچیدگی ہے آپ نے فرمایا "خولہ ابوبکر میرے تحقیقی
بھائی نہیں دینی بھائی ہیں۔ اس لئے یہ رشتہ ہو سکتا ہے۔" خولہ حضرت
ابوبکر کے ہاں آئیں اور مسئلہ واضح کر دیا۔ حضرت ابوبکر نے اسی وقت رسول اللہ
کو بلا کر آپ سے بی بی عائشہ کا نکاح ۱۲½ اوقیہ یا پانچ سو درہم پر شوال
سنہ نبوی میں کر دیا (ایک درہم ساڑھے چار آنے کا ہوتا ہے۔ لہذا مہر کی رقم
ہمارے حساب سے ایک سو چھتیس روپے چودہ آنے تھی)

بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ کی منگنی جبیر بن مطعم

سے ہوئی تھی اس لئے حضرت ابوبکر اور پیام منظور نہ کر سکتے تھے۔ جبیر مسلمان نہ ہوا تھا اور مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان زبردست خلیج حائل تھی۔ اس لئے وہ خود یہ منگنی توڑنی چاہتا تھا۔ جب اس سے گفتگو کی گئی تو اس نے منگنی توڑ دی

سنہ ۱۰ نبوی میں رسول اللہ سے بی بی عائشہ کا صرف نکاح ہوا تھا اسلامی قانون کی تفصیل کے نزول سے قبل۔ وداع مدینہ ہجرت کے بعد سنہ ۲ ہجری میں ہوئی تھی۔ نکاح سے تقریباً پانچ سال بعد۔ نکاح بھی شوال کے مہینہ میں ہوا اور وداع بھی شوال میں۔ عرب میں کچھ یہ عقیدہ تھا کہ شوال میں شادی کرنا منحوس ہوتا ہے۔ بی بی عائشہ کی شادی سے یہ خیال خام جو جہالت پر مبنی تھا دور ہو گیا۔

اس نکاح سے عربوں کے خیالات میں دو باتوں کی اصلاح ہوئی۔ (۱) منہ بولا بھائی حقیقی بھائی نہیں ہے۔ اور اس کی لڑکی یعنی منہ بولی بیٹی حقیقی بیٹی نہیں اس لئے اس سے شادی کی جا سکتی ہے۔ (۲) شوال کا مہینہ منحوس نہیں ہے جیسا کہ عام خیال تھا۔

بی بی عائشہ کی عمر

بی بی عائشہ کی عمر عام طور پر نکاح کے وقت ۶-۷ سال اور وداع کے وقت ۹ یا ۱۰ سال کہی جاتی ہے۔ نکاح سنہ ۱۰ نبوی میں اور وداع سنہ ۲ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر یہ مدت نہ معلوم کیوں تین سال لگائی گئی ہے۔ حالانکہ تقریباً ۵ سال کا وقفہ تھا۔ اگر نکاح کے وقت بی بی عائشہ

کی عمر ۷ سال تھی تو وداع کے وقت ۱۱-۱۲ سال تھی۔ جن مورخین کو رسول اللہ کے اس نکاح کے بارے میں بی بی عائشہ کی عمر پر اعتراض ہے وہ تعصب کی رو میں بہہ کر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہ سرد ممالک کے رہنے والے ہیں۔ جہاں سولہ سترہ سال کے سن میں لڑکی بلوغت کو پہنچتی ہے۔ اور عرب جیسے گرم ممالک میں ۴-۵ سال قبل۔ سر سید احمد خطبات احمدیہ میں لکھتے ہیں جان ڈیون پورٹ نے مانٹیگو کی یہ رائے نقل کی ہے کہ "گرم ممالک میں عورتیں آٹھ نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کے لائق ہو جاتی ہیں۔ پس ان ملکوں میں بچپن اور نکاح کے لائق جوانی گویا ساتھ ہوتی ہے۔ بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں۔"

چنانچہ ہماری زبان میں کہاوت ہے کہ مرد ساٹھا اور پاٹھا اور عورت بیسی اور کھیسی۔ اب سے نصف صدی قبل تک ہندوؤں میں لڑکیوں کی کم عمر میں شادی کا عام رواج تھا۔ اور ۱۱-۱۲ سال کی لڑکیاں ماں بن جاتی تھیں۔ عرب ہند سے بھی زیادہ گرم ملک ہے۔ اس لئے جہاں تک صرف بلوغت کا تعلق ہے۔ ۱۰-۱۱ سال کی لڑکی سے نکاح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مگر محققین تاریخ کی ورق گردانی سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ گیارہ بارہ بھی نہیں۔ وداع کے وقت بی بی عائشہ ۱۵ سال کے قریب تھیں۔

"محمد دی پرافٹ" میں جماعت احمدیہ کے مولانا محمد علی نے جو بحث کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "حضرت فاطمۃ الزہرا کے ذکر میں اصابہ کا بیان ہے

کہ بی بی فاطمہ، بی بی عائشہ سے ۵ سال بڑی تھیں۔ جب بی بی فاطمہ پیدا ہوئیں تو خانہ کعبہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ یعنی نبوت سے ۵ سال قبل لہٰذا بی بی عائشہ کی پیدائش کا زمانہ رسول اللہ صلعم کو نبوت عطا ہونے کا زمانہ ہے یا پہلی وحی سے چند ماہ قبل پیدا ہوئیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۰ سنہ نبوی میں جب نکاح ہوا دس سال کی تھیں، اور وداع پانچ سال بعد ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی تو وداع کے وقت ۱۵ برس کی تھیں۔

اصابہ کے بیان کی تصدیق خود حضرت عائشہ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ "قرآن مجید کی چوّنویں سورۃ القمر جب نازل ہوئی تو وہ کھیلتی تھیں اور ان کو چند آیتیں یاد تھیں" یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی اور نبوت کے پانچویں سال سے قبل۔ اگر اس سال وہ پیدا ہوئیں تو شیر خوار بچہ کو جسے بولنا بھی نہیں آتا یہ آیتیں کس طرح یاد ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا یہ خیال کہ ۱۰ سنہ نبوت میں جب نکاح ہوا وہ ۶ سال کی تھیں غلط ہے۔ اصابہ کے بیان کے بعد خود بی بی عائشہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ وہ نکاح کے وقت ۱۰ سنہ نبوی میں دس سال کی تھیں۔

میاں بیوی کی محبت

(۱) کسی شخص نے جو کھانے پکانے کا ماہر تھا ایک دفعہ سرور کائنات کی دعوت کی۔ آپ نے دریافت کیا۔ دعوت میری ہے یا عائشہ کی بھی؟ اس نے کہا "آپ کی" آپ خاموش ہو گئے۔ دوسری دفعہ پھر اس نے کہا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ اس نے کہا "آپ کی اور ام المومنین کی" آپ نے دعوت منظور فرمائی۔

(۲) بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن چند حبشی لڑکے مسجد نبوی کے صحن میں بی بی عائشہ کے حجرے کے سامنے بانک پٹے کا تماشہ کر رہے تھے۔ آپ نے بی بی عائشہ سے پوچھا "تم بھی دیکھنا چاہتی ہو؟" انھوں نے کہا "ہاں" فرمایا اچھا میری پیٹھ کے پیچھے کھڑی ہو جاؤ۔" بی بی عائشہ کا بیان ہے "میں آپ کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور جب تک دیکھتی رہی آپ اسی طرح میری خاطر کھڑے رہے ذرا نہ کسمسائے۔

(۳) ایک موقع پر آپ نے فرمایا "عائشہ جب تم مجھ سے خوش نہیں ہوتیں میں سمجھ جاتا ہوں۔ اور جب خوش ہوتی ہو اس وقت بھی۔" ام المومنین نے دریافت کیا "کس طرح؟" آپ نے فرمایا۔ "جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو قسم ہے محمد کے خدا کی۔ اور ناخوشی میں کہتی ہو قسم ہے ابراہیم کے خدا کی۔" بی بی عائشہ نے کہا "جی ہاں" غصہ میں آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں مگر میرے دل سے تو آپ کبھی الگ نہیں ہوتے۔"

(۴) ایک دن گیارہ عورتیں جمع تھیں۔ عائشہ بھی پہنچ گئیں۔ ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں کا ذکر کیا۔ آخری یعنی گیارہویں عورت نے اپنے شوہر ابوذرع کا حال بیان کیا کہ وہ اُسے کس قدر چاہتا تھا۔ اس پر کس قدر روپیہ صرف کرتا تھا۔ اس کے آرام و آسائش کا کس قدر خیال کرتا تھا ایک دن جو وہ گھر سے باہر نکلا تو اسے ایک عورت ملی جس کے ساتھ دو چھوٹے

بچے تھے۔ ابوذرع نے پہلی عورت کو طلاق دے کر اس سے نکاح کر لیا۔ اس یعنی گیارہویں عورت نے بھی ایک دولت مند سے نکاح کر لیا مگر اس دوسرے شوہر کا پہلے شوہر سے کیا مقابلہ۔ بی بی عائشہ نے سب عورتوں کی باتیں آکر رسول اکرم صلعم کو سنائیں تو آپ نے فرمایا۔ میرا سلوک بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوگا جیسا ابوذرع کا تھا مگر طلاق نہ دوں گا۔

(۵) بی بی عائشہ نے کسی موقع پر مانگے کا گلوبند پہنا تھا۔ اتفاق سے کھو گیا۔ رسول اللہ کو معلوم ہوا تو اس وقت کچھ آدمی گلوبند کی تلاش میں بھیجے۔ یہ لوگ ڈھونڈ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ وضو کے لئے پانی نہ تھا۔ بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۔ تیمم کی آیت اس کے بعد ہی نازل ہوئی۔ تو اسید بن حضیر نے کہا "عائشہ اللہ تجھے جزائے خیر دے"۔

(۶) یہ روایت بھی معتبر کہی جاتی ہے کہ رسول اللہ سے جب پوچھا گیا کہ عورتوں میں آپ کو کون سب سے زیادہ عزیز ہے تو آپ نے فرمایا۔ "عائشہ" اور جب یہ پوچھا گیا "مردوں میں" تو جواب دیا "عائشہ کا باپ"

(۷) بی بی عائشہ خود فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ اپنے ہاتھ سے اپنی قمیص میں پیوند لگا رہے تھے۔ میں سامنے بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ میں آپ کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ مجھ پر آپ کی نظر پڑ گئی فرمایا "کیا بات ہے"؟ میں نے عرض کیا "چہرہ اقدس دیکھ رہی ہوں"۔ آپ نے مجھے دعا دی اور فرمایا "تم مجھے دیکھ کر جس قدر خوش ہوتی ہو اس سے زیادہ میں تمہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں"۔

(۸) بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ رحلت سے قبل جب سرور عالم بیمار پڑے تو آپ نے سب بیویوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا اگر تم سب اجازت دو تو میں بیماری کے یہ دن عائشہ کے گھر میں گذار دوں۔ کہ وہاں میری تیمار داری اچھی طرح ہو جائے گی۔ ازواج مطہرات نے عرض کیا "جہاں آپ کو آرام ملے تشریف رکھیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ چنانچہ سرور کائنات کی پاک زندگی کے یہ آخری دن بی بی عائشہ ہی کے گھر میں گذرے۔ بی بی عائشہ نہایت فخر سے اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ اور ان میں خاص طور پر قابل ذکر یہ ہے کہ رسول نے مرض الموت میں سب بیویوں سے اجازت لے کر میرے گھر میں میری ہی باری کے دن میری ہی گود میں انتقال کیا اور میرے میرے ہی حجرے میں مدفون ہوئے۔

(۹) ایک دن کسی بات پر بی بی عائشہ آپ سے ناخوش ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تو کسی سے اس کا فیصلہ کرا لو۔ کہو تو عمر کو بلاؤں۔ انہوں نے فرمایا نہیں میں انہیں حکم نہیں مانتی۔ آپ نے دریافت کیا "تو اچھا پھر ابوبکر کو بلا بھیجوں۔ ام المومنین نے کہا جی ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ آ گئے تو آغاز گفتگو کے وقت بی بی عائشہ نے رسول اللہ سے فرمایا "دیکھئے ٹھیک ٹھیک کہئے"۔ ام المومنین کی زبان سے یہ لفظ نکلتے ہی حضرت ابوبکر کو غصہ آ گیا اور انہوں نے بیٹی کے ایک تھپڑ مارا اور کہا "اللہ کے سچے رسول کی شان میں یہ گستاخی!!"۔ رسول اکرم کو اپنے سب سے عزیز دوست

کا اپنی بیٹی کو تھپیڑ مارنا ناگوار گذرا اور آپ نے فرمایا "ابو بکر تمھیں میں نے فیصلہ کے لئے بلایا تھا۔ مارنے کے لئے نہیں۔"

یہ واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ سرورِ کائنات کو ام المومنین سے کس قدر محبت تھی۔ ان ہی واقعات کی بنا پر نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلم مورخین بھی لکھ رہے ہیں کہ بی بی عائشہ رسول اللہ کی "چہیتی" یا "لاڈلی" تھیں مگر آپ کی محبت حضرت عائشہ صدیقہ کے لئے مخصوص نہ تھی سب بیویوں کے ساتھ مساوات کا سلوک تھا جس میں آخر وقت تک فرق نہ آیا حضرت سودہ سب سے بڑی عمر کی تھیں ان کے ساتھ ان کی عمر کے موافق اور حضرت عائشہ اوروں کے مقابلہ میں کم عمر تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی عمر کے مطابق پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ آپ کے لئے حریرہ پکا کر لائیں۔ ام المومنین حضرت سودہ آپ کے برابر تشریف رکھتی تھیں۔ ان سے بی بی عائشہ نے کہا "آپ بھی کھائیے" انھوں نے کسی وجہ سے انکار کر دیا۔ تو بی بی عائشہ نے فرمایا "اگر تم نہ کھاؤ گی میں تمہارے منہ پر مل دوں گی چنانچہ انہوں نے حریرہ بی بی سودہ کے منہ پر مل دیا۔ سرورِ عالم نے فرمایا "سودہ تم کیوں چھوڑتی ہو تم بھی عائشہ کے منہ پر مل دو" بی بی عائشہ نے بھاگنا چاہا تو رسول اللہ نے پکڑ لیا اور بی بی سودہ نے ان کے منہ پر حریرہ مل دیا۔

بی بی عائشہ بہت سمجھ دار، ذہین اور زیرک تھیں۔ اور آپ کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کہتی تھیں۔ سوکنوں کے تعلقات میں البتہ بشریت کبھی کبھی نمایاں ہوئی۔ جو نسوانی فطرت یا انسانی سرشت کے خلاف نہ تھی۔

رسول اکرم صلعم بی بی خدیجۃ الکبریٰ کو اکثر یاد اور کبھی کبھی ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بی بی عائشہ نے کہہ بھی دیا کہ "وہ تھیں کیا ایک بیوہ بڑھیا۔ خدا نے ان سے بہتر بیوی آپ کو دی" ام المومنین کا یہ کہنا کہ "میں سب بیویوں سے ممتاز ہوں" "میں اور رسول اللہ دونوں ایک برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ آپ نماز پڑھتے تھے تو میں سامنے بیٹھی یا لیٹی رہتی۔ آپ کی روح نے پرواز کی تو سر مبارک میری آغوش میں تھا" ان میں سے کوئی بات بھی قابل اعتراض یا فطرت نسوانی کے خلاف نہیں ہے۔ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کسی لحاظ سے بہتر ہے رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات میں بھی ایک بیوی دوسری بیوی سے کسی نہ کسی اعتبار سے بڑھی ہوئی تھیں۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ اپنے تئیں دوسری ازواج مطہرات سے افضل سمجھتی تھیں تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ بی بی عائشہ کی زبان سے رسول اللہ کے جو تعلقات بیان کئے گئے ہیں ان پر مغربی مورخین کے اعتراضات کچھ وزن نہیں رکھتے۔ ایک برتن میں کھانا اور اپنے ہاتھ سے نوالے بنا کر کھلانا جہاں محبت کا باعث ہوتا ہے۔ وہاں اس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کے جس سچے نبی نے کئی کئی وقت کے مسلسل فاقے کئے اور بھوک دبانے کے لئے پیٹ سے پتھر باندھے ہیں اس کے گھر میں کبھی ایک کے سوا دوسرا برتن نہیں ہوا۔ رسول اللہ اس وقت بھی جب کوئی سامنے بیٹھا ہوتا نماز ادا فرماتے تھے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی سامنے موجود ہو جب بھی نماز ہو جاتی

ہے اور پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلوت تک میں سرکار دو عالم یادِ الٰہی سے غافل نہ رہتے تھے۔ علاوہ اس کے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ رہائش جس حجرے میں تھی وہ اس قدر چھوٹا تھا کہ رسول اللہ صلعم عبادت کے وقت حضرت عائشہ کو کسی دوسری جگہ نہ بٹھا سکتے تھے۔

بعض مغربی مورخین نے بی بی عائشہ کی طرف رسول اکرم صلعم کے زیادہ متوجہ رہنے کی وجہ ان کا حسن اور کم عمری بتائی ہے۔ "زیادہ متوجہ رہنا" تاریخی اعتبار سے ہی نہیں عقلی دلائل سے بھی یہ غلط ہے۔ رسول اکرم کے بعد خلفائے رسول نے رسول کی کسی بیوی میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ خلیفہ اوّل کا برتاؤ رسول کی بیوی کی حیثیت سے حضرت عائشہ کے ساتھ وہی تھا جو دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ۔ اسی طرح خلیفہ دوم کا برتاؤ حضرت حفصہ حضرت عائشہ اور رسول اللہ کی باقی بیبیوں کے ساتھ مساوی تھا۔ اگر سرورِ کائنات اور بیویوں کے مقابلہ میں حضرت عائشہ پر زیادہ متوجہ رہتے تھے تو حضرات ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی جیسے عاشقانِ رسول سے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اس کا خیال نہ رکھتے اور بی بی عائشہ کو دوسری ازواج مطہرات پر ترجیح نہ دیتے۔ باعتبار صورت بی بی حفصہ اور بی بی زینب دونوں حضرت عائشہ سے کم نہ تھیں۔ کم عمری کا جہاں تک تعلق ہے بی بی عائشہ اور حفصہ میں زیادہ نہیں ۴۔ ۵ سال کی چھٹائی بڑائی تھی۔ اور بی بی صفیہ حضرت عائشہ سے چھوٹی ہی تھیں۔ ایک بی بی کو کسی لحاظ سے فضیلت تھی تو دوسری کو کسی اور اعتبار سے دیکھنے کی بات

کیونکہ

صرف یہ ہے کہ رسول اکرم نے سب ازواج مطہرات میں مساوات تا دم حیات قائم رکھی۔

واقعہ افک ۵ھ ہجری

سرور کائنات صلعم جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے تھے اور جن کا نام نکلتا تھا اُن بیوی کو ساتھ لے جاتے تھے۔ ہجرت کے پانچویں برس (دسمبر ۶۲۶ عیسوی) جنگ بنی مصطلق کے موقع پر جب تشریف لے گئے تو قرعہ بی بی عائشہ کے نام نکلا تھا اور وہ ہی ساتھ تھیں۔ مریسیع سے واپسی پر جبکہ مدینہ ایک منزل رہ گیا تھا قافلہ ایک پڑاؤ پر جھٹ پٹے کے وقت ٹھیرا۔ بی بی عائشہ اپنی ضرورت سے جنگل کی طرف گئیں۔ مگر لوٹتیوں کو دیکھتی ہیں تو موتیوں کا ہار جو وہ اپنی بہن اسماء سے مانگ لائی تھیں اور جس کی قیمت بارہ درم تھی۔ غائب تھا۔ پھر واپس ہوئیں۔ ادھر وہ اس کی تلاش میں رہیں اُدھر قافلہ کوچ کر گیا۔ پردہ کا حکم ۳ھ ہجری میں ملا تھا اور اب کوئی غیر محرم کسی عورت کے سامنے نہ آسکتا تھا۔ بی بی عائشہ شغدف میں بیٹھ جاتی تھیں اور چاروں طرف کپڑا باندھ کر اسے اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا۔

ام المومنین دبلی پتلی ہلکی پھلکی تھیں۔ ساربان ابوہیب حمال سمجھا کہ شغدف میں ہیں۔ شغدف اٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور قافلہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گیا۔ ام المومنین آئیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے یہ خیال کر کے کہ میرا شغدف خالی دیکھ کر کوئی نہ کوئی تلاش میں آئے گا۔ وہیں بیٹھ گئیں، اور ہوا

کے ٹھنڈے جھونکوں میں سو گئیں۔ قافلہ کی گری پڑی چیزیں دیکھنے کے لئے سب سے پیچھے کچھ فاصلہ پر ایک آدمی ہوتا تھا۔ اس موقع پر یہ خدمت صفوان بن معطل کے سپرد تھی۔ اس نے دور سے دیکھا آواز دی مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پردہ کی آیتیں نازل ہونے سے قبل وہ ام المومنین کو دیکھ چکا تھا۔ پہچان کر اس نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اونٹ سے اترا اور ام المومنین کو اونٹ پر بٹھا مہار ہاتھ میں لے روانہ ہو گیا۔

اگلی منزل بحر الحرہ تھی وہاں قافلہ رک گیا تھا اور بی بی عائشہ کے خالی شغدف کا چرچا ہو رہا تھا کہ وہ بھی دوسرے اونٹ پر سوار اگلی منزل پہ پہنچ کر قافلہ سے مل گئیں۔ اور صفوان نے جو واقعہ تھا وہ بیان کر دیا۔ مگر منافقین نے جن میں عبداللہ بن ابی اور مسطح بن اثاثہ بہت پیش پیش تھے۔ چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور مدینہ پہنچ کر ام المومنین پر بہتان لگایا۔

بی بی عائشہ کا مزاج ناساز تھا۔ رسول اللہ کی اجازت سے وہ میکہ تشریف لے گئیں۔ ایک دن شام کے وقت وہ حضرت ابوبکر کی خالہ زاد بہن ام مسطح کے ساتھ رفع حاجت کے لئے شہر سے باہر گئی تھیں۔ تو تیوں کو مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھ گیا۔ اور وہ گر پڑیں۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔ مسطح ہلاک ہو۔ بی بی عائشہ بولیں " کیوں کوستی ہو ایسے شخص کو جو بدر کی لڑائی میں رسول اللہ کے ساتھ رہا" مسطح کی ماں نے کہا " بیٹی تمہیں کیا معلوم اس کمبخت نے تم پر کیا تہمت اٹھائی ہے ؟" بی بی عائشہ یہ سن کر چونک پڑیں اور کہا " کیسی تہمت ؟" مسطح کی ماں نے کہا " خدا

غارت کرے ان منافقوں کو جو تم جیسی پاک اور نیک بی بی کے متعلق ایسی بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں۔"

بی بی عائشہ رنج و غم کی حالت میں گھر آئیں اور اپنی والدہ اُم رومان سے مسطح کی ماں کی گفتگو دہرائی۔ انہوں نے کہا "بیٹی رنج نہ کرو جو عورت اپنے شوہر کو عزیز ہوتی ہے۔ اس سے لوگ جلتے اور ایسی ہی واہیات باتیں کرتے ہی ہیں۔" بی بی عائشہ کو اس قدر صدمہ تھا کہ ساری رات انہوں نے رو رو کر گذار دی۔ صبح اُن کے والد حضرت ابوبکر نے بیٹی کو جو روتے دیکھا تو اپنی بیوی ام رومان سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا منافقین یہ باتیں بنا رہے ہیں۔ اور عائشہ کو کل ہی اس کی خبر ہوئی ہے۔ اس کا یہ رنج ہے۔ حضرت ابوبکر یہ سن کر بیٹی کے پاس آئے اور کہا "تم اپنی جان کیوں ہلکان کرتی ہو اگر تم واقعی بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی بیوی پر اتنا بڑا اتہام دُور کرنے کی ضرور کوئی صورت نکالے گا۔" شدہ شدہ منافقین کی چہ میگوئیاں رسول اللہ کے کانوں میں پہنچیں تو آپ نے صحابہ کو بلا کر مشورہ لیا۔

حضرت عمر نے کہا "اے اللہ کے سچے رسول یہ گل منافقوں نے کھلایا ہے ام المومنین اس الزام سے پاک ہیں۔ نجاست پر بیٹھنے والی مکھی اس پاک جسم پر نہیں بیٹھتی تو اللہ کو یہ کس طرح منظور ہو گا کہ آپ کے اور آپ کے اہل کے ساتھ یہ ناپاکی روا رکھے۔" حضرت عثمان غنی کی رائے رسول اللہ نے معلوم کی تو انہوں نے فرمایا "عائشہ سچی اور منافق جھوٹے۔ جب آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کسی کا اس پر پاؤں پڑے تو اللہ کو یہ کب گوارا ہو گا کہ آپ کے

ان کے ساتھ ایسا ہو، ام ایمن کے بیٹے اسامہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا " عائشہ اللہ کے رسول کی بیوی ہیں ۔ اور ہم نے ان میں نیکی اور بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا اگر ان میں کوئی برائی ہوتی تو اللہ ان کو آپ کی خدمت کا شرف نہ دیتا " اس کے بعد حضرت علی مرتضٰی کی رائے دریافت فرمائی ۔ تو انہوں نے کہا " میری رائے میں بھی عائشہ پاک ہیں اور منافق جھوٹے " مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی کا جواب یہ تھا " اے اللہ کے رسول ۔ عورتوں کے بارے میں آپ پر کچھ تنگی نہیں ۔ لیکن پہلے آپ تحقیق کر لیجئے ۔ جو بات مشہور کی جا رہی ہے ۔ صحیح ہے تو بریرہ کو ضرور معلوم ہو گا " آپ نے لونڈی بریرہ کو بلایا ۔ اور اس سے پوچھا کہ تو نے عائشہ میں کبھی کوئی قابل اعتراض بات دیکھی ہے " اس نے عرض کیا " اے اللہ کے رسول میں نے تو آج تک کوئی خرابی عائشہ میں کبھی نہیں ۔ سوائے اس کے کہ آٹا گوندھتے گوندھتے انہیں نیند آ جاتی ہے ۔ اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے "

اس کے بعد سرور کائنات صلعم نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ پڑھا اور فرمایا " تم میں کوئی شخص ہے جو میری حمایت میں اس آدمی کے خلاف کھڑا ہو جس نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے ۔ میں اپنی بیوی میں نیکی اور بھلائی پاتا ہوں ۔ اور جس شخص کی بابت کہا جاتا ہے یعنی صفوان بن معطل وہ بھی بھلا آدمی ہے " یہ سن کر انصار کے سردار سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کیا " یا رسول اللہ میں آپ کی حمایت کروں گا ۔ اگر وہ شخص میرے قبیلہ اوس میں سے ہے تو میں خود اس کو قتل کر دوں گا " عبداللہ بن ابی جس

سے نے ام المومنین پر تہمت لگائی تھی۔ قبیلہ خزرج میں سے تھا۔ اس قبیلہ کے سردار سعد بن عبادہ سے نے جو ایک نیک آدمی تھے اپنے قبیلہ کی بدنامی کے خیال سے اٹھ کر کہا۔

"سعد بن معاذ قسم ہے خدا کی تم ہمارے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے" سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن حضیر نے اپنے بھائی کی حمایت لی۔ اور سعد بن عبادہ سے کہا "تم منافق ہو جو ایسی باتیں کرتے ہو۔ ہم ایسے موذی آدمی کو ضرور قتل کریں گے" بات بڑھتے بڑھتے میان سے تلواریں نکل آئیں اور رسول اللہ نے سمجھا بجھا کر فریقین کے جوش کو ٹھنڈا کیا۔ اور سیدھے حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لائے۔ بی بی عائشہ بیمار تو پہلے ہی تھیں اس صدمے نے ان کی جان پر بنا رکھی تھی۔ رسول اللہ صلعم بی بی عائشہ کے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پرسی کے بعد فرمایا "عائشہ میں نے یہ باتیں سنی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ اس کی اطلاع دے گا۔ اور اگر تم سے گناہ ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور توبہ کرو" بی بی عائشہ پندرہ دن سے رنجیدہ تھیں۔ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو بی بی عائشہ دھک سے رہ گئیں اور روتے روتے ان کا برا حال ہو گیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر سے کہا "آپ رسول اللہ کی بات کا جواب دیجئے" انہوں نے کہا۔ "میں کیا جواب دے سکتا ہوں" پھر اپنی والدہ ام رومان سے کہا۔ "آپ جواب دیں" وہ بھی خاموش رہیں تو پھر بی بی عائشہ نے کہا "لوگوں نے جو افواہ اڑا رکھی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ بالکل غلط ہے اور میرا دامن اس گناہ

سے پاک ہے تو لوگ یقین نہ کریں گے اور اگر میں کہوں کہ ہاں سچ ہے حالانکہ خدا گواہ ہے کہ میں بے قصور اور بے گناہ ہوں تو لوگ یقین کر لیں گے۔ ایسی صورت میں وہی کہہ سکتی ہوں جو ابو یوسف (حضرت یعقوب) نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ یہ کہہ کر بی بی عائشہ لیٹ گئیں اور رسول اکرم صلعم پر آثار وحی شروع ہوئے۔ یہ جنوری کا مہینہ تھا اور چہرہ اقدس پر پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ بی بی عائشہ نے اسی وقت آپ کو چادر اڑھا دی اور سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا۔ نزول وحی کے بعد آپ نے وہ آیتیں تلاوت فرمائیں جو بی بی عائشہ کی عصمت پر اس وقت تک گواہ رہیں گی جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیوی کو تمام الزامات سے پاک کیا وہ سورۂ نور (چوبیسویں سورۃ) کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ہیں۔ گیارہویں آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"جو لوگ طوفان لائے ہیں (عائشہ کی نسبت) تمہاری ہی جماعت میں سے ہیں۔ اپنے واسطے اس کو برا نہ سمجھو۔ بر خلاف اس کے باعتبار نتیجہ) وہ ہے بہتر واسطے تمہارے۔ ان میں سے ہر آدمی کا اپنا حصہ ہے جو گناہ سے کمایا۔ اور جس شخص نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے واسطے سخت سزا ہے۔"

بارہویں آیت:۔ "تم لوگوں نے جب یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس داروں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا)

اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔"

آیت تیرہویں :- یہ لوگ (منافقین) اپنے (اس) قول (بہتان) پر چار گواہ کیوں نہیں لائے۔ جب یہ (حسب قاعدہ) گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہ لوگ (اپنے قول میں) جھوٹے ہیں۔ جب بی بی عائشہ نے اپنی براۃ اور صفائی میں یہ آیتیں اللہ کے سچے رسول سے سنیں تو ان کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ان کی والدہ نے انتہائے مسرت کے عالم میں بیٹی سے کہا " رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو" ام المومنین نے کہا "اماں میں اللہ کے رسول کا شکریہ کیوں ادا کروں اپنے اللہ کا شکریہ کیوں ادا نہ کروں جس نے میری بے گناہی کی گواہی دی"

وحی کے بعد آپ رسول اللہ باہر تشریف لائے اور انصار و مہاجرین کے سامنے سورۂ نور کی آیتیں پڑھیں اور بدنام کرنے والوں کو حدِ قذف یعنی اسّی اسّی دُرّے مارے گئے۔

اس افترا پردازی میں ایک عورت حمنہ اور تین مردوں عبداللہ۔ حسّان اور مسطح کے نام آ رہے ہیں۔

حمنہ ام المومنین حضرت زینب کی بہن رسول اللہ کی پھوپی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی اور آپ کی سالی تھیں۔ تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ وہ نیک بی بی تھیں جنگ احد میں انہوں نے شرکت کی مجاہدین کے لئے مشکیں ڈھو ڈھو کر لاتی اور ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرتی تھیں۔ مگر اس

معاملہ میں وہ منافقوں کے ساتھ تھی اپنی بہن ام المومنین زینب کے خیال سے ہو گئیں کہ حضرت عائشہ ان کی بہن کی سوکن تھیں اور ان کی قدرتی خواہش تھی کہ رسول اللہ میری بہن کی طرف زیادہ متوجہ ہوں۔ رسول اللہ نے بی بی زینب سے بھی مشورہ لیا تھا اور جب ان سے بی بی عائشہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم مجھے تو جو کچھ معلوم ہے بہتر ہی ہے۔ محض بہن کی پاسداری سے حمنہ ادھر ہو گئی تھیں۔

عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔ بظاہر مسلمان مگر دل میں مسلمانوں کا شدید مخالف اور اس کوشش میں منہمک کہ رئیس مدینہ ہو جاؤں۔ وہ اس فکر میں رہتا تھا کہ اسلام کو کوئی نہ کوئی نقصان پہنچ جائے۔

حسان شاعر زبردست اور عبداللہ کے عزیز ترین دوست عبداللہ ان کے ایک ایک شعر پر زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا اور حسان اس کی ہر بات کو آمنا و صدقنا سمجھتے تھے۔ جب حقیقت حال سے سب باخبر ہو گئے تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ کوڑوں کی سزا ملنے کے بعد بھی اظہار ندامت نہ کیا۔ مسطح ابن اثاثہ نے بھی قرابت داری کی وجہ سے حمنہ کی طرح ام المومنین زینب کی خاطر حضرت عائشہ کے خلاف اپنے دوست عبداللہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

واقعہ افک کے سلسلہ میں بعض مصنفین یورپ کا اعتراض یہ ہے کہ ہار ڈھونڈنے کے لئے بی بی عائشہ کا جانا ضروری نہ تھا وہ کسی کو بھیج سکتی تھیں۔ مگر یہ اعتراض نفسیات کے خلاف ہے اور فطرت نسوانی

کو سامنے رکھ کر نہیں کیا گیا۔ ہار ام المومنین کا بھی نہ تھا۔ مانگے کا تھا اور ان کی بہن حضرت اسماء کی ملکیت تھا۔

بی بی عائشہ کی براءت میں کلام پاک کی آیتوں کے نزول پر بعض مسیائی مورخین کا دل نہیں ٹھکتا۔ کاش وہ اس پر بھی غور فرما لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے آخری نبی کی بیوی کی عفت و عصمت ہی کی گواہی نہیں دی اس سے پہلے ایک اور نیک پاک دامن عورت حضرت عیسیٰ پیغمبر کی ماں مریم کی پاکدامنی کی بھی تصدیق کی ہے۔ جن کو یہودیوں نے بہت بدنام کر رکھا تھا۔

رسول اللہ کی رحلت
سنہ ۱۱ھ مطابق سنہ ۶۳۲ء

حجۃ الوداع کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۹ صفر سنہ ۱۱ ہجری بدھ کے دن سرور کائنات صلعم کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ یہ حضرت بی بی میمونہ کے ہاں رہنے کا دن تھا۔ دوسرے روز سے پانچ دن تک باری باری آپ ازواج مطہرات کے ہاں ان کی باری کے دنوں میں علالت کی حالت میں بھی رہے۔ چھٹے دن جب سب ازواج جمع تھیں فرمایا کل میں کس کے حجرہ میں رہوں گا۔ دوسرا دن بی بی عائشہ کی باری کا دن تھا۔ بیویوں نے عرض کیا آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ اس کے بعد آپ نے بی بی عائشہ کے حجرہ میں قیام فرمایا۔ کمزوری کی یہ حالت تھی کہ دو شخص بازو پکڑ کر حضرت عائشہ کے گھر میں لائے۔ تیمارداروں میں بیویوں کی باری مقرر تھی۔ ہر ایک اپنی باری پر تیمارداری کرتی تھیں۔ آپ کی

وفات کے دن حضرت عائشہ کی باری تھی۔ دورانِ علالت میں ایک بار جبکہ رات آدھی کے قریب گذر چکی تھی۔ آپ قبرستان تشریف لے گئے۔ آپ کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے خفتگانِ خاک کے لئے دعا فرمائی۔

علالت دردِ سر اور بخار سے شروع ہوئی تھی۔ کمزوری دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جب تک جسم میں طاقت رہی نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے رہے آخری نماز آپ نے مغرب کی پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا "مسلمانو! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تو میں جواب دینے کے لئے اس وقت موجود ہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے سب تمہارا ہے" پھر آپ نے ان کے لئے جو موجود تھے اور ان مسلمانوں کے لئے جو موجود نہ تھے اور ان کے لئے جنہوں نے اسلام کی خاطر جانیں دی تھیں۔ دعا فرمائی۔ نماز مغرب کے لئے آپ تشریف لائے تھے تو نقاہت کا حال یہ تھا کہ قدم اٹھاتے کہیں تھے اور پڑتے کہیں۔ حضرت علی اور فضل بن عباس بازو پکڑ کر لائے اور پھر لے گئے تھے۔ عشاء کی نماز کے لئے آپ نے اٹھنا چاہا تو ضعف نے نہ اٹھنے دیا۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا "نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ مجھ سے اٹھا بھی نہیں جاتا اپنے باپ سے کہو میری جگہ امامت کریں۔" حضرت عائشہ صدیقہ نے جواب میں عرض کیا۔ "میرے باپ بہت نرم دل کے انسان ہیں۔ ان سے ضبط نہ ہو گا اور آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ان کا دل بھر آئے گا۔ ارشاد ہو تو عمر نماز

پڑھا دیں۔" رسول اللہ صلعم نے فرمایا نہیں "ابوبکر سے کہو۔" چنانچہ حضرت ابوبکر نے تین دن نماز پڑھائی۔

مسلمانوں کے ایک فریق کی رائے ہے کہ بی بی عائشہ کا جواب دل سے نہ تھا اس جواب سے ان کو اپنے باپ کی محبت جھلکانی اور رسول اللہ کے ارشاد کو اور مضبوط کرانا تھا۔ مسلمانوں میں آپس کا اختلاف سرورِ کائنات کی علالت کے زمانہ ہی سے شروع ہوا۔

حضرت ابوبکر کی امامت سے بہت زیادہ اہمیت واقعہ قرطاس کو ہے اور وہ یہ ہے کہ جب رسول اکرم (صلعم) کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ نے فرمایا "کاغذ اور قلم لاؤ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ تم میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔" آپ نے یہ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے اس موقع پر کہا کہ اللہ کے رسول کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ان کو اور تکلیف ہوگی۔ ہماری ہدایت کے لئے کلام اللہ کافی ہے۔

مسلمانوں کا جو فریق یہ کہتا ہے کہ امامت کے لئے بی بی عائشہ کا جواب دل سے نہ تھا اور انہوں نے اپنے باپ کی محبت جھلکانے کو کہا تھا کہ "وہ بہت نرم دل ہیں۔" وہ کہتا ہے کہ سرورِ دوعالم حضرت علی کے حق میں وصیت فرماتے۔

سرورِ کائنات اٹھارہ دن بیمار رہے۔ آخری دن جب آپ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی تو سیدۃ النساء حضرت فاطمہ تڑپ اٹھیں اور ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔ "واکرب آباہ (میرے باپ کی

بے چینی) آپ نے فرمایا "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا"۔
بخار اتنا تیز تھا کہ بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ "آپ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اس پہ ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا"۔ پاس ہی لگن رکھا تھا۔ بار بار آپ اس میں آپ ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پہ ملتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہونٹ ہلے اور تین دفعہ یہ فرمایا اَللّٰھُمَّ رَفِیْقُ الْاَعْلٰی۔ ہاتھ لٹک گئے۔ آنکھیں چھت پر تھیں کہ روح پاک پرواز کر گئی۔

یہ پیر کا دن اور سنہ ۱۱ ہجری ربیع الاول کی ۱۲۔ تاریخ تھی مطابق ۸ جون سنہ ۶۳۲ء اور بقول بعض ۲۸۔ اگست سنہ ۶۳۲ء

بی بی عائشہ فخر کے ساتھ فرمایا کرتی تھیں "کہ میرے حجرے میں میری باری کے دن میری گود میں رسول اللہ کی روح نے پرواز کی تھی"۔
ام المؤمنین ۹ سال اللہ کے سچے رسول کے ساتھ رہیں۔

اُم المومنین اور سیدۃ النساء فاطمہ کے تعلقات

سرورِ کائنات کی تین بڑی صاحبزادیاں حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت اُم کلثوم اپنے مقدس باپ کے سامنے ہی رحلت کر گئی تھیں۔ آپ کی وفات کے وقت صرف چھوٹی صاحبزادی بی بی فاطمہ تھیں۔

ام المؤمنین بی بی عائشہ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے جو تعلقات مورخین نے بیان کئے ہیں مصنفین نے اس میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہے۔ بی بی فاطمہ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھیں عمر کی بزرگی

کا تو سوال ہو ہی نہ سکتا تھا۔ جو عظمت ہو سکتی تھی اس بات کی کہ وہ سرورِ عالم کی بیوی اور ان کی سوتیلی ماں تھیں لیکن اپنی ماں کے بعد وہ امہات المومنین میں سے کسی کو قدرتاً پسند نہ کر سکتی تھیں۔ ان کی قدرتی خواہش یہ ہو سکتی تھی کہ ان کے محترم باپ کی ساری محبت سمٹ سمٹا کر ان میں آ جائے۔ ان کی والدہ مکرمہ کی رحلت کے بعد سرورِ دو عالم نے جو نکاح کئے ان کی کیا ضرورت اور ان میں دینی اور سیاسی کیا مصلحت تھی اسلام کو ان نکاحوں سے کیا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ جناب سیدہ یہ ضرور سمجھ سکتی تھیں مگر چونکہ بی بی عائشہ ان سے عمر میں چھوٹی تھیں اس لئے ان کی طرف رسول اللہ کا زیادہ التفات دیکھ کر قدرتاً وہ خوش نہ ہو سکتی تھیں۔ جب ہی تو رسول اللہ کو جناب سیدہ کو یہ ہدایت کرنی پڑی "بیٹی جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی۔"

فاطمۃ الزہرا نے کہا درست ہے فرمایا تو عائشہ سے محبت کیا کرو (صحیح مسلم)

بہرحال یہی بشریت تھی۔ سرشت انسانی تھی۔ فطرت نسوانی تھی۔ مگر ہماری طرح یہ کوئی معمولی بیبیاں تو تھیں نہیں۔ نبی کا گھرانا تھا۔ سلجھے ہوئے مزاج۔ بردبار طبیعتیں۔ تین چار سال گذر گئے اور کوئی رنجش کی بات نہ ہوئی مگر افک کے موقع پر دلی کدورت کا اظہار ہو گیا۔ جب سرورِ کائنات نے منجملہ اور صحابہ کے حضرت عائشہ کے متعلق بی بی فاطمہ کے شوہر حضرت علی سے بھی دریافت کیا اور حضرت علی نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول بیویوں کی آپ پر تنگی نہیں" تو اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ

عائشہ سے علیحدگی کرلیں۔ حضرت علی کے الفاظ سے حضرت عائشہ کے دل پر ملال آنا بھی بشریت تھی لیکن انہوں نے کبھی بی بی فاطمہ اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰ کی کوئی شکایت آپ سے نہیں کی۔ اسی طرح بی بی فاطمہ اور انکے شوہر حضرت علی نے بھی سرورِ عالم کے سامنے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے اُم المومنین کے احترام میں فرق آیا ہو۔ جب اللہ نے اپنے پاک رسول کو اس دنیا سے اٹھا لیا تو شدتِ غم سے بی بی فاطمہ کی حالت ناقابل بیان تھی۔ ہر وقت زار و قطار روتیں۔ پچھاڑیں کھاتیں غش غش آتا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی تھی۔ رسول اللہ کی رحلت پر بی بی فاطمہ نے جو مرثیہ کہا تھا اس کے یہ الفاظ ہیں۔ "ہم تجھ سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین سے بارش۔ اے کاش تیرے خاک میں سونے سے پہلے ہمیں موت آجاتی" آپ کی پھوپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے مرثیہ میں بھی حضرت فاطمہ کی حالت بیان کی گئی ہے۔ "فاطمہ صبح سے شام تک روئے جا اور ذرا بھی نہ اکتا۔ مرنے والا تھا ہی ایسا کہ اس پر رویا جائے۔ ریگستان اس پر رو رہے ہیں۔ مکہ روتا ہے۔ پہاڑ روتے ہیں۔"

بعض عزیزوں کا خیال تھا کہ خلافت حضرت علی کا حق تھا انہیں اس سے محروم کیا گیا۔ اول تو رسول اللہ جو وصیت لکھوانی چاہتے تھے۔ وہ قلمبند نہیں کی گئی۔ پھر اندر اہلِ بیت آپ کی تجہیز تکفین میں لگے ہوئے تھے اور باہر جلدی سے خلیفہ کا انتخاب کر لیا گیا۔ یہ واقعہ بھی سیدۃ النساء کے لئے باعثِ رنج تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ کی خدمات اسلام کچھ کم نہ تھیں،

اور عزیزداری کی وجہ سے بھی وہ خلافت کا حق رکھتے تھے۔ باپ کا صدمہ۔ شوہر کا خلافت سے محروم رہنا۔ یہ دو صدمے کچھ کم نہ تھے کہ قضیہ فدک میں بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ فدک کی زمین بغیر لڑے بھڑے رسول اللہ کو مل گئی تھی۔ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ہی بی بی فاطمۃ الزہرا کی طرف سے فدک کا دعوے میراث کیا۔ حضرت ابوبکر نے یہ دعویٰ خارج کر دیا اور کہا کہ پیغمبر کا ورثہ نہیں ہوتا۔ اگر بی بی فاطمہ کا دعویٰ میراث تسلیم کر لیا جاتا تو اکیلی وہی رسول اکرم کے ترکہ کی حقدار نہ تھیں۔ امہات المومنین میں بھی سب کو حصہ ملتا۔ بہرحال بی بی فاطمہ کو یہ رنج بھی اٹھانا پڑا۔ اور چند ماہ بعد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ خیال کہ بی بی عائشہ ہمیشہ بی بی فاطمہ اور حضرت علی سے رنجیدہ یا کبیدہ خاطر رہیں درست نہیں۔ بی بی عائشہ کے یہ الفاظ تاریخ میں موجود ہیں کہ "میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہ دیکھا۔ ہاں وہی ایسا ہو سکتا ہے جو نبی کی اولاد ہو۔" امام حسن نے آخری وقت امام حسین کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد ام المومنین عائشہ کے پاس جانا اور کہنا کہ اپنے گھر میں دفن کرنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ جب حضرت امام حسین گئے اور یہ درخواست کی تو انہوں نے کہا "ہاں اور میں اسے عزت سمجھتی ہوں۔" حاکم مدینہ مروان نے اس کی اجازت نہیں دی تو یہ دوسری بات ہے۔ بہرحال تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے (استیعاب)۔

جنگ جمل کے بہت بعد ۵۱ھ میں جب امیر معاویہ مدینہ آئے

اور امام حسین سے بیعت کے لئے کہا اور انہوں نے انکار فرما دیا تو شامی سپاہیوں نے تلواریں نکال لیں۔ اسی وقت یہ خبر ام المومنین کو ملی۔ غصّہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسی وقت مسجد نبوی میں تشریف لائیں اور معاویہ کو بلا کر کہا:" دیکھ میرے ہاتھ میں یہ تلوار ہے۔ سنا ہے تو نبی برحق کے نواسہ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا۔ تجھے نہیں معلوم میں ابھی زندہ ہوں اور دم بھر میں تیری احادیث خاک میں ملا دوں گی۔"

جنگ جمل
۳۶ھ مطابق دسمبر ۶۵۶ء

ام المومنین حضرت عائشہ کے والد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق نے ۱۲ جمادی الاوّل ۱۳ھ (مطابق ۲۲ / ۲۳ اگست ۶۳۴ء) کو انتقال سے قبل اُم المومنین حضرت حفصہ کے والد حضرت عمر فاروق بن خطّاب کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ مگر مجوسی غلام ابولولو کے خنجر سے زخمی ہونے کے بعد (محرم ۲۴ھ مطابق نومبر ۶۴۴ء) خلیفہ دوم نے وفات سے قبل چھ آدمیوں کے نام تجویز کر دیئے تھے۔ کہ ان میں سے ایک کو ان کا جانشین یعنی تیسرا خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ ان چھ آدمیوں میں ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر نہ تھے۔ حضرت عمر کی آنکھ بند ہوتے کئی دن بحث مباحثہ اور دوڑ دھوپ میں گذر گئے۔ خلافت کے لئے زیادہ موزوں دو صحابہ سمجھے گئے حضرت علی اور حضرت عثمان اور فیصلہ حضرت عثمان کے حق میں ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ کی طرح حضرت عثمان بھی رسول اللہ صلعم کے داماد تھے بلکہ ان کو یکے بعد دیگرے حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم سرور کائنات

کی دو بیٹیاں بیاہی گئی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ "ذوالنورین" کہلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی طرح انہوں نے بھی اسلام کی خاطر بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ اور اپنی ساری دولت اسلام پر لٹا دی تھی رسول اکرم صلعم نے جب مدینہ ہجرت فرمائی اور دیکھا کہ سوائے بیر رومیہ کے جو یہودیوں کی ملکیت تھا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں اور مسلمان سخت تکلیف اٹھا رہے ہیں تو آپ نے صحابہ سے فرمایا تم میں کون ہے جو بیر رومیہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے۔ اس وقت انہیں عثمان غنی نے اپنے پاس سے اسی ہزار درہم یہودیوں کو دے کر یہ کنواں مسلمانوں کے لئے خریدا اور پانچ ہزار اس کی مرمت پر خرچ کئے۔ مسجد نبوی کا صحن بہت تنگ تھا حضرت عثمان نے مسجد سے ملحق زمین انصار سے خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔ ۹ھ ہجری میں تبوک کی طرف لشکر اسلام کے روانہ ہونے سے قبل حضرت عثمان نے نوسو پچاس اونٹ کجاوں سمیت اور پچاس گھوڑے خرید کر اور ایک ہزار دینار نقد لا کر رسول اکرم صلعم کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ حضرت عثمان کی حیا بھی بہت مشہور ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلعم اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آ گئے اور آپ اسی طرح لیٹے رہے مگر جب حضرت عثمان آئے تو آپ نے پنڈلیاں ڈھک لیں وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا میں ایسے شخص سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے شرم کرتے ہیں۔ حضرت عثمان کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پانچ چھ سال

تک ملک میں ہر طرح امن و امان رہا۔ اور فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مگر اس کے بعد مسلمانوں کو اپنے خلیفہ سے شکایتیں پیدا ہوتی رہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ انہوں نے بڑے بڑے عہدے اپنے نااہل عزیزوں اور رشتہ داروں کو تقسیم کر دیئے تھے۔ جو بنو امیہ میں سے تھے۔ بنو ہاشم نے خصوصیت کے ساتھ اس کو محسوس کیا۔ مروان ان کا چچا زاد بھائی نہایت فتنہ پرداز اور مفسد تھا اور اس کا حضرت عثمان پر پورا اثر تھا۔ جو کچھ وہ چاہتا وہ ہوتا تھا۔ عمرو بن العاص ایک نہایت پرہیزگار دیانتدار منصف شخص تھے۔ جنہیں حضرت عمر نے حاکم مصر مقرر کیا تھا۔ مروان کے کہنے سے حضرت عثمان نے انہیں معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح اپنے رضاعی بھائی کو مصر کا گورنر کر دیا۔ یہ وہ شخص تھا جو مرتد ہو گیا تھا۔ اس نے ایک تقریر میں اصحاب رسول اور بنو ہاشم کے متعلق بہت سخت الفاظ کہے تھے۔ مصری اس تقریر سے بہت ناخوش ہوئے۔ اس کے قابلِ اعتراض طرز عمل کی شکایت اپنے نمائندہ کو بھیج کر خلیفہ وقت سے کی انہوں نے عبداللہ کو لکھا کہ تم انصاف اور شرافت کا سلوک رعایا کے ساتھ کرو مگر اس نے بجائے تعمیل حکم کے اس شخص کو مار ڈالا جو مصریوں کی طرف سے مدینہ گیا تھا مصریوں کو سخت غصہ آیا اور سات سو آدمی مدینہ آئے اور عبداللہ کے مظالم بیان کئے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عثمان سے کہلوایا کہ عامل مصر عبداللہ ابی سرح کی شکایت پہلے بھی تمہارے پاس آئی تھی۔ اس نے ناحق ایک

شخص کو قتل کر دیا۔ اس کا قصاص لینے اور اپنی فریاد تم تک پہنچانے کے لیے اب پھر مصری آئے ہیں۔ عامل مصر اور فریادیوں کے متعلق تم انصاف سے کام لو۔ ادھر ام المومنین کا یہ پیام خلیفہ ثالث کے پاس پہنچا۔ ادھر حضرت علی نے مصریوں کی طرف سے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ عبداللہ کو معزول کیا جائے اور جو شخص مارا گیا ہے اس کا قصاص اس سے لیا جائے۔ مصریوں سے بلا کر حضرت عثمان نے پوچھا تم عبداللہ کی جگہ کس کو عامل مقرر کرنا پسند کرو گے۔ انھوں نے کہا محمد بن ابوبکر کو۔ حضرت عثمان نے محمد ابن ابوبکر کے نام فرمان لکھ دیا۔ مگر مصر جاتے ہوئے حضرت عثمان کا غلام پکڑا گیا اور تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے عبداللہ کے نام ایک خط حضرت عثمان کی طرف سے لکھا ہوا نکلا جس میں یہ تھا کہ محمد ابن ابوبکر کو قتل کر دو اور باغیوں کو سزا دو اور کسی بات کا خوف نہ کرو۔" غلام کو پکڑ کر مدینہ لایا گیا۔ بنو ہذیل بنو زہرہ بنو غفار۔ بنو مخزوم وغیرہ قبیلے پہلے ہی بگڑے بیٹھے تھے۔ خط کا مضمون دیکھ کر بنو تیم بھی محمد ابن ابوبکر کی حمایت میں بگڑ گیا اور سب نے خلیفہ وقت کے مکان کو گھیر لیا۔ ایسے نازک وقت میں حضرت علی چند بلند مرتبہ صحابیوں کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔ غلام کو پیش کیا اور خط آگے ڈال دیا۔ حضرت عثمان نے فرمایا یہ ٹھیک ہے کہ غلام میرا ہے۔ اونٹ بھی میرا اور مہر بھی میری لیکن خدا کی قسم میں نے خط نہیں لکھا نہ اس غلام کو دیا۔"

حضرت علی اور ان کے ساتھیوں نے خلیفہ کی قسم کا اعتبار کر لیا اور سب سمجھ گئے کہ یہ شرارت بھی مروان ہی کی ہے اور اسی نے وہ خط لکھا ہے۔ اسی

اتنا میں انہیں بتایا گیا کہ مروان زنانخانے میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت علی نے خلیفۂ وقت کے ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر کہا "امیر المومنین یہ سب فتنے ابھی ختم ہو جائیں گے آپ مروان کو مسلمانوں کے حوالے کر دیجیے" حضرت عثمان بہت نرم دل تھے انہوں نے انکار کیا حضرت علی اور ان کے ساتھی خاموشی سے اٹھ کر واپس ہوئے۔ بلوائیوں کو معلوم ہوا کہ مروان جو اس فتنہ کی کی جڑ ہے امیر المومنین کے گھر میں چھپا ہوا ہے اور اسے مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے یہ انتظام کیا کہ پانی کا ایک قطرہ امیر المومنین کے گھر میں نہ جا سکے پیاس کی شدت سے امیر المومنین نے مسلمانوں سے کہا میں پیاسا ہوں تھوڑا سا پانی بھیج دو۔ مگر انہوں نے سنی ان سنی کر دی تو انہوں نے کہا میرا یہ پیام علی تک پہنچا دو کہ میرے گھر میں پانی کی ایک بوند نہیں ہے اور میں پیاسا ہوں حضرت علی کو معلوم ہوا تو انہوں نے تین مشکیں پانی کی بھجوائیں جو بہت مشکل سے کئی آدمیوں کے زخمی ہونے کے بعد خلیفۂ ثالث کے گھر کے اندر پہنچ سکیں حضرت علی کو معلوم ہوا کہ بلوائی امیر المومنین کے گھر میں آگ لگانی اور ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے بیٹوں حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلا کر فرمایا کہ مسلح ہو کر فوراً جاؤ اور جو شخص بھی امیر المومنین کے قتل کی نیت سے آگے بڑھے اسے قتل کر دو۔ حسنین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ ان پر تیر بھی آکر لگے مگر وہ امیر المومنین کے دروازہ سے نہ ہٹے۔ اب بلوائی پشت کی طرف سے مکان میں داخل ہوئے۔ امیر المومنین روزے سے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت

کر رہے تھے۔ محمد بن ابو بکر نے ڈاڑھی پکڑ کر کر الفاظ کہے اور کنانہ نے تلوار ماری۔ امیر المومنین کی بیوی نائلہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں۔ اور زخمی ہوئیں۔ اب کنانہ اور دوسرے مسلمانوں کی تلواریں ۸۲ سال کے ضعیف خلیفہ پر پڑ رہی تھیں۔

۱۸۔ ذی الحج سنہ ۳۵ھ (مطابق ۱۷ جون سنہ ۶۵۶ء) کو خلیفہ ثالث کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد حضرت علی خلیفہ چہارم منتخب کئے گئے مگر عراق شام اور چند قبائل نے بیعت نہیں کی۔ حضرات طلحہ اور زبیر نے حضرت علی سے کہا کہ سب سے پہلے قاتلین عثمان سے انتقام لیا جائے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ حضرت علی نے بعض اہلکاروں کو جنہیں حضرت عثمان نے مقرر کیا تھا علیحدہ کر دیا۔ اس سے اور بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ قصاص جلد سے جلد لیا جائے۔ اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں واپسی میں انہوں نے حضرت عثمان کی شہادت کی خبر سنی تو انہیں بہت رنج ہوا اور واپس مکہ چلی آئیں۔ حضرات طلحہ اور زبیر نے حضرت علی سے پھر کہا کہ قصاص کا فیصلہ سب سے پہلے کیجئے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ پہلے ملک میں امن و امان تو قائم ہو جائے اور جن قبیلوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی وہ بیعت کر لیں۔ اگر چھوٹتے ہی قاتلین عثمان کو سزا دی گئی تو وہ شورش برپا ہو گی جو کسی کے دبائے نہ دب سکے گی۔ اور ملک کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ اس جواب پر حضرات طلحہ اور زبیر ناراض ہو کر مکہ آ گئے اور ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت عثمان کا قتل حضرت علی کی وجہ سے

ہوا ہے۔ اور سب سے مقدم قصاص ہے۔ علی اس میں ڈھیل دے رہے ہیں کیونکہ قتل عثمان کی ذمہ داری ان پر ہے۔ ام المومنین کو یہ سن کر کسی حد تک جب انہوں نے اپنا طرفدار بنا لیا تو ام المومنین بی بی عائشہ نے ام المومنین بی بی سلمہ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا "ابھی زیادہ مدت نہیں گذری تم خلافت کے معاملہ میں علی کو عثمان پر ترجیح دیتی تھیں۔ تم عثمان کے انتظام سے خوش نہ تھیں۔ اب ان کی حمایت میں کھڑی ہو کر علی سے لڑو گی؟" بی بی سلمہ کے یہ الفاظ سن کر بی بی عائشہ کا ارادہ بدل گیا۔ مگر انہیں دنوں میں مروان جس کا حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کچھ پتہ نہ تھا۔ ایک جمعیتہ لے کر مکہ پہنچا اور ایسے درد سے حضرت عثمان کی شہادت اور بنو ہاشم کے مظالم بیان کئے کہ ام المومنین بی بی عائشہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے بالآخر قتل عثمان کا قصاص ضروری سمجھا گیا اور ام المومنین کو لے کر بصرہ کی طرف پیش قدمی کی گئی۔ راستہ میں ایک گاؤں کے قریب کتوں نے بھونکنا شروع کیا اس وقت ام المومنین نے اس گاؤں کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا۔ "حواب" یہ سنتے ہی انہوں نے فرمایا "ٹھیر جاؤ مجھے رسول اللہ کی ایک حدیث یاد آگئی کہ میری بیویوں میں سے ایک پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ غلطی پر ہو گی" یہ کہہ کر انہوں نے واپسی کا قصد کیا مگر لشکر والوں نے یقین دلایا کہ یہ حواب نہیں ہے۔ کئی شہادتیں ہوئیں جن میں گاؤں کا کچھ اور نام بتایا گیا اور ام المومنین مجبوراً آگے بڑھیں۔ بصرہ کے قریب پہنچ کر بی بی عائشہ نے اشعث بن معیش کو بلایا۔ اس نے کہا کہ میں نے جب آپ

سے پوچھا کہ عثمان غنی کا وقت قریب ہے اب کس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی تو آپ نے فرمایا تھا "علی سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے"۔ ام المومنین نے فرمایا "ان باتوں کو میں تم سے بہتر سمجھتی ہوں"۔

جس طرح ام المومنین کو حضرت علی کے خلاف اکسایا گیا تھا اسی طرح امیر المومنین حضرت علی کو بھی جنگ کی ترغیب دی گئی کہ حضرت عائشہ کو ساتھ ملا کر طلحہ اور زبیر ایک زبردست لشکر بصرہ میں تیار کر رہے ہیں اور عنقریب ہی مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ حضرت علی لشکر لے کر کوفہ کی طرف سے چلے اور حضرات زبیر و طلحہ اور ام المومنین کو پیام بھیجا کہ مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہہ جائے گا اور کوئی مفید نتیجہ نہ نکلے گا۔ عبداللہ بن زبیر نے حقارت سے اس پیام کو ٹھکرا دیا۔ حضرت علی کو معلوم ہوا تو ان کے فرمانے پر ان کے بڑے بیٹے حضرت حسن نے ایک موثر تقریر کی کہ ہمارا مقابلہ انصار عثمان سے نہیں بلکہ اہل جمل سے ہے۔ جمل اونٹ کو کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں کثرت سے اونٹ تھے۔ اور ام المومنین بی بی عائشہ ایک اونٹ پر سوار خود شریک جنگ تھیں۔ اور ان کا لشکر اہل جمل کہلاتا تھا۔ بصرہ پہنچ کر حضرات طلحہ اور زبیر نے پرجوش تقریریں کیں بصرہ والے تو ان کی طرف ہو گئے اور کچھ حضرت علی کی طرف۔ عثمان ابن حنیف نے جسے حضرت علی نے حاکم بصرہ مقرر کیا تھا اہل جمل پر حملہ کر دیا۔ بی بی عائشہ نے پیام بھیجا کہ میں ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان آپس میں خون بہائیں۔ مگر بعض آدمی خون ریزی پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے عثمان بن حنیف کے لشکر پر حملہ کرتے اسے گرفتار کیا۔ حضرت علی کو یہ خبریں ملیں تو

وہ بھی آگے بڑھے۔ صلح کی گفتگو ہوئی مگر ناکام۔ ایک روز اہل جمل نے سب تیر ان
مارا گیا۔ اور چند گھنٹے بعد انہوں نے بھی یہی کیا۔ اور اس طرح جنگ جمل
شروع ہو گئی۔ حضرت علی نے ام المومنین کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ مفسدوں کے
پھندے میں پھنس گئی ہیں خدا گواہ ہے شہادت عثمان میں میں بے گناہ ہوں لیکن
مگر یہ پیام اُن تک نہ پہنچ سکا۔ لڑائی زور شور سے ہو رہی تھی کہ ام المومنین نے
باواز بلند کہا " میں صرف عثمان کے خون کا بدلہ چاہتی ہوں۔ میرا منشا نہیں
کہ مسلمانوں کا خون بہہ جائے " مگر اب ان کی کون سنتا تھا۔

حضرت علی نے صلح کی ایک اور کوشش کی کہ مسلم بن عبداللہ کے ذریعہ قرآن مجید
بلند کیا گیا کہ خدا کے کلام کا واسطہ معاملہ کو سمجھو اور اپنے بھائیوں کا خون نہ بہاؤ۔
حضرت طلحہ اسے بھی جنگ کا حربہ سمجھے اور مسلم کو تلواریں ماریں ام المومنین نے بھی
اس قسم کی کوشش کی تھی اور کعب نے ان کی طرف سے اعلان کیا تھا کہ خدا کے
مقدس کلام کا واسطہ لڑائی بند کرو۔ مگر مالک ابن اشتر نے اس کی گردن
اڑا دی۔ جمادی الآخر ۳۶ھ ہجری کی پندرہ تاریخ کو وادی سبا میں صبح سے
سہ پہر تک گھمسان کا رن پڑا۔ حضرات طلحہ اور زبیر کے ساتھ تیس ہزار آدمی
تھے۔ اور خلیفہ چہارم کے ساتھ بیس ہزار۔ دونوں طرف سے تیرہ ہزار آدمی
مارے گئے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہا۔ حضرات طلحہ اور
زبیر کی شہادت سے شامی فوج تتر بتر ہو گئی اور لڑائی کا فیصلہ حضرت علی
کے حق میں ہوا۔ حضرت علی کی فوج نے اس قدر تیر ام المومنین کے ہودہ پر پھینکے کہ
چھیر جھبیر ہو گیا۔ ایک گستاخ نے اونٹ کے پاؤں پر تلواریں مار مار کر کاٹ

ڈالے اور ام المومنین ہودہ سمیت نیچے گر پڑیں۔ ان کے بھائی محمد بن ابوبکر اپنی بہن کے پاس آئے اور پوچھا چوٹ تو نہیں لگی اور انہوں نے فرمایا نہیں۔ خود حضرت علی تشریف لائے اور ایک دوسرے اونٹ پر ام المومنین کو تعظیم و تکریم سے سوار کر ان کے بھائی کے ساتھ بصرہ روانہ کر دیا جہاں چند روز قیام کے بعد وہ مدینہ واپس ہوئیں۔

عادات و خصائل

بی بی عائشہ شادی کے وقت کم عمر تھیں مگر ان کی ذہانت فراست شیریں بیانی خوش اخلاقی اور دیگر خصائل حمیدہ کا رسول اللہ کے قلب مبارک پر خاص اثر ہوا۔ وہ نہایت فصیح اور شستہ زبان میں گفتگو فرماتی تھیں اور معقول دلائل کے ساتھ۔ ان کی سمجھداری اور سلیقہ مندی ہی کی وجہ سے سرور کائنات بی بی عائشہ سے خانہ داری کے معاملات میں نہ صرف صلاح لیتے بلکہ ان کے مشورہ پر عمل بھی فرماتے۔

ان کی شجاعت اور جرأت نہ صرف جنگ جمل میں بلکہ جنگ احد کے موقع پر ان کی موجودگی سے بھی ثابت ہے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہ پائینچے چڑھائے مشک بھر بھر کر لاتی اور پیٹھ پر مشکیں لئے زخمیوں اور پیاسوں کو پانی پلاتی پھرتی تھیں۔ اس لڑائی میں نشان کا پرچم آپ کی اوڑھنی بنایا گیا تھا۔

غیرت اور حمیت اس درجہ کی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ام المومنین کے بھائی محمد بن ابوبکر کو ان کے پاس بھیجا کہ بہن کو جاکر سمجھائیں۔ انہوں نے

کجاوے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ باآواز بلند ام المومنین نے فرمایا "یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا۔ آج تک سوائے خدا کے رسول کے کسی کا ہاتھ میری طرف نہیں بڑھا۔ ہاتھ فوراً ہٹا ورنہ تلوار سے اڑا دوں گی۔"

نہایت عبادت گزار تھیں۔ چاشت کی نماز بھی پابندی سے پڑھتی تھیں۔ اور تہجد کی نماز بھی۔ حج بھی ہر سال کیا کرتی تھیں۔

ابو لولو مجوسی کے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے زخمی ہونے کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "جب تم میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو ام المومنین بی بی عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو آپ کے شوہر محترم رسول اللہ کے قدموں اور آپ کے والد بزرگوار ابوبکر صدیق کے پہلو میں عمر کو دفن کر دیا جائے۔ درخواست نہایت منت کے ساتھ ام المومنین سے کرنا اگر وہ اجازت نہ دیں تو عام قبرستان میں دفن کر دینا۔"

رسول اللہ صلعم بی بی عائشہ کے حجرے میں مدفون ہوئے اور آپ کے پہلو ہی میں حضرت ابوبکر۔ اب وہاں صرف ایک قبر کی جگہ تھی جو ام المومنین نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ بعد الموت شوہر اور باپ کے پاس جگہ مل جانے سے بڑی تمنا ایک عورت کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر جب ابن عمر نے اپنے مرحوم باپ کا پیام ام المومنین کو سنایا۔ تو فرمایا۔ عبداللہ! یہ جگہ میں نے اپنے لئے متعین کر رکھی تھی۔ مگر تمہارے والد نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی

جو خدمت کی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ میں اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔ جاؤ امیر المومنین کا جنازہ لے آؤ اور دفن کر دو میں خوش ہوں کہ وہ رسول اور اپنے رفیق کے پاس دفن ہوں۔

ایثار کی ایسی مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔

ایثار کے ساتھ خیرات اور نفس کشی کا یہ حال تھا کہ ستر ستر ہزار درم جب صدقہ کئے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے ایک دفعہ ایک لاکھ درم بھیجے اور آپ نے سب کے سب راہ خدا میں دے دیئے۔ اس روز روزے سے تھیں۔ سوکھی روٹی کے سوا کچھ نہ کھایا۔ زیور کا تو کیا ذکر دوسری امہات المومنین کی طرح ان کے پاس بھی کپڑوں کا ایک ہی جوڑا رہتا تھا۔

انہوں نے ۶۷ غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔ یہ بھی ان کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔

ان کی کشادہ دلی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا کہ انہوں نے اپنی سوکنوں کی بارہا تعریف کی ہے۔ فرماتی ہیں۔ "میں نے صفیہ جیسی کوئی عورت عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھی" (نسائی)

"جویریہ میں ایک شیرینی اور دلکشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کی جگہ ہو جاتی تھی۔"

"میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار نہیں دیکھی۔ وہ اللہ کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی نہایت سچی عزیزوں سے بڑھ کر سلوک کرنے والی

اور بہت صدقہ دینے والی تھیں "

" زینب اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتی اور راہ خدا میں صدقہ دیتی تھیں "

ابن اسعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ (اے رسول کی بیویوں اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو) پڑھتی تھیں تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔

فضیلت اور علمیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ حافظ قرآن تھیں اور قرأت کے ساتھ پڑھتی تھیں تفسیر و حدیث میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا۔ وہ لکھنا نہیں جانتی تھیں مگر پڑھ سکتی تھیں۔ فقہ میں ان کا درجہ بہت بلند ہے وہ رسول اکرم کے ساتھ صرف نو سال رہیں۔ مگر اس قلیل مدت میں انہوں نے اتنا حاصل کر لیا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے پانی کی طرح حل کر دیتی تھیں۔ خلفاء اور صحابہ الجھے ہوئے مسائل لاتے اور وہ بآسانی سلجھا دیتی تھیں۔ میراث کے مسائل خلیفہ دوم نے ایک دو دفعہ نہیں بارہا ان سے معلوم کئے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں ام المومنین سے منقول ہیں۔ ان میں ۱۷۴ ایسی ہیں جن پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔

زنانہ معاشرت کے بہت سے مسائل بی بی عائشہ ہی نے حل کیے۔ مشہور تابعی عطا ابن ابی رباح کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل پیش

نہیں آئی کہ ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں"

امام زہری کا قول ہے کہ "عائشہ سب لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے۔" وہ یہ بھی کہتے ہیں "کہ تمام مردوں اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو عائشہ کا علم پھر بھی وسیع ہوگا"

سرور کائنات کی رحلت کے بعد ایک دفعہ اس موضوع پر سخت اختلاف ہوا کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں۔ اور یہ اختلاف یوں ہوا کہ جنگ بدر میں بہت سے کافر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ ان کی لاشیں ایک کنوئیں میں ڈال دی گئی تھیں۔ جنگ سے واپسی پر رسول اکرم اسی کنوئیں پر تشریف لائے اور مقتولین مشرکین کے نام لے کر بآواز بلند فرمایا "جس چیز کا تم سے تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اس کو ٹھیک پایا" اصحاب نے عرض کیا یہ ناپاک مردے کیا سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم سے زیادہ۔ دو مختلف گروہ تھے۔ ایک گروہ کے سردار عبداللہ بن عمر تھے۔ وہ رسول اکرم کا یہ ارشاد دھراتے تھے کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ دوسرے کے سردار ایک جلیل القدر صحابی ابو قتادہ تھے وہ کہتے تھے مُردے نہیں سنتے صرف رسول اللہ کی بات سُن سکتے تھے۔ بی بی عائشہ کو اس اختلاف کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔ خدا عبداللہ بن عمر پر رحم فرمائے۔ اس نے قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھی۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (بے شک تم مردوں کو اپنی

نہیں سُنا سکتے ہو کیا ان کی نظر سے یہ الفاظ نہیں گذرے۔ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (جو لوگ قبروں میں ہیں تم ان کو نہیں سنا سکتے) ابن عمر نے جو حدیث روایت کی اس واقعہ سے رسول اللہ کا مقصد اس طرح خطاب کرنے سے دوسروں کو عبرت دلانا تھا۔ بی بی عائشہ کے اس فیصلے کے آگے بڑے بڑے صحابیوں کو گردن جھکانی پڑی۔

سرور دو عالم کی حیات میں بی بی عائشہ کی دین داری کا یہ حال تھا کہ آپ فرماتے تھے تم میں دو حصے دین کی مالک حمیرا ہے۔ (حمیرا بی بی عائشہ کا لقب تھا)۔

عروہ ایک زبردست عالم تھے کہتے ہیں "میں نے قرآن مجید کے معنی حرام حلال کے احکام عرب کے اشعار سمجھنے والا اور علم الانساب کا ماہر طب اور تاریخ عرب سے واقف حضرت عائشہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔" محدثین کی رائے ہے کہ اگر رسول اللہ کے بعد ام المومنین بی بی عائشہ اتنے روز زندہ نہ رہتیں تو حدیث کا تقریباً نصف حصہ ضائع ہو جاتا۔

حضرت موسیٰ اشعری سے صحیح بخاری میں روایت ہے۔ حضور نے فرمایا مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجہ کو پہنچے مگر عورتوں میں حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) تکمیل کو پہنچیں اور عائشہ کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر۔

رعب و دبدبہ کی یہ کیفیت تھی کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور عالم ان کے سامنے آتے ہچکچاتے تھے۔ حضرت عمر تک کا یہ حال تھا کہ آپ

کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دبے پاؤں گردن نیچی کئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے بارہا صحابیات کو نماز بھی پڑھائی ہے یعنی امامت کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔

عبداللہ ابن عمر نے ایک دفعہ یہ فتویٰ دیا کہ عورتیں سر کھول کر نہائیں۔ آپ نے فرمایا عبداللہ یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں۔

صحابہ تمام امہات المومنین کی عزت و ادب کرتے تھے مگر حضرت عائشہ کا بلند مرتبہ اس وجہ سے تھا کہ علم و فضل میں ان کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔

ان کے بیانات میں ادبیت شاعرانہ خیالات تشبیہیں استعارے بھی بڑے دلآویز ہیں۔ آغاز وحی کے سلسلہ میں کہتی ہیں۔ "رسول اللہ جو خواب دیکھتے تھے سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہوتا تھا"۔ وحی کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ "پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے"

واقعہ افک کے موقعہ پر رات کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس کے متعلق کہتی ہیں۔ "میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا"۔

انہوں نے زہد و اتقا کے اشعار بھی کہتے ہیں۔ سرور کائنات کی شان میں ان کے چند اشعار ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے۔

"اہالیان مصر اگر آپ کے رخسار مبارک کی تعریف سن لیتے تو خریداری یوسف پر کچھ خرچ نہ کرتے"۔

"وہ عورتیں جنہوں نے زلیخا پر طعن کیا رسول اللہ کا جمال جہاں آرا دیکھ لیتیں تو وہ انگلیاں کاٹنے کی بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

سخن فہمی میں ان کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ عرب کے مایۂ ناز شاعر حضرت حسان بن ثابت اپنے اشعار سنانے کے لئے اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

ایک تقریر

حضرت عائشہ صدیقہ نہایت خوش بیان مقررہ تھیں فن خطابت میں جو انہیں کمال تھا اس کا اعتراف ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کے ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ "میں نے عائشہ سے زیادہ فصیح اللسان کوئی نہیں دیکھا" جنگ جمل میں انہوں نے کئی تقریریں کی تھیں۔ عقد الفرید باب الخطیب و ذکر واقعہ جمیل کے حوالہ سے ایک تقریر کے کچھ حصہ کا ترجمہ مولانا سعید انصاری نے سیر الصحابیات میں دیا ہے جو یہ ہے:

"لوگو! خاموش۔ تم پر میرا مادری حق ہے۔ اور مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے۔ سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے۔ مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی۔ میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں۔ خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی۔ اور میرے ہی سبب سے تم پر تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی۔ اور اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ڈھیلی ہونے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے

تھام لئے۔ جس نے نفاق کی باگ روک دی جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدر اور فتنہ کے منتظر تھے۔ اور شور و غوغا بر گوش بر آواز۔ اس نے شگاف کو برابر کیا۔ بے کار کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھالا۔ دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا۔ جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا۔ اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اُسے اٹھا لیا۔ ۔ ۔ ۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی۔ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے۔ جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے"

لقب اور کنیت ام المومنین کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اپنی بڑی بہن اسماء کے لڑکے عبداللہ کو بیٹا بنا لیا تھا۔ اور اپنی کنیت "ام عبداللہ" رکھ لی تھی۔ لقب صدیقہ ہے اور نام کا جز ہو گیا ہے۔ بال سرخ تھے۔ اس لئے رسول اللہ حمیرا بھی کہہ کر پکارتے تھے۔

حدیثیں عورتوں میں سب سے زیادہ حدیثیں ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی گئی ہیں۔ ان کی تعداد یوں تو دو ہزار سے اوپر بتائی جاتی ہے مگر ۱۷۴ حدیثیں ایسی ہیں جن پر شیخین کا اتفاق ہے

ان میں کئی درجن حدیثیں عورتوں کے خصوص مسائل مخفی معاملات ایام۔ غسل وغیرہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اگر بی بی عائشہ نہ ہوتیں تو عورتوں کے بہت سے مسائل صاف نہ ہوتے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ باتیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ہم ان ۲۲۱۰ حدیثوں میں سے جو محدثین نے تسلیم کی ہیں صرف چند کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ ان حدیثوں کے بعد جو حوالے ہیں صحیح بخاری کے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں :۔

(۱) "رسول اکرم (صلعم) سے آپ کی بیویوں نے جہاد کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا " تم لوگوں کا جہاد تو حج ہے"

(۲) "میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ! کیا عورتوں سے ان کی شادی کی نسبت پوچھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے کہا۔ کنواری سے جب پوچھا جائے گا۔ تو وہ حیا سے چپ رہے گی۔ فرمایا اس کا چپ رہنا ہی اس کی اجازت ہے"

(۳) "جب رسول خدا اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو ان کا اور جس (مرد) کا پیام ہوتا (اس کا) نام لے کر دریافت فرماتے اگر (آپ کی) بیٹی خاموش ہو جاتی تو نکاح کر دیتے۔ اور اگر چٹکی بجاتی (یعنی رضامند نہ ہوتی) تو نہ کرتے۔

(۴) میرے اور حضور رسول خدا کے واسطے مرکن (ملنبے) کا برتن رکھا جاتا تھا اور ہم دونوں ساتھ اس سے پانی پی لیتے تھے (پ)

(۵) "میں نے نبی صلعم سے سنا فرماتے تھے کہ حریرہ مریض کے دل کو فرحت دیتا اور غم دور کرتا ہے۔" (پارہ ۲۳)

(۶) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہوں تو میں ان میں سے تحفہ تحائف کس کو بھیجا کروں۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تم سے قریب ہے۔" (پارہ ۸)

(۷) "عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ ایک دن میلی کچیلی ہمارے ہاں آئیں۔ میں نے ان سے پوچھا۔ یہ کیا حالت ہے؟ انہوں نے کہا میرے شوہر رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں (تو زینت کس کے لئے کروں) پھر حضور اقدس تشریف لے آئے۔ میں نے آپ سے ان کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپ عثمان بن مظعون سے ملے اور فرمایا" اے عثمان ہمارے ہاں رہبانیت نہیں ہے۔ تم میرا اقتدا کیوں نہیں کرتے۔ واللہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنیوالا اس کے باوجود بیویوں سے بے تعلق نہیں ہوں۔

(۸) "عتبہ کی بیٹی ہند آئی اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ ابو سفیان (میرا شوہر) ممسک آدمی ہے تو اس کے مال سے اولاد پر خرچ کردوں تو مجھ پر کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر حسب رواج خرچ ہونا چاہیئے۔" (یعنی اسراف نہ ہو ضروری خرچ ہو)" پ ۲۲

(۹) نبی کریم نے فرمایا" جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے خیرات دے یا کھانا کھلائے اور اس کی نیت گھر بگاڑنے کی نہ ہو تو اس کو اور اس کے شوہر کو ثواب ملے گا۔" پ ۶

(۱۰) "ایک شخص نے نبی (صلعم) سے عرض کیا میری ماں دفعتہً مر گئیں اور میں خیال کرتا ہوں وہ اگر بول سکتیں تو خیرات کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کی طرف سے صدقہ دو۔" (۳۰ ج دوم)

(۱۱) "رسول خدا کو جب کبھی دو باتوں کے درمیان اختیار دیا گیا۔ آپ نے اس بات کو اختیار کیا جو آسان تھی بشرطیکہ گناہ نہ ہو۔ اگر وہ بات گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔ اور رسول خدا نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا لیکن اگر خدا کی حرمت کے خلاف کام کیا جاتا تو آپ اللہ کے لئے انتقام لیتے تھے (۷۶۵ ج دوم)

(۱۲) "جب آیتیں سورہ بقر کے آخر میں نازل ہوئیں تو حضور نبی صلعم نے مسجد میں آکر لوگوں کو یہ آیتیں سمجھائیں اور شراب کی تجارت کو حرام کر دیا۔ (۴۴ و ۱۴۷ ج دوم)

(۱۳) نبی صلعم نے فرمایا "جو پینے کی چیز نشہ کرے حرام ہے۔" پارہ ۱

(۱۴) "رسول اللہ صلعم نے فرمایا مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں اس سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔"

(۱۵) "رسول اللہ صلعم کو جوتی پہنتے کنگھی کرنے اور طہارت کرنے میں (غرض) تمام کاموں میں داہنی جانب سے ابتدا کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

(۱۶) رسول خدا سے سوال کیا گیا اللہ کو کون سا عمل پسند ہے۔ فرمایا دوامی عمل اگرچہ قلیل (ہی کیوں نہ) ہو اور فرمایا۔ جس قدر تم آسانی کر سکو اتنے کا التزام کیا کرو۔ پارہ ۲۴

(۱۷) "رسول خدا نے فرمایا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے" (پ ۲۷)

(۱۸) "جب خیبر فتح ہوا ہم نے کہا اب ہم کھجوریں پیٹ بھر کر کھائیں گے" (۱۳۷ ج دوم) اس سلسلہ میں ابن عمر کہتے ہیں ہم نے فتح خیبر سے پہلے پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔

(۱۹) قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلعم کو حق کے ساتھ بھیجا حضور نے چھلنی کبھی نہیں دیکھی نہ آپ نے چھنے ہو آٹے کی روٹی کھائی۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا یہاں تک کہ وفات پائی"۔

(۲۰) "رسول اللہ صلعم مرض الموت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ خیبر میں جو مجھے زہر دیا گیا تھا اس کا درد اپنے پیٹ میں محسوس کرتا ہوں۔ یہ ایسا وقت ہے کہ زہر کی وجہ سے دل کی رگیں کٹتی معلوم ہوتی ہیں" (۱۰۵۳ ج دوم)

رحلت اور تدفین

رحلت سے کچھ دیر پہلے اُم المومنین سے دریافت کیا گیا کہ کہاں دفن کیا جائے رسول اللہ کے پاس کہیں اور۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ابن زبیر سے فرمایا "میں اس قابل نہیں کہ وہاں جگہ پاؤں۔ میری ساتھنوں (ازواج نبی) کے پاس عام مسلمانوں کے قبرستان بقیع میں دفن کر دینا"۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ ابن عباس نے حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ اس وقت ام المومنین کا وقت آخر تھا۔ فرمایا: "مجھے خوف ہے وہ میری تعریف کریں گے"۔ اوروں نے کہا اجازت دے دیجئے رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور

بڑے مومن ہیں۔" حضرت عائشہ نے فرمایا "اچھا بلالو" وہ آگئے اور حال دریافت کیا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا "اگر میں متقی پرہیزگار ہوں تو اچھی ہوں"۔ ابن عباس نے کہا "آپ تو اچھی ہی ہیں۔ آپ رسول اللہ کی زوجۂ مطہرہ ہیں۔ رسول اللہ نے سوائے آپ کے کسی باکرہ سے نکاح نہیں کیا۔ آپ کے بارے میں اللہ نے برئیت کی آیتیں اُتاریں"۔

فرماتی تھیں "کاش میں درخت ہوتی۔ لوگ مجھے کاٹ ڈالتے۔ مٹی ہوتی روندتے۔ پیدا ہی نہ ہوتی حساب کتاب سے محفوظ رہتی"۔

ایک شخص نے عرض کیا "انسان اپنے آپ کو نیک کب سمجھے"۔ فرمایا "جب اپنے تئیں بُرا سمجھنے لگے"۔

بدھ کے دن ۱۷ رمضان ۵۸ھ ہجری میں رحلت فرمائی۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ نے پڑھائی اور قبرستان بقیع میں مدفون ہوئیں۔

ام المومنین بی بی اُم سلمہ نے فرمایا "خدا رحمت کرے اس عورت پر جو ابوبکر کے بعد رسول اللہ کو سب سے عزیز تھی"۔

(۴)

امُ المومنین حضرت حفصہؓ

خاندان حضرت عمر بن خطّاب کی بیٹی حضرت حفصہ بھی قریشیہ ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب لوئی کے بیٹے عدی تک پہنچ رہا ہے اور لوی کی نویں پشت میں رسول اکرم تھے۔ گویا قبیلہ اور خاندان بی بی حفصہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہے۔

ان کی والدہ زینب بنت مظعون تھیں۔ جو مشہور صحابی عثمان بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں۔

حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم فاروقِ اعظم حضرت عمر کی خدمات اسلام حضرت ابو بکر صدیق کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔

حضرت عمر ایمان لانے سے پہلے جس شدت سے اسلام کے دشمن تھے قبول اسلام کے بعد اتنے ہی خلوص سے انہوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر میں مقابلہ اپنی اپنی ذات کے لئے کبھی نہیں رہا۔ ہاں عشقِ رسول میں دونوں نے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اکرم نے اصحاب سے فرمایا کہ شخص جو کچھ لا سکتا ہے۔ اسلام کیلئے لائے حضرت عمرؓ

نے نصف مال بال بچوں کے لئے چھوڑ کر اپنے کُل اثاثہ کا آدھا حصّہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آج میں ابوبکر سے ضرور بازی لے جاؤں گا۔ مگر حضرت ابوبکر بیوی بچّوں کو اللہ پر چھوڑ آئے۔ اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب کچھ لاکر رسول اکرم کے قدموں میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر اقبال نے اس واقعہ کو نظم کر کے اس شعر پر ختم کیا ہے۔

پروانہ کو شمع ہے، عنادل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے، خدا کا رسول بس

پیغمبر اسلام نے حضرت ابوبکر کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

"میں سب کی خدمات کا صلہ دے چکا ہوں۔ مگر ابوبکر کی خدمات کا صلہ اللہ ہی دے گا۔"

عشق رسول میں حضرت ابوبکر نے اپنے کو بالکل مٹا دیا تھا۔ خود حضرت عمر فرماتے تھے کہ "ابوبکر کی اس رات کے بدلے جو انہوں نے رسول اللہ کے ساتھ غارِ ثور میں بسر کی میں اپنے تمام اعمال دینے کو تیار ہوں۔"
حضرت عمر کی دلیری۔ جرأت۔ رُعب دبدبہ۔ قریش پر ان کی نوجوانی ہی میں چھا چکا تھا۔ اور رسول اللہ اُس وقت جب اہل قریش آپ کی راہ میں آئے دن روڑے اٹکاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ "الٰہی! عمر اور ابوجہل ان دونوں میں سے ایک کو مسلمان کر دے" اور جب حضرت عمر اسلام لے آئے تو سنگدلوں کو آن

سے بڑی زبردست تقویت پہنچی۔ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ کے خسر تھے۔ اور قریبی رشتہ داری کی یہ عزت حضرت عمر کو ابھی تک حاصل نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ کو رسول اکرم کی دامادی کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

پہلا نکاح حضرت عمر کی بیٹی حضرت حفصہؓ کا پہلا نکاح خُنیس بن حذافہ السہمی کے ساتھ ہوا تھا اور دونوں میاں بیوی سلوک و محبت سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ اور یہ دونوں بھی مدینہ آ گئے (تاریخ کی بعض کتابوں میں ان کی ہجرت حبش کا بھی ذکر ہے) مدینہ آنے کے بعد جب اہل مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کی تو جنگ بدر میں خنیس بھی شریک ہوئے۔ بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ انہوں نے جنگ اُحد میں بھی شرکت کی تھی۔ اور اس کے چند ماہ بعد ان کا انتقال ہوا۔

عُمر اُس وقت بی بی حفصہ کی عمر ۲۱ - ۲۲ سال کے قریب بتائی جاتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی اور الفاروق میں حضرت حفصہ کی عمر ۳ھ میں یعنی رسول اللہ کے نکاح کے وقت ۳۵ سال تحریر فرمائی ہے۔ حضرت عمر بعثت کے وقت ۲۷ سال اور قبول اسلام کے وقت ۳۳ سال۔ لہذا ہجرت کے وقت ۴۰ سال اور ۳ھ میں ۴۳ سال کے تھے گویا اپنی بیٹی سے صرف ۸ سال بڑے تھے لیکن باپ بیٹی کی عمر میں اس قدر کم فرق ناممکن ہے

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نکاح خُنیس کے ساتھ بعثت سے قبل ہوا تھا۔ اگر فرض کیا جائے کہ چند روز قبل ہی ہوا تو ۳ھ میں ان کے پہلے نکاح کو ۱۶ سال ہو گئے تھے۔ اور پہلے نکاح کے وقت ان کی عمر ۴ سال تھی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنے باپ حضرت عمر سے صرف ۱۳ سال چھوٹی تھیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ کو نبوت عطا ہوئی تو حضرت عمر ۲۷ سال کے تھے ۱۳ سال کی لڑکی تو ماں بن سکتی ہے مگر ۱۲ سال کا لڑکا ابھی بچہ ہی ہوتا ہے۔ باپ نہیں بن سکتا۔ انھیں مورخ نے اسی کتاب کے حصہ اول جلد دوم میں تحریر فرمایا ہے کہ "بعثت سے ۵ سال قبل پیدا ہوئی تھیں اور ۳ھ میں ۲۱ سال تھیں گویا حضرت عمر سے ۲۲ سال چھوٹی۔ یہ تحقیق قرین قیاس ہے اور اس حساب سے حضرت حفصہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کی ہم عمر تھیں۔

دوسرا نکاح رسول اللہ سے ۳ھ

خنیس بن حذافہ کے انتقال کے بعد جب بی بی حفصہ کی عدت کا زمانہ ختم ہو گیا تو حضرت عمر کو اُن کے نکاح ثانی کا فکر ہوا۔ حضرت ابو بکر رسول اکرم کے خسر تھے۔ اگر حضرت عمر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اُن کی بیٹی کو بھی ام المومنین بننے کا فخر حاصل ہو تو یہ عین فطرت انسانی ہے مگر ادب کی وجہ سے سرورِ کائنات کی خدمت میں عرض نہ کر سکے۔ نکاح بیوگان خدا کا حکم تھا اور مسلمان باندوں کا نکاح مقدم اور ضروری سمجھ رہے تھے۔ پہلے حضرت عمر بی بی حفصہ کے نکاح کی نسبت لے کر حضرت

عثمان رضؓ کے پاس گئے۔ جن کی بیوی حضرت رقیہؓ جو رسول اکرم کی منجھلی صاحبزادی تھیں انتقال فرما چکی تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی تو میرا ارادہ شادی بیاہ کا ہے نہیں۔ کئی دن بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "اگر تمہاری مرضی ہو تو میں حفصہ کا نکاح تم سے کردوں" حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے۔

مصنفین یورپ لکھ رہے ہیں کہ "چونکہ حفصہ اپنے باپ کی طرح طبیعت کی سخت اور مزاج کی بہت گرم تھیں۔ اس لئے ابوبکر اور عثمان نے انکار کر دیا تھا۔ اور چونکہ دونوں کے انکار سے عمر کی توہین ہوئی تھی اس لئے وہ غصہ میں بھرے ان دونوں کی شکایت لے کر محمدؐ کے پاس گئے۔ اور چونکہ حفصہ حسین تھیں اس لئے آپ نے نکاح کر لیا۔ اور عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔" اول تو تاریخ کے صفحات میں ہیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ بی بی حفصہ طبیعت کی ایسی سخت اور مزاج کی اتنی گرم تھیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان نے ان کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھر لیا۔ اور اگر فرض کر بھی لیا جائے جیسا کہ بعض مسلم مورخین نے عیسائی مصنفوں کی ہمنوائی بغیر کسی واقعہ کا حوالہ دیئے ان الفاظ میں کی ہے کہ "مزاج میں آخر تھیں تو حضرت عمر ہی کی بیٹی" اور ان کی بد مزاجی ثابت کرنے کے لئے دو ایک واقعات بھی گھڑ لئے جائیں جیسے کہ امہات المومنین کے حالات میں یورپین مورخین نے تصنیف کئے ہیں تو اس سے تو رسول اللہ کی کامل انسانیت کی اور

تصدیق ہوتی ہے کہ مدینہ کی جس عورت کی سخت مزاجی کوئی گوارا نہ کر سکتا تھا۔ اللہ کے رسول میں ضبط و برداشت اور درگذر کی قوت بھی اتنی زبردست تھی اور اس قدر ٹھنڈے مزاج کے تھے کہ آپ نے ان سے نکاح کرنا منظور فرمالیا۔

ہوا یہ کہ جب حضرت عثمان نے آمادگی ظاہر نہ کی اور حضرت ابوبکر بھی خاموش ہو گئے تو حضرت عمر اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ بیوا لڑکیوں کے نکاح ہو رہے ہیں مگر عمر حفصہ کے عقد ثانی کے فکر سے ابھی تک سبکدوش نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر کا بھی ذکر کیا کہ وہ خود بیٹی کے نکاح کی خواہش لے کر ان دونوں کے پاس گئے۔ اور ناکام واپس آئے۔ بے شک سرور عالم نے ہمیشہ یہ کوشش فرمائی کہ صحابہ کے تعلقات آپس میں خراب ہونے کی نوبت نہ آئے مگر نہ اس خیال سے کہ حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو نہ اس کشش کے باعث کہ بی بی حفصہ بہت حسین تھیں بلکہ اس لئے کہ ان کے حقوقِ ہجرت اور اس واسطے کہ ان کے پہلے شوہر کی خدماتِ بدر اور اس وجہ سے کہ ان کے باپ کی خدماتِ اسلام بہت وقیع۔ بہت قیمتی اور بہت وزنی تھیں آپ نے شعبان ۳ھ ہجری (مطابق نومبر ۶۲۴ء عیسوی) میں بی بی حفصہ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

حضرت عمر نے جب اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تھا "حفصہ کی شادی اُس شخص سے ہو گی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کا نکاح

اس سے ہوگا جو حفصہ سے بہتر ہے"۔ چنانچہ بی بی حفصہ کا نکاح آپ سے ہوا۔ اور آپ کی سنجھلی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا دوسرا نکاح حضرت عثمان سے۔

اس طرح حضرت ابوبکر کی طرح حضرت عمر کو بھی رسول خدا کا خسر بننے کا فخر حاصل ہوگیا۔

بی بی حفصہ کے اس نکاح کے چندروز بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا "تم اس دن کی بات کا میری طرف سے رنج نہ کرنا رسول اللہ مجھ سے حضرت حفصہ کا ذکر فرما چکے تھے۔ اور میں آپ کا یہ راز ظاہر نہ کرسکتا تھا۔ اگر آپ کا خیال مجھے معلوم نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری خواہش پوری کردیتا"۔ یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اصحاب کی پریشانیوں کا پہلے ہی سے کس درجہ خیال رہتا تھا۔

شہد اور افشائے راز کے واقعات ۹ھ

رسول اکرم لڑکپن سے شہد بہت شوق سے کھایا کرتے تھے۔ ایک دن جب ام المومنین بی بی زینب کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا۔ ان کے حجرے میں آپ وقتِ مقررہ سے کچھ زیادہ ٹھہرے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے اسے محسوس کیا۔ بخاری اور مسلم میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب آپ بی بی زینب کے حجرے سے تشریف لائے تو ان دونوں نے جیسا کہ آپس میں پہلے طے کرچکی تھیں کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (شہد کی مکھیاں مغافیر کے پھولوں

سے شہد چوستی ہیں) دوسری روایت[1] اس طرح ہے کہ ایک دن رسول اللہ حفصہ بنت عمر کے پاس گئے اور معمول سے زیادہ ٹھیرے حضرت عائشہ کہتی ہیں۔ مجھے غیرت آئی اور میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کسی نے مجھ سے کہا کہ حفصہ کو کسی عورت نے تھوڑا سا شہد بھیجا تھا۔ اس کا شربت حفصہ نے آپ کو پلایا ہے۔ اس وجہ سے دیر ہو گئی۔ میں نے سودہ بنت زمعہ سے کہا جب آنحضرت تمہارے پاس آئیں تو کہنا کہ دہن مبارک سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ میں بھی یہی کہوں گی۔ اور اے صفیہ تم بھی یہی کہنا چنانچہ جب آپ سودہ کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے یہی کہا۔ رسول اللہ نے جواب دیا "مجھے حفصہ نے شہد کا شربت پلایا ہے۔" پھر آپ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے بھی یہی کہا۔ اور جب صفیہ کے ہاں گئے تو انہوں نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔ اس وقت اور پہلی روایت کے مطابق جب حضرت عائشہ اور پھر حضرت حفصہ نے کہا تو ان کی خوشی کی خاطر اس وقت آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ آپ شہد نہ کھائیں گے۔

گناہ ان چیزوں کا استعمال ہے جن کی خدا نے ممانعت فرمادی ہے۔ لیکن جن چیزوں کی اجازت ہے اگر وہ استعمال نہ کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر ان چیزوں کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا جائے تو گناہ کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر آپ نے شہد چھوڑ دینے کی قسم کھائی تھی۔ لیکن خدا کی طرف سے آپ کو اس کی

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲۲

اجازت نہیں دی گئی اور سورۂ تحریم نازل ہوئی۔ (ترجمہ)

اے نبی اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آیت پہلی)

تحقیق اللہ نے تمہارے واسطے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا دوست ہے۔ اور جاننے والا حکمت والا ہے۔ (دوسری آیت)

پہلی آیت شہد کے متعلق ہے اور دوسری قسم کے بارے میں (قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۹۰ کی رو سے) قسم کا کفارہ ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا یا ایک قیدی کو چھڑانا۔ یا تین دن متواتر روزے رکھنا۔

انہیں دنوں میں رسول اللہ نے کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی تھی۔ جو انہوں نے ایک اور بیوی پر ظاہر کر دی۔ سورۂ تحریم کی تیسری آیت اس بارے میں ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اس وقت جبکہ نبی نے اپنی بعض ازواج میں سے کوئی راز کی بات کہی اور اس عورت نے وہ راز افشا کر دیا۔ اور خداوند کریم نے تم کو اس کی اطلاع دی۔ اور تم نے کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پس پوچھا اس عورت نے کہ آپ کو کہاں سے خبر ہوئی۔ تم نے کہا مجھے خدائے علیم نے خبر دی ہے۔"

اس تیسری آیت کے متعلق علامہ راشد الخیری حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات میں لکھ رہے ہیں کہ " کلام اللہ کی اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ رسالت مآب نے کسی بیوی سے کوئی بات کہی جو اس نے دوسری سے کہہ دی۔ درحقیقت اسلام کو جس طرح مرد کی اصلاح کرنی تھی اسی طرح عورتوں کی بھی۔ اور اشد ضرورت تھی۔ کہ اس غلطی پر کلام اللہ کا فیصلہ صادر ہوتا تاکہ عورتوں کو معلوم ہو جاتا کہ جب اپنی غلطی سے امہات المومنین قابل خفگی ٹھیریں تو اس سے ہم کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔ تین سو برس بعد جب بخاری کی ترتیب شروع ہوئی اس وقت ام المومنین کے خلاف یہ طومار باندھا گیا"

" محمد دی ہولی پرافٹ " میں حافظ غلام رسول لکھ رہے ہیں۔ " وہ راز کیا تھا۔ کسی کو نہیں معلوم سوائے طرفین کے اور خدا کے مفسرین کا بیان آسمانی صحیفہ کی صداقت تو ہے نہیں۔ قیاسات ہیں۔ (جو صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی) مگر جس بیوی سے راز کہنے کو فرمایا گیا تھا۔ وہ بی بی حفصہ تھیں۔ اور راز تھا کسی دوسری بیوی کے متعلق بی بی حفصہ سے کہا گیا تھا۔ کہ اس راز کو فاش نہ کریں مگر انہوں نے بی بی عائشہ سے کہہ دیا۔"

حافظ صاحب نے اس سلسلہ میں " ایک مفسر " کی تشریح کا حوالہ دیا ہے۔ اور یہ مفسر مشہور متعصب مورخ ولیم میور ہے۔ اس کے بیان کا مفہوم یہ ہے کہ " ایک دن جب حضرت حفصہ اپنے والد کے

گھر گئی ہوئی تھیں۔ اور ان کے گھر میں رسول اللہ تشریف رکھتے تھے کہ ماریہ قبطیہ آئیں (جنہیں عزیز مصر نے رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان سے ایک فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تھے) رسول اللہ ماریہ قبطیہ کے ساتھ تھے کہ اتنے میں بی بی حفصہ لوٹ آئیں۔ اور اس وقت تک باہر انتظار کرتی رہیں جب تک کہ ماریہ واپس چلی نہیں گئیں۔ اس پر بی بی حفصہ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے رسول اللہ سے یہ وعدہ لے لیا کہ آپ ایک خاص مدت تک ماریہ پر التفات نہ فرمائیں گے۔ بی بی حفصہ نے بھی آپ سے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں گی۔ مگر وہ اس راز کو رکھ نہ سکیں۔ اور شیخی میں آکر بی بی عائشہ سے کہہ دیا۔" یورپین مورخین نے اس واقعہ کے بیان میں بغیر کسی مستند حوالہ کے بیہودہ باتیں لکھ کر بھی کذب و افترا پردازی اور دریدہ دہنی کی حد کر دی ہے۔ البتہ بعض مورخین و مفسرین یہ لکھتے ہیں کہ راز کا تعلق حضرت حفصہ ہی سے ہے۔ اور انہوں نے باوجود رسول اکرم کی تاکید کے حضرت عائشہ پر افشا کر دیا تھا۔ راز افشا کرنے والی بیوی کون تھیں اور جن پر راز افشا کیا گیا وہ کون تھیں ان کے نام نہ اللہ نے بتائے نہ اللہ کے رسول نے اور کسی کو نہیں معلوم کہ ازواج مطہرات میں سے دونوں کونسی تھیں۔ اس صورت میں کسی کو حق نہیں کہ اپنی طرف سے نام لے۔ بی بی حفصہ اور بی بی عائشہ کے نام محض قیاسات ہیں۔ جن کی کوئی شہادت نہیں۔

سورۂ تحریم کی چوتھی آیت اسی راز کے متعلق ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اگر تم دونوں خدا سے توبہ کرتی ہو کیونکہ پہلے ہی تمہارے دل
بھر گئے ہیں۔ (تو بہت اچھا ہوگا)
"لیکن اگر (اس کے خلاف نبی کے مقابلہ میں) ایک دوسرے
کی مدد کرو گی تو یقیناً خدا پیغمبر کی حفاظت کرنے والا ہے اور
جبرئیل اور مسلمانوں میں نیک لوگ اور فرشتے اس کے مددگار ہیں"۔
پھر پانچویں آیت میں ارشاد ہے
"نبی اگر سب عورتوں کو طلاق دے دیں تو تمہارا پروردگار
بہت جلد تمہارے بدلے میں اس کو تم سے بہتر بیویاں دے گا۔
(کیسی بیویاں جو) مسلمان مومن فرمان بردار توبہ کرنے والیاں
عبادت گذار، روزہ دار بیوہ اور کنواری ہوں گی"

واقعۂ تخییر ۹ھ

انہی دنوں کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے تخییر ہجرت
مدینہ کے بعد مسلمان تنگی ترشی سے گذارہ کر رہے
تھے۔ فتح مکہ سے ان کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔
کھانے کی جگہ کھانا ہے۔ کپڑے کی جگہ کپڑا۔ آسودگی ہے۔ فارغ البالی
ہے۔ مرفع الحالی ہے۔ مال و اسباب بھی ان کے گھروں میں ہے۔ اور
لونڈی غلام بھی۔ مگر اللہ کے رسول کے گھر میں اب بھی اللہ کا نام ہے
وہی عسرت و فلاکت۔ وہی تنگدستی اور مفلسی۔ ازواج مطہرات میں کسی
کے پاس لونڈی ہے نہ غلام۔ سب اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی
ہیں۔ ان کے پاس سونے کا زیور ہے اور نہ بھر کیلے کپڑے تن ڈھانکنے

کو بس ایک ایک جوڑہ ہے۔ ان کے پاس زیبائش کی چیزیں ہیں نہ ان کے گھروں میں آرائش کا سامان !!

رسول اکرم کے بعد حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ "ہمارے چولھے میں ایک ایک مہینے آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ پانی اور کھجوروں پر ہمیں گذارہ کرنا پڑتا تھا"۔ انہیں کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ

"اللہ کے رسول کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مسلسل دو وقت گیہوں کی روٹی ملی ہو۔"

جب مدینہ کی مسلمان بیبیاں آسودگی سے رہنے سہنے لگیں اُس وقت بھی نبی کی بیویاں جفاکفا کر کے زندگی گذار رہی تھیں۔ منافقین ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ انہوں نے ہی چار سال پہلے حضرت عائشہ صدیقہ پر بہتان عظیم اٹھایا تھا۔ اصابہ کا بیان ہے کہ منافقین میں سے اتم جلدح رسول اللہ کی بیویوں کو بھڑکانے کی فکر میں رہتی تھیں۔ اب ان کے اکسانے پر یا خود ہی ازواج مطہرات کو کچھ بہتر آسائش کی زندگی گذارنے کا خیال پیدا ہوا۔ اگر خود ہی اُن کو خیال آیا تو بھی ضرور آسکتا تھا۔ وہ پیغمبر نہ تھیں پیغمبر کی بیویاں تھیں۔ بشریت غالب آگئی اور توسیع نفقہ کا ایک دن مطالبہ کر دیا۔ رسول اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور عہد کیا کہ آپ ایک ماہ تک کسی بیوی سے نہ ملیں گے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ گھوڑے پر سے گر پڑے تھے یا موچ آگئی تھی۔ بی بی عائشہ کے حجرے پر بالاخانہ تھا اسی میں آپ نے ایک مہینہ گذارا۔ اور کسی بیوی سے نہ ملے۔

صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ نے بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی۔ صحیح بخاری پارہ ۲۰ میں ہے کہ حضرت عمر سے ان کے پڑوسی انصاری نے یہ اندیشہ ظاہر کیا۔ صبح حضرت عمر نے مسجد نبوی میں آکر نماز پڑھی۔ رسول اللہ نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ پر تشریف لے گئے اور حضرت عمر اپنی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ پھر وہ مسجد نبوی میں آئے تو صحابہ کو خاموش اور رنجیدہ دیکھا۔ اب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت رباح سے کہا کہ رسول اللہ کو ان کے آنے کی اطلاع کر دیں۔ آپ خاموش رہے تو حضرت عمر نے ذرا زور سے کہا "میں حفصہ کی سفارش کرنے نہیں آیا۔ خدا کے رسول کا حکم ہو تو میں حفصہ کی گردن اڑا دوں۔" آپ نے حضرت عمر کو بلا لیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں "میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور سر کے نیچے تکیے میں چھوارے کے درخت کی کتری ہوئی چھال ہے۔ اور ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے ہیں۔ جسم مبارک پر بوریئے کے نشانات دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے میرے رونے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے زیادہ رونے کا اور کونسا موقعہ ہوگا کہ قیصر و کسریٰ دنیا کا لطف اٹھائیں اور اللہ کے رسول کی یہ حالت ہو۔"

فرمایا "تم کو یہ پسند نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔" اس کے بعد حضرت عمر نے دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ کے رسول نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں" حضرت عمر نے

مسجد نبوی میں آکر مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی۔

مدت ایلا یعنی ایک مہینہ گزر گیا۔ آپ بالاخانہ سے اتر آئے اور آیت تخییر نازل ہوئی۔

یا ایھا النبی قل لازواجک ۔ ۔ ۔ اجرا عظیما

"اے نبی تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طلب گار ہو تو میں تم کو یہ چیزیں دے دلا کر رخصت کردوں اور ہنسی خوشی چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی طلب گار ہو تو اللہ نے نیک بیویوں کے لئے بڑے، جو مقرر کئے ہیں۔" سورہ احزاب آیۃ ۲۸ و ۲۹

ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے " اور اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر ریجھی ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں۔ اور اگر تنگی ترشی پر یہاں صبر کرکے خدا کی خوشی اور رسول کی رضامندی چاہتی اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و سہارے سے میرے ساتھ زندگی گذارو۔ اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔"

گویا اب آپ کی بیویوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ اگر وہ دنیا چاہتی ہیں تو رسول اللہ ان کو رخصتی جوڑے دے کر علیحدہ کر دیں اور وہ آسائش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ اگر انہیں آخرت درکار ہے تو نیکوں کے لئے بڑے بڑے انعامات ہیں۔

آپ نے پہلے بی بی عائشہ کو یہ آیتیں سنائیں اور ان سے یہ بھی ارشاد

ہوا کہ تمہاری جو مرضی ہو اپنے والد سے پوچھ کر بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا مجھے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ مجھے خدا اور رسول اور آخرت پسند ہے پھر بی بی حفصہ سے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے فرمایا مجھے دنیا کی آسائش کی ضرورت نہیں۔ خدا اور اُس کے رسول کی ضرورت ہے۔ باقی بیویوں نے بھی یہی جواب دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد کے حوالہ سے ہے کہ آنحضرت اندر تشریف رکھتے تھے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جنہیں آپ نے یاد فرمایا تھا آ گئے دیکھا کہ ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت عمر نے کہا۔ دیکھو میں پیغمبر خدا کو ہنسا دیتا ہوں۔ پھر کہنے لگے۔ یا رسول اللہ کاش آپ دیکھتے میری بیوی نے آج مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا۔ میرے پاس تھا نہیں۔ جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے گردن ناپی۔ یہ سنتے ہی آپ ہنس پڑے۔ اور فرمایا۔ یہاں بھی یہی قصہ ہے۔ دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں۔ ابوبکر عائشہ کی اور عمر حفصہ کی طرف اُٹھے۔ وہ تو خیر گذری کہ رسول اللہ نے روک لیا ورنہ عجب نہیں۔ دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے ۔۔۔۔۔۔ اب سب بیبیوں نے کہا ہم حضور کو آئندہ کبھی تنگ نہ کریں گے۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں اختیار دیا گیا۔ سب سے پہلے حضرت عائشہ سے پھر بی بی حفصہ سے پھر باقی بیویوں سے دریافت فرمایا سب نے خدا رسول اور آخرت کو پسند کیا۔

خصائل و فضائل | بی بی حفصہ پڑھی لکھی تھیں۔ حافظ قرآن تھیں۔

قریش میں تعلیم نسواں کا چرچا سب سے زیادہ حضرت عمر کے خاندان میں تھا۔ حضرت عمر اپنی بہن فاطمہ کے گھر میں ایمان لائے تھے۔ جب وہ بہن کے گھر میں پہنچے تو فاطمہ اور اُن کے شوہر سعید بن زید جو مسلمان ہو چکے تھے۔ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابو بکر کی خلافت کے زمانہ میں قرآن مجید کا جو نسخہ جمع کیا گیا وہ حضرت حفصہ کی امانت تھا۔ حضرت زید بن ثابت نے کل قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ سے منگا کر اس کی نقلیں کروائیں اور پھر حضرت حفصہ کو صحیفہ واپس کر دیا۔

بی بی حفصہ چیونٹی کے کاٹے کا منتر جانتی تھیں جو انہوں نے رسول اکرم کے ارشاد کے مطابق شفا بنت عبداللہ سے سیکھا تھا۔

جس طرح خلیفہ اول و دوم آپس میں ایک دوسرے کے سچے دوست تھے اسی طرح ان کی بیٹیاں بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ ایک دوسرے کی غمگسار اور ہمدرد تھیں۔ بعض مصنفین یورپ لکھ رہے ہیں کہ ان دونوں میں آپس میں سخت رقابت تھی۔ مگر ان کے فن تاریخ نویسی کی داد دینی چاہیے کہ وہ خود بعض ایسے واقعات لکھ رہے ہیں جس سے اس بیان کی تردید ہوتی ہے۔ اُمہات المومنین سے ہم کسی مافوق الفطرت بات کی توقع نہیں کرتے۔ سوکن کا جلاپا فطرت نسوانی ہے اور ایک دوسرے سے رشک یقیناً اُن میں بھی تھا۔ اس لئے کہ وہ بشر تھیں۔ بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ میں بھی ایک دوسرے سے رشک تھا اور ضرور تھا مگر نہ ایسا رشک جیسے دشمنی

کہا جائے ان دونوں میں کس قدر اتفاق تھا اس کا اندازہ تہد افشائے راز اور تخییر کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ اس کے تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جنگ جمل میں جب حضرات طلحہ اور زبیر نے حضرت عائشہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو بی بی حفصہ بھی بی بی عائشہ کے طرفداروں میں تھیں مگر بعد میں ان کے بھائی عبداللہ ان کو روک لائے تھے۔

امہات المومنین سرور کائنات کی رسالت کی تعظیم کرنے اور آپ کے شوہر ہونے کی حیثیت کا ادب و لحاظ رکھنے کے ساتھ بشریت سے خالی نہ تھیں۔ گھریلو معاملات میں وہ بے تکلفی کے ساتھ آپ سے گفتگو فرماتی تھیں۔

سورۂ تحریم کی تفسیر پارہ ۲۰ صحیح بخاری میں ابن عباس کے حوالہ سے فاروق اعظم کا بیان ہے کہ جہالت کے زمانہ میں ہم اپنی عورتوں کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے حقوق اور فرائض متعین کئے (یعنی اسلام سے قبل عورت کی کوئی وقعت نہ تھی) ایک دن میں اور میری بیوی نے میرے معاملات میں دخل دیا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو وہ کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا میں کچھ ہی کرتا ہوں تم دخل دینے والی ہوتی کون ہو۔ جو میرا جی چاہے کروں تم کیوں دخل دیتی ہو؟ "میری بیوی نے کہا" ابن خطاب تم بھی خوب ہو۔ تم کو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں تم سے کچھ پوچھوں۔ اور تمہاری بیٹی (حفصہ) جو پیغمبر صاحب سے پوچھ گچھ کرتی ہے یہ سن کر میں چونک پڑا اور اسی وقت حفصہ کے ہاں گیا اور اسے ڈانٹا کہ

تم رسول اللہ سے جھگڑتی ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات نہ سنوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں اللہ اور اس کے رسول کے غصہ میں تمہاری پکڑ نہ ہو۔ پھر میں اپنی ایک رشتہ دار اُم سلمہ کے پاس گیا (وہ بھی رسول اکرم کی بیوی تھیں) اور اُن سے بھی یہی گفتگو کی۔ انہوں نے کہا "اے خطّاب کے بیٹے تم عجیب آدمی ہو۔ ہر معاملہ میں تم دخل دیتے ہو یہاں تک کہ رسول اللہ اور آپ کی بیویوں کے معاملات میں بھی"۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں مجھے ندامت ہوئی اور میں واپس آگیا۔

بی بی حفصہ اختلاف کو ناپسند کرتی تھیں۔ بخاری میں ہے کہ جنگ صفین کے بعد بی بی حفصہ کے بھائی عبداللہ بن عمر گوشہ نشین رہنا چاہتے تھے۔ بی بی حفصہ نے ان سے کہا کہ شرکت میں تمہیں فائدہ تو کچھ نہ ہوگا مگر تمہیں اس وجہ سے شریک رہنا چاہیئے کہ لوگ منتظر ہوں گے اور تمہاری خانہ نشینی سے ہو سکتا ہے کہ اُن میں اختلاف رونما ہو جائے۔

ام المؤمنین بہت روزے رکھنے والی، شب بیدار، عبادت گذار اور پرہیزگار تھیں۔ دروازے تک آتے ہوئے ہچکچاتی تھیں۔ رسول اللہ کے بعد ملنا جلنا کم کر دیا تھا۔

حدیثیں

ام المومنین حضرت حفصہ سے ۶۰ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ چند حدیثوں کا ترجمہ یہ ہے۔ یہ حدیثیں صحیح بخاری میں ہیں۔

(۱) بی بی حفصہ کہتی ہیں۔ ایک دن میں نے رسول اللہ کا بستر چار تہہ کر کے

بچھایا کہ ذرا گدگدا ہو جائے۔ آپ نے پسند نہ فرمایا۔

(۲) فرماتی ہیں "ہم اپنی جوان عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کرتے تھے۔ ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اتری اور اس نے اپنی بہن سے کہا میرے شوہر نے رسول خدا کی بارہ لڑائیوں میں شرکت کی۔ چھ میں میں بھی ساتھ تھی۔ ہم زخمیوں کی تیمارداری کرتے تھے اس کی بہن نے نبی صلعم سے پوچھا ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو اُسے باہر نکلنے میں کچھ حرج ہے۔ فرمایا۔ اس کے ساتھ والی اپنی چادر اُسے اڑھا لے۔" (پارہ ۲۵)

(۳) فرماتی ہیں: "میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا اور رسول اللہ سے اجازت نہیں لی۔ جب میری باری کا دن آیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے لونڈی کو آزاد کر دیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا واقعی تم آزاد کر چکی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس لونڈی کو اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس میں تم کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا" (پارہ ۱۰)

(۴) بی بی حفصہ سے ام عطیہ کی روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ سے بیعت کی۔ آپ نے ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ (پارہ ۲۹)

رحلت بی بی حفصہ نے انتقال سے کچھ قبل صدقہ دیا۔ جمادی الاول ۴۱ھ میں رحلت کی۔ حاکم مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۵)

ام المومنین حضرت زینب ہلالیہ ام المساکین

نام و خاندان زینب نام۔ بیٹی خزیمہ بن حارث کی۔ یہ چھٹی طلیشت میں تھیں ہلال کی جس کے نام سے قبیلہ بنو ہلالیہ مشہور ہے۔ ان کی ماں ہندہ بن عوف تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے چاروں نکاح جو ان سے پہلے ہوئے۔ آپ کے ہی خاندان یعنی قریش میں ہوئے تھے یہ پہلی غیر قریشیہ تھیں۔ جو آپ کے نکاح میں آئیں۔ غیر قریشیہ ازواج مطہرات کا شجرہ نسب آیندہ صفحہ پہ ہے۔

لقب قبیلہ بنو ہلال میں سے ہونے کی وجہ سے ہلالیہ کہلاتی تھیں اور چونکہ نہایت رحمدل اور غربا پرور تھیں اور مساکین کی مدد کے کرنے پر ہر وقت تیار رہتی تھیں اور محتاجوں مصیبت ماروں کے ساتھ ہمیشہ سلوک کرتی اور انہیں کھانا کھلاتی تھیں۔ اس لئے ام المساکین ان کا لقب پڑ گیا اور نام سے زیادہ مشہور ہوا۔

پہلے تین شوہر ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد عبیدہ بن حارث سے۔

رسول اللہ کی غیر قریشیہ ازواج مطہرات کا شجرہ نسب

قبیلہ بنو ہلالیہ

صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن
|
عامر
|
ہلال

(ہلال کی پہلی شاخ)
عبد مناف
|
عمرو
|
عبد اللہ
|
حارث
|
خزیمہ
|
(۵) زینب ام المساکین
تین شوہروں کی بیوہ
۳ھ ہجری

(ہلال کی دوسری شاخ)
عبد اللہ
|
رویبۃ
|
ہزم
|
بجیر
|
حزن
|
حارث
|
(۱۱) بی بی میمونہ
دو شوہروں کی بیوہ
۷ھ ہجری

قبیلہ بنو مصطلق

جذیمہ المعروف بہ مصطلق
|
مالک
|
عائذ
|
حبیب
|
ابی ضرار
|
حارث
|
(۸) برہ یعنی بی بی جویریہ
بیوہ
۵ھ ہجری

بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ کے بھائی
ہارون بن عمران کی نسل
|
نضیر بن نحام بن ناخوم
بن لاوی بن یعقوب
|
ابی حبیب
|
خزرج
|
کعب
|
عبید
|
ثعلبہ
|
سعنہ
|
اخطب
|
حُیی
|
(۱۰) بی بی صفیہ
ایک شوہر کی طلاقن
دوسرے کی بیوہ
۷ھ ہجری

جن کا انتقال جنگ بدر میں ہوا تھا۔

یہ دونوں رسولِ اکرم کے چچازاد بھائی تھے۔

تیسرا نکاح رسول اللہ صلعم کے پھوپی زاد بھائی عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ مگر ان کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور وہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

چوتھا نکاح رسول اللہ سے ۳ سنہ ہجری

تین شوہر یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے چکے تھے اور اب ان کا کوئی سر دھرا نہ تھا۔ احد کی لڑائی میں ۷۰ مجاہد شہید ہوئے تھے اور مدینہ کی مسلم خواتین میں جنگ احد کے بعد نصف کے قریب بیوہ تھیں۔

بیواؤں کو جن کا کوئی سہارا نہ تھا اپنی حفاظت کے لئے اسلام نے تنہا نہیں چھوڑا بلکہ مسلمان ان سے نکاح کر کے ان کی بے کسی اور کس مپرسی دور کر رہے تھے۔

مسلمانوں کو ترغیبِ عمل دینے کے لئے رسول اللہ صلعم نے خود بے سہارا بے یار و مددگار بیواؤں کو اپنے نکاح میں لیا اور آپ کو دیکھ کر مسلمانوں نے بیواؤں سے خوشی خوشی نکاح کئے۔ بی بی زینب ہلالیہ کے رشتہ دار اس قابل تھے بھی نہیں کہ ان کی کوئی مدد کر سکتے۔ ان کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی جہاں عزت آبرو سے اطمینان کا سانس لے سکتیں۔ ان کے ایک شوہر جنگ بدر میں شہید ہوئے۔ اور دوسرے جنگ اُحد میں۔ اسلام کی خاطر یکے بعد دیگرے دونوں نے سر کٹا کر ان کو چادر بیوگی اڑھائی۔ مدینہ ہجرت کی تکالیف کے بعد پیہم صدمات کی تلافی یہی ہو سکتی تھی کہ رسول اکرم

خود ان کو اپنے نکاح میں لائیں۔ چنانچہ ۴ھ ہجری کے شروع میں جب ۶۲۶ء عیسوی کا ماہ جنوری تھا۔ ان کا چوتھا نکاح سرور کائنات سے ہوا اس وقت ان کی عمر بعض مورخین نے ۳۱۔ اور بعض نے ۳۰ سال بتائی ہے۔

رحلت

ولیم میور وغیرہ مورخین یورپ کا یہ بیان کہ حضرت زینب بنت خزیمہ نے رسول اللہ سے نکاح کے سال دو سال بعد رحلت کی خلاف تاریخ ہے۔ ان کا اور رسول اکرم کا ساتھ زیادہ سے زیادہ تین ماہ رہا کہ پیام موت آگیا۔ نمازِ جنازہ سرور کائنات نے خود پڑھائی تھی اور خود ہی قبر میں اُتارا۔ بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بعد بی بی زینب ہی ام المساکین رسول اللہ کی دوسری بیوی تھیں جن کا آپ کے سامنے انتقال ہوا تھا۔

---

(۶)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضہ

نام و خاندان

نام ہند۔ کنیت ام سلمہ

نام سے زیادہ کنیت سے مشہور ہوئیں۔

ان کے باپ ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن نقطہ بن قرط پوتے تھے عدی کے اور عدی پوتے لوئی کے جو آٹھ واسطوں سے جدِ اعلیٰ تھے رسول اللہ کے۔

بی بی ام سلمہ کے باپ ابو امیہ قریش کا ایک مشہور فیاض اور بہادر سردار تھا۔ اور جب سفر میں جاتا تو قافلہ والوں کا خرچ اٹھاتا تھا۔

ان کی ماں عاتکہ بیٹی تھیں عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ کنانی کی۔

اس طرح بی بی ام سلمہ باپ کی طرف سے قریش اور ماں کی طرف سے کنانی تھیں۔

پہلا نکاح اور قبول اسلام

بی بی ام سلمہ کا پہلا نکاح ۱۳ سال کی عمر میں ان کے چچا عبدالاسد مخزومی کے لڑکے ابو سلمہ عبداللہ سے ہوا۔ جو رسول اللہ صلعم سے عمر میں دس سال بڑے

اور آپ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ جب سرور عالم نے قریش کو دعوت اسلام دینی شروع کی تو جہاں کثرت اُن لوگوں کی تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ دشمنی کی وہاں بعض آدمی نیک طبیعت بھی تھے۔ جو غور و توجہ سے آپ کا وعظ سنتے بی بی ام سلمہ ان نیک خواتین میں سے تھیں۔ وہ اسلام کے بالکل شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور ایمان لاتے ہی انہوں نے کوشش کی کہ ان کے شوہر ابو سلمہ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اپنی کوشش میں جلد ہی کامیاب ہو گئیں۔

ہجرت حبش ۵ھ نبوی

اس وقت گنتی کے چند قریش تھے جو مسلمان ہوئے تھے ان کے ساتھ ان دونوں میاں بیوی پر بھی ان کی قوم نے مظالم شروع کئے۔ اسلام کی خاطر یہ دونوں بھی خندہ پیشانی سے یہ زیادتیاں برداشت کرتے رہے مگر قریش کا ظلم و ستم جب حد سے بڑھنے لگا اور ہجرت حبش کا حکم ہوا تو پندرہ مسلمانوں نے ترکِ وطن کیا۔ ان میں حضرت عثمان اور ان کی بیوی حضرت رقیہ (رسول اللہ صلعم کی منجھلی صاحبزادی) حضرت بی بی سودہ (جن کا حضرت خدیجہ کی رحلت کے بعد سرور عالم سے نکاح ہوا) اور اُم سلمہ اور اُن کے شوہر ابو سلمہ بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حبش جا کر ان کے پہلونٹی کے بیٹے سلمہ پیدا ہوئے انہیں کی وجہ سے باپ ابو سلمہ اور ماں ام سلمہ کہلاتی ہیں۔ دوسرے سال پھر سو سے زیادہ مسلمانوں کو مکہ چھوڑ کر حبش میں پناہ لینی پڑی۔

واپسی مکہ

مگر جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر جیسی زبردست شخصیتیں مسلمان ہو گئیں اور ان کے رُعب دبدبہ شجاعت اور

اثر کی وجہ سے قریش کے مظالم میں نسبتاً کسی قدر کمی عارضی طور پر ہو گئی تو بعض مہاجرین حبش سے مکہ آ گئے۔ ان میں ابو سلمہ ان کے شوہر اور بچے بھی تھے۔ لیکن قریش کے مظالم دبے نہیں تھے۔ بس کسی قدر کم ہو گئے تھے مگر تھوڑے دن بعد ان کی سختیوں نے اور شدت اختیار کر لی۔ بی بی خدیجہ اور ابو طالب کے انتقال سے ان کو جو تھوڑا بہت پاس و لحاظ تھا وہ بھی جاتا رہا اور انہوں نے دل کھول کر رسول اکرم صلعم اور مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے آخر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا اور بی بی ام سلمہ دوسری دفعہ ترک وطن کر کے اپنے شوہر اور بچے کو لے مسلمانوں کے قافلے کے ساتھ مکہ سے روانہ ہونے لگیں۔

ہجرت مدینہ سنہ ۱۳ نبوی

عورتوں میں سب سے پہلے جس نے مدینہ ہجرت کی وہ بی بی ام سلمہ تھیں ——— وطن عزیز کا چھوڑنا اور عزیزوں رشتہ داروں کی مفارقت اسلام کی خاطر انہوں نے سب کچھ بخوشی منظور کیا۔ مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ ۲۸۰ میل کی مسافت طے کرنی تھی اور دونوں میاں بیوی اور ایک بچہ تینوں کے لئے صرف ایک اونٹ تھا۔ ابو سلمہ مختصر سامان سفر اونٹ پر لاد بیوی کو کجاوہ میں بٹھا اور بچہ کو ان کی گود میں دے اونٹ کی نکیل پکڑ روانہ ہونے لگے تو ام سلمہ کے میکے کے آدمی آ گئے۔ تاریخ ابن اثیر میں بی بی ام سلمہ کی داستانِ ہجرت خود انہیں کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ فرماتی ہیں:۔

میرے میکے والوں یعنی بنو مغیرہ کو ہماری ہجرت کی خبر ہوئی تو کئی آدمی

ہماری روانگی کے وقت آ گئے اور ابو سلمہ کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو ہماری بچی کو کہاں لے جاتا ہے۔ تجھے اپنا اختیار ہے چاہے جہاں مارا مارا پھر جنگلوں بیابانوں میں بچوں والی عورت کو لے جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ تو اسے نہیں لے جا سکتا۔ ابو سلمہ کبھی مجھے دیکھتے تھے کبھی ان لوگوں کو۔ ابو سلمہ نے نکیل چھین یہ ظالم مجھے اور بچہ کو واپس لے چلے۔ اس وقت میرے دل کی جو حالت تھی کیا بیان کروں۔ میرے شوہر کی نظریں مجھ پر اور بچہ پر تھیں اور میں زار و قطار روتی اور مڑ مڑ کر ابو سلمہ کو دیکھتی جاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھتی ہوں میرے سسرال والے یعنی بنو عبداللاسد آ پہنچے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھے ان ظالموں سے نجات دلا دیں گے مگر انہوں نے میرے میکہ والوں کو ڈانٹا کہ تم اپنی لڑکی لے جاتے ہو تو شوق سے لے جاؤ مگر ہم اپنے بچہ کو تمہاری لڑکی کے پاس نہیں چھوڑ سکتے۔ تم کو اپنی لڑکی کا اختیار ہے مگر بچہ ہمارا ہے یہ کہہ کر انہوں نے بچہ کو گھسیٹ لیا۔ میری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ اُدھر ابو سلمہ کی مفارقت ادھر بچہ کی جدائی۔ اس وقت مجھے جو صدمہ پہنچا اس کا دسواں حصہ بھی میں بیان نہیں کر سکتی۔ بچہ کو میرے سسرال والے لے گئے اور مجھے میرے میکے والے لے آئے۔ ابو سلمہ کو ہجرت مدینہ کا حکم تھا وہ اسلام کی خاطر بیوی اور بچہ کو خدا پر چھوڑ سیدھے مدینہ چلے گئے۔ میرے میکے کا گھر بہت وسیع کشادہ اور آرام دہ تھا۔ مگر مجھے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ رات روتے روتے بڑی بے چینی سے گذارنے کے بعد صبح ہوتے ہی میں گھر سے نکل کر (ابطح) پر بیٹھ گئی کہ شاید کسی اللہ کے بندے کو میری حالت زار پر رحم آ جائے۔

شام اسی طرح گذر گئی۔ اور میں گھر واپس آگئی۔ پھر دوسرے دن اسی ٹیلہ پر چلی گئی۔ اب میں روزانہ یہی کرتی کہ صبح ابطح پر جا بیٹھتی اور رو رو کر شام کر دیتی سنبھلنے کی بہتیری کوشش کرتی مگر دل کسی طرح نہ مانتا اور بے اختیار آنسو نکلے پڑتے تھے۔ اسی اضطراب اور بے چینی میں ایک ہفتہ گذر گیا۔ آخر میرے پاس بنو مغیرہ میں سے ایک شخص آیا۔ جو میرا چچازاد بھائی تھا۔ میری حالت دیکھ کر اس کا دل کڑھا اس نے مجھے تسلی تشفی دی اور وعدہ کیا کہ میرے لئے کوئی صورت نکالے گا۔ اس نے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ تم لوگوں نے ام سلمہ جیسی مسکین غریب دکھیاری پر بڑا ستم توڑا ہے۔ وہ اپنے شوہر اور بچہ کی یاد میں رات دن روتی ہے۔ تمہارے دل کس قدر پتھر ہیں کہ تم کو اس کے درد و غم کا ذرا احساس نہیں۔ اس کی تقریر سے میرے میکے والے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور میں نے ارادہ کر لیا کہ سیدھی مدینہ پہنچ کر اللہ کے سچے رسول کے چہرہ مبارک کی زیارت کروں میرے سسرال والوں کو معلوم ہوا کہ مجھے میرے میکہ والوں نے مدینہ جانے کی اجازت دے دی تو وہ بھی میرے بچہ کو میرے پاس پہنچا گئے۔ اور میں اونٹ پر بیٹھ تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجھے نہ راستہ معلوم تھا نہ یہ خبر کہ کہاں کہاں ٹھہرتے ہیں۔ نہ میں نے یہ سوچا کہ راستے میں کیا کیا تکالیف ہو سکتی ہیں۔ مدینہ پہنچنے کی دل میں ایسی لگن لگی ہوئی تھی کہ میں نے کچھ نہ سوچا اور خدا کی مدد کے بھروسہ پر بچہ کو کلیجہ سے چمٹائے اکیلی روانہ ہو گئی۔ جب موضع تنعیم میں پہنچی تو طلحہ (کلید بردار کعبہ) کا بیٹا ابو طلحہ کا پوتا عثمان مجھے نظر آیا جو کسی کام سے مکہ جا رہا تھا اس نے

مجھے پہچان کر کہا ابو امیہ کی بیٹی تم کہاں جا رہی ہو۔ میں نے کہا مدینہ ابو سلمہ کے پاس رسول اللہ کی خدمت میں۔ اس نے کہا مگر تمہارے ساتھ کون ہے۔ میں نے جواب دیا۔ سر پر خدا کی ذات اور ساتھ میرا بچہ۔ یہ سنتے ہی اس نے اونٹ کی مہار ہاتھ میں لی اور آگے آگے دن بھر چلتا رہا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عثمان سے زیادہ رحمدل اور ہمدرد اور مصیبت میں کام آنے والا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ جب ہم پڑاؤ پر پہنچتے تو وہ اونٹ بٹھا کر الگ جا کر منہ موڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتا۔ جب چلنے کا وقت ہوتا تو خاموشی سے پھر کھڑا ہو جاتا اور ہم دونوں سوار کر دیتا اور آگے آگے چلتا۔ کئی دن اور کئی رات ہم چلتے رہے یہاں تک کہ مدینہ کے قریب بمقام قبا جب اس کی نظر عمرو بن عوف کی بستی پر پڑی تو کہنے لگا تمہارا شوہر یہاں رہتا ہے تم اسے تلاش کر و اب میں مکہ جاتا ہوں۔ میں اتر کر بستی میں آئی ابو سلمہ مل گئے اور عثمان مکہ واپس ہوا۔"

بی بی ام سلمہ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ اسلام کے واسطے جو مصیبت ابو سلمہ کی بیوی یعنی میں نے جھیلی ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاجرین میں سے کسی نے نہیں اٹھائی۔ میں نے کسی ساتھی اور رفیق کو ایسا رحمدل اور ہمدرد نہیں دیکھا جیسا طلحہ کے بیٹے عثمان کو۔ خدا اس پر رحم اور جنت نصیب کرے۔

بیوگی بی بی ام سلمہ کے شوہر ابو سلمہ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ اور انہوں نے راہ خدا میں بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ وہ جنگ اُحد میں بھی شریک ہوئے۔ مگر ان کے کئی زخم آئے اور زخم بھی کاری۔ جانبر

نہ ہو سکے۔ اور جنگ اُحد کے چند ماہ بعد ۴ھ سنہ ہجری میں انتقال ہوا تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ "الٰہی میرے بچوں کی نگہداشت فرمائیو" ان کی نماز جنازہ بہت اہتمام سے پڑھائی گئی۔ رسول اکرمؐ نے ۹ تکبیریں کہیں۔ بعد نماز آپ سے صحابہ نے پوچھا کہیں سہو تو نہیں ہو گیا۔ آپ نے فرمایا وہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔

بیوی کو اتنا شدید صدمہ تھا کہ بی بی سلمہ دن رات روتی تھیں۔ دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی تھی۔ عدت کی مدت گذرنے کے بعد کئی صحابۂ رسول نے پیام نکاح دیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق جنہوں نے متعدد لونڈی غلاموں کو جو اسلام قبول کرنے کی سزا سخت سے سخت جسمانی تکالیف کی صورت میں اپنے اپنے مالکوں سے پا رہے تھے منہ مانگے دام دے کر آزاد کرایا تھا۔ بہت ہی رحمدل اور ہمدرد انسان تھے انہوں نے بی بی ام سلمہ کو پیام نکاح دیا تھا مگر دنیا سے بیزاری یا بڑھاپے کی وجہ سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

اولاد حضرت ام سلمہ کے تین بچے تو پہلے شوہر کے سامنے ہوئے اور ایک بچی ابو سلمہ کی رحلت کے بعد۔ سب سے بڑے سلمہ تھے۔ جن کی وجہ سے ان کی کنیت نام سے زیادہ مشہور رہی۔ رسول اکرمؐ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔ سلمہ سے چھوٹے تھے عمرؓ جو خلیفہ چہارم کے زمانہ میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔ ایک لڑکی درّہ تھیں اور دوسری زینب۔ کُل چار بچے تھے۔

دوسرا نکاح رسول اللہ سے ۴ سنہ ہجری

بی بی سلمہ صحیح فرماتی تھیں کہ اسلام کی خاطر جو جو مصیبتیں انہوں نے جھیلیں کسی مہاجرہ کو ایسی تکلیفیں اس شدت کے ساتھ نہیں اٹھانی پڑیں۔ اسلام کی طرف سے ان کی خدمات کا سب سے بڑا اعتراف یہی ہو سکتا تھا۔ اور ان کی دلجوئی اور ہمدردی کی سب سے بڑھ کر صورت یہی تھی کہ پیغمبر اسلام صلعم کی زوجیت کا شرف انہیں حاصل ہو جائے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کا پیام نکاح رد کر دیا تھا اُن کے رنج و غم میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان کی آنکھ سے آنسو نہ تھما مگر بیوہ کا نکاح ضروری تھا۔ اور بدر اور احد کے شہدا کی بیواؤں کو بے سہارا بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جا سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر اور دوسرے صحابہ نکاح کر کے ان کو اپنی پناہ میں لا رہے تھے۔ بی بی اُم سلمہ کی خدمات اسلام بہت زبردست تھیں اس سلسلہ میں انہوں نے سخت سے سخت مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا تھا اب ان کا کوئی رشتہ دار بھی ان کا مددگار نہ تھا۔ رسول اکرم تک ان کے شوہر کے دم واپسیں کے الفاظ بھی پہنچ چکے تھے کہ "الٰہی میرے بچوں کی اچھی طرح نگہداشت کیجیو" ان سب باتوں کے پیش نظر آپ نے اپنا پیام نکاح دے کر حضرت عمر بن خطاب کو جن سے ان کی قرابت داری تھی، ان کے پاس بھیجا۔ بی بی ام سلمہ نے جواب دیا۔ "میں غیرت مند عورت ہوں۔ اور میرا سن زیادہ ہے۔ مجھے بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ میرا ولی وارث یہاں کوئی نہیں۔" حضرت عمر نے سرور کائنات

کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ الفاظ بھی دہرا دیئے۔ اور جواب میں پھر آپ کے یہ الفاظ بھی ـــــ بی بی ام سلمہ تک پہنچا دیئے کہ "میں دعا کروں گا کہ تمہاری بے جا غیرت دور ہو۔ میں بھی سن رسیدہ ہوں۔ تمہارے بچوں کی کفالت میں کروں گا"۔ اس جواب سے بی بی ام سلمہ رضامند ہو گئیں اور ان کا دوسرا نکاح رسول اللہ سے سنہ ۴ ہجری (مطابق فروری سنہ ۶۲۶ء) میں ہو گیا۔ بعض مورخین لکھ رہے ہیں کہ ان کے بڑے لڑکے سلمہ کی اور بعض کہتے ہیں کہ دوسرے لڑکے عمر کی ولایت سے یہ نکاح ہوا۔ اس وقت سرور کائنات ۵۷ سال کے تھے۔

عمر مورخین کے ایک گروہ کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہ نبوت سے ۹ سال قبل پیدا ہوئیں تھیں اور ۱۳-۱۴ سال کی عمر میں پہلا نکاح ہوا تھا گویا رسول اکرم کی نبوت کے چوتھے سال۔ سنہ ۶۱ھ میں جب اُن کا انتقال ہوا تو ان کی عمر اس حساب سے ۸۴ سال تھی اور نکاح ثانی کے وقت جو رسول اکرم سے سنہ ۴ ہجری میں ہوا ان کی عمر ۲۷ سال ہوئی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نکاح ثانی ان کے بڑے بیٹے سلمہ کی ولایت سے ہوا جو سنہ ۶ نبوت میں بمقام حبش پیدا ہوئے تھے۔ اس حساب سے وہ سنہ ۴ ہجری میں، اپنی ماں کے نکاح ثانی کے وقت گیارہ سال سے زیادہ نہ تھے مگر ولی اس قدر کم عمر نہیں ہو سکتا۔ مورخین کا دوسرا بیان یہ ہے کہ ہجرت حبش کے وقت وہ تین سال کے

تھے۔ جب بھی ان کی عمر چودہ سال کی تھی مگر بعض مورخین یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کی نہیں ان کے چھوٹے بھائی عمر کی ولائیت سے نکاح ہوا جو اس وقت بارہ سال سے زیادہ نہ ہوں گے لہذا یا تو رسول اکرم سے بی بی اُم سلمہ کا نکاح سلمہ یا عمر کی ولایت سے نہیں ہوا اور اگر ہوا تو یہ دونوں بیان غلط ہیں کہ سلمہ حبش میں پیدا ہوئے ہجرت حبش کے وقت تین سال کے تھے بلکہ ان کی پیدائش رسول اللہ کو نبوت عطا ہونے سے پہلے کی ہے اور سنہ ۲ھ سے پہلے ہی وہ سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے یا پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھے اور اگر عمر کی ولایت سے ان کی ماں کا نکاح ہوا تو بھی چودہ پندرہ سال سے کم نہ تھے۔ گویا بی بی ام سلمہ اس وقت ۳۰ سال کے لگ بھگ تھیں۔ لیکن سلمہ یا عمر کی عمر کو اس لئے نظر انداز کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ احناف کے نزدیک بالغہ عاقلہ کے نکاح کے لئے ولی کی شرط ضروری نہیں تو بھی بی بی ام سلمہ کی عمر اس وقت نفسیات کی رُو سے ۳۰ سال کے قریب تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ام المومنین کے حالات جن مغربی مورخین[۱] نے بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ سب یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ جب انھیں رسول اللہ کا پیام نکاح دیا گیا تو جن وجوہ سے انہوں نے تامل کیا ان میں ایک سبب یہ بھی بتایا کہ " میرا سن زیادہ ہے " عورت کی یہ بھی ایک فطرت ہے کہ وہ اپنی عمر کچھ کم ہی بتاتی اور عمر سے چھوٹا ہی سمجھتی ہے۔ ۳۰ سال کی عورت کتنی ہی غم زدہ کیوں نہ ہو وہ اپنے تئیں سن رسیدہ یا زیادہ عمر کی نہ سمجھے گی۔ بی بی ام سلمہ کو معلوم تھا کہ بی بی زینب ہلالیہ بنت خذیمہ

---

[۱] ولیم میور لکھتا ہے کہ سلمہ جوان نہ تھیں مگر بہت حسین تھیں۔

جن کا رسول اکرم سے نکاح کے دو تین ماہ بعد انتقال ہو گیا تھا۔ ۴۰ سال سے کم نہ تھیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ بی بی سودہ بڑھیا تھیں ستر نہیں تو ساٹھ کے پیٹے میں پھر ان کا اپنے کو "سن رسیدہ" کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

بی بی ام سلمہ نے پیام نکاح ملنے پر تامل کیا تھا کہ "میں غیور عورت ہوں اور میرا سن زیادہ ہے"۔ رسول اللہ کی طرف سے اس کا یہ جواب ولیم میور جیسے متعصب مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "میری عمر بھی زیادہ ہے"۔ ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ چالیس سال سے کم نہیں زیادہ ہی تھیں۔

خصوصیات بی بی ام سلمہ سے پہلے کسی عورت نے مدینہ ہجرت نہیں کی۔

امہات المومنین میں اسلام کی خاطر کسی نے ان سے زیادہ روحانی و جسمانی تکالیف برداشت نہیں کیں۔

رسول اکرم کی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں انھوں نے وفات پائی

خصائل[1] غیرت و حیا غیر معمولی تھی۔ رسول اکرم تشریف لاتے تو ابو سلمہ سے جو ان کی چھوٹی بیٹی زینب تھی اسے گود میں بٹھا لیتیں حضرت عمار بن یاسرؓ ان کے رضاعی بھائی تھے انہیں جب یہ بات معلوم ہوئی اظہار ناراضگی کیا اور بچی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ رسول اللہ کے نکاح میں آنے کے بعد یہ پہلے سال کا واقعہ ہے۔ رفتہ رفتہ اس غیر ضروری حجاب میں

---

[1] خصائل و فضائل کے تحت بعض واقعات سیر الصحابیات از جناب سعید انصاری سے ماخوذ ہیں

کمی ہوتی گئی اور پھر دوسری بیویوں کی طرح رہنے لگیں۔

ایک دفعہ ایک ہار ان کے گلے میں تھا۔ اس میں سونے کی ملاوٹ تھی۔ سرورِ عالم نے دیکھا تو پسند نہ فرمایا۔ اسی وقت اتار دیا اور پھر کبھی نہ پہنا

آیت تطہیر انہیں کے حجرے میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اللہ نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا اور حسنینؓ کو بلا کر کمبل اوڑھا اور فرمایا اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے ناپاکی دور رکھ۔ اور ان کو پاک کر۔ بی بی ام سلمہ نے عرض کیا میں بھی ان میں شریک ہوں آپ نے فرمایا تم اپنی جگہ ہو اور اچھی ہو۔ یہ روایت صحیحین میں ہے۔

بہت مخیر تھیں اور حاجتمندوں ، فقرا و مساکین کی مدد کرتی رہتی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے ایک مرتبہ کہا میرے پاس مال و زر اس قدر جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ فرمایا بیٹا اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دو۔ ایک دفعہ چند حاجتمند ان کے مکان پر آئے اور سوال کیا۔ کچھ عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ایک نے ان کو سخت الفاظ کہے انہوں نے منع کیا کہ ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو اور پھر اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ انہیں کچھ دے دو۔ اور کچھ نہ ہو تو چھوہارے ہی دے دو۔

بہت صاف گو تھیں اور گفتگو میں لگی لپٹی نہ رکھتی تھیں۔ ام المومنین بی بی حفصہ کے حالات میں حضرت عمر کی زبانی ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کی بیوی نے کہا کہ " ابن خطاب تمہاری بیٹی تو رسول اللہ

سے پوچھ گچھ کرتی ہے۔ تو وہ پہلے اپنی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس اور پھر حضرت ام سلمہ کے پاس کہ وہ ان کی عزیز تھیں آئے اور کہا کہ رسول اللہ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو کہ ان کے غصہ میں تمہاری پکڑ ہو۔" تو ام المومنین نے جواب دیا تھا "اے خطاب کے بیٹے تم بھی عجیب آدمی ہو کہ ہر معاملہ میں دخل دیتے ہو یہاں تک کہ رسول اللہ اور ان کی بیویوں کے معاملات میں بھی۔" حضرت عمر کا بیان ہے کہ بی بی ام سلمہ کے اس جواب سے مجھے ندامت ہوئی اور میں واپس آگیا۔

بی بی ام سلمہ بہت سمجھ دار اور مدبر تھیں۔ ان کی اصابت رائے کے ایک واقعہ کو تمام مورخین ومحدثین اور مفسرین تسلیم کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے خیال کیا تھا کہ صلح دب کر کی گئی ہے۔ سرور عالم نے فرمایا اب مکہ جانے کا تو سوال رہا نہیں۔ یہیں سر منڈوا کر قربانی کر دی جائے۔ مسلمان صلح نامہ سے خوش نہ تھے۔ یہ سنکر خاموش رہے۔ تین بار آپ نے یہی ارشاد فرمایا مگر کوئی نہ اٹھا۔ ام المومنین نے مشورہ دیا کہ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ خود پہل کریں۔ مسلمان سمجھ جائیں گے کہ جنگ کرنی نہیں وہ آپ کو دیکھ کر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ نے بی بی سلمہ کے مشورہ پر عمل کیا۔ یعنی سر منڈوا کر قربانی کی۔ اب آپ کو دیکھ کر سب مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔

استیعاب میں ہے کہ بی بی سلمہ جنگ خیبر میں شریک تھیں۔ مرحب

کے دانتوں پر جب حضرت علی کی تلوار پڑی تو اس کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔

سورۂ احزاب کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھ رہے ہیں کہ ایک دن اُم المومنین حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن مجید میں آتا رہتا ہے۔ لیکن ہم عورتوں کا ذکر ہی نہیں آتا۔ (اس کے بعد) ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی بال سلجھا رہی تھی (ان کے بال بہت گھنے تھے) کہ میں نے حضور کی آواز منبر پر سنی۔ میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آکر آپ کی بات سننے لگی۔ آپ اس وقت یہ آیت (سورۂ احزاب کی ۳۵ ویں آیت) تلاوت کر رہے تھے، (ترجمہ یہ ہے) "مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں۔ فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے وسیع مغفرت اور بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔"

رسول اللہ کی نظر میں ان کی کس قدر وقعت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ازواج مطہرات کی طرف

سے وکالت کی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ کی بیویوں کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت سودہ حضرت عائشہ حضرت حفصہ تھیں اور دوسرے میں حضرت ام سلمہ اور باقی بیویاں حضرت عائشہ اپنی خدا داد قابلیت غیر معمولی ذہانت و فراست کی بنا پر رسول خدا کو بہت محبوب تھیں اس وجہ سے صحابہ اور صحابیات اکثر آپ کی باری میں ہدیے بھیجتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ کے گروہ نے کہا سب بیویاں برابر ہیں عائشہ کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے۔ انہوں نے بی بی سلمہ کو ہی اپنا نمایندہ بنا کر رسول اکرم کی خدمت میں بھیجا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے فضائل اور خصائل کی سرورکائنات قدر فرماتے ہیں۔ دو دفعہ یہ گئیں آپ خاموش رہے۔ تیسری دفعہ جب پھر گئیں تو فرمایا کہ عائشہ کے بستر پر میرے پاس وحی آئی ہے یہ خصوصیت کیا اور کسی بیوی کو بھی حاصل ہے ام المومنین نے کہا میں آپ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

چند صحابہ نے ان سے ایک دفعہ کہا رسول اللہ کی گھریلو زندگی کے متعلق کچھ بتائیے جواب دیا کہ آپ کا ظاہر و باطن ایک ہے جب سرورکائنات تشریف لائے انہوں نے واقعہ سنایا آپ نے فرمایا ٹھیک جواب دیا۔

سرورکائنات رحلت سے قبل جب بیمار پڑے اور بیماری بڑھتی گئی تو بی بی عائشہ کے حجرے میں قیام فرمایا۔ آپ کی سب بیویاں روزانہ مزاج پرسی اور تیمارداری کو آتی تھیں۔ آپ کو زیادہ بے چین

دیکھ کر بی بی اُم سلمہ کی چیخ نکل گئی۔ آپ نے منع فرمایا کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ مرض جب اور زیادہ بڑھ گیا تو آپ کی بیویوں نے دوا پلانی چاہی آپ نے انکار فرمادیا غشی کی حالت طاری ہوگئی تو بی بی ام سلمہ نے دوا پلائی۔

مہینہ میں تین دن پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتی تھیں۔

رسول اکرم سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ کے موئے مبارک اپنے پاس رکھ چھوڑے تھے۔ لوگ حاضر ہوتے تو ان کو زیارت کراتی تھیں۔

محرم ۶۱ھ ہجری میں واقعہ کربلا پیش آیا۔ ام المومنین نے اسی دن یعنی ۱۰ محرم کو رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ سخت پریشان ہیں سر اور ڈاڑھی غبار آلود ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے فرمایا "مقتل حسین سے واپس آرہا ہوں"۔ ترمذی میں یہ روایت ابو رافع کی بیوی سلمہ سے روایت کی گئی ہے۔

علمیت و فضیلت

بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کی طرح بی بی ام سلمہ حافظ قرآن تھیں۔ اور خوش الحانی کے ساتھ بڑے درد سے پڑھتی تھیں اور صحابیات میں یہ خصوصیت بی بی ام سلمہ ہی کی تھی کہ رسول اللہ کے طرز پر پڑھتی تھیں۔ کسی نے دیکھا اور پوچھا۔ رسول اللہ کیوں کر قرأت کرتے تھے۔ خود قرأت سے پڑھ کر بتایا کہ اس طرح ایک ایک آیت الگ الگ۔

کئی بار جب عورتوں نے جماعت سے نماز پڑھی تو بی بی عائشہ کی

طرح انہوں نے بھی نماز میں امامت کی ہے۔ بی بی حفصہ کی طرح لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ لیکن بی بی عائشہ کی طرح پڑھنا آتا تھا۔

علم و فضل میں حضرت عائشہ صدیقہ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے بعد حضرت ام سلمہ کا نمبر ہے۔

حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ شوق و عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن چوٹی گوندھوا رہی تھیں کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ ابھی ایھا الناس (لوگو) ہی زبان سے نکلا تھا کہ فوراً کھڑی ہو گئیں اور کھڑے کھڑے خطبہ سنا۔

حضرت عائشہ کے بعد سب سے زیادہ حدیثیں انہیں سے مروی ہیں۔ تعداد ۳۷۸ بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے ۲۹ صحیحین میں ہیں۔

ابن اسعد میں محمد ابن لبید کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں احادیث کا مخزن تھیں لیکن عائشہ اور ام سلمہ میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔ اصابہ کا بیان ہے کہ "وہ صاحب عقل اور صائب الرائے تھیں۔" ام المومنین ام سلمہ سے جن مردوں اور جن عورتوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کے ناموں کی فہرست کئی درجن ہے۔

حدیث و فقہ کے علاوہ علم اسرار میں بھی بی بی ام سلمہ کو بہت دخل تھا۔ مروان بن حکم اکثر ان سے مسائل دریافت کرتا اور کہا کرتا تھا کہ ازواج النبی کی موجودگی میں دوسروں سے کیوں دریافت کریں۔

سرور کائنات ان کے حجرے میں رات بسر کرتے تو ان کا بستر

آپ کی جائے نماز کے سامنے ہوتا اور آپ نماز پڑھتے تھے۔

بی بی ام سلمہ شعر بھی کہتی تھیں۔ اپنے چچازاد بھائی خالد بن ولید بن مغیرہ کا انھوں نے مرثیہ کیا تھا جو الاستیعاب میں ہے۔

حدیثیں صحیحین میں ان سے جو روایتیں ہیں ان میں چند کا ترجمہ یہ ہے۔ بحوالہ صحیح بخاری۔

(۱) فرماتی ہیں" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا اگر میں ابو سلمہ کی اولاد پر جو میری ہی اولاد ہے کچھ خرچ کروں"۔ رسول اکرم نے فرمایا)" ان پر خرچ کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا" وقف علی الاولاد کے بارے میں بی بی سلمہ کی یہ بہت مشہور حدیث ہے۔

(۲) حضرت ام سلمہ نے کہا میں نے حج میں رسول خدا صلعم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں (پا پیادہ طواف نہیں کر سکتی۔ آپ نے فرمایا سوار ہو کر سب آدمیوں کے پیچھے جا کر طواف کر لو۔ چنانچہ میں طواف کرنے لگی۔ آپ اس وقت صبح کی نماز خانہ کعبہ کے ایک پہلو میں پڑھا رہے تھے۔ اور اس میں سورہ طور پڑھ رہے تھے (بخ)

(۳) فرماتی ہیں" رسول خدا کے زمانہ میں عورتیں جب فرض نماز کا سلام پھیرتی تھیں تو فوراً کھڑی ہو جاتی تھیں اور رسول خدا اور وہ مرد جو نماز پڑھتے تھے جتنی دیر اللہ چاہتا ٹھیرے رہتے (بخ)

(۴) رسول خدا نے اپنی ازواج سے ایک مہینہ کا ایلا کیا (ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں گئے) جب ۲۹ دن گذر گئے صبح کے وقت آپ اپنی

ازواج کے پاس تشریف لے گئے کسی نے کہا آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی۔ آپ نے فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

(۵) رسول اللہ نے فرمایا میں (بھی تمہاری طرح) بشر ہوں اور تم (اپنے آپس میں) جھگڑا کرتے ہو۔ (پھر میرے پاس فیصلہ کے واسطے آتے ہو) اور شاید تم میں سے کسی دوسرے سے زیادہ حجت والا ہو اور جو کچھ میں اس سے سنوں اس کے موافق فیصلہ کروں پس جس شخص کے واسطے میں اس کے بھائی (مسلمان) کے (مال میں) سے حکم لگاؤں وہ اس کو (بلا حق) نہ لے۔

رحلت اور تدفین

ایک بیان یہ ہے کہ ۶۱ھ میں اور دوسرا بیان ہے کہ ۶۳ھ میں واقعہ حرۃ کے بعد رحلت کی۔

ابوسفیان کا پوتا ولید بن عتبہ حاکم مدینہ تھا۔ بی بی ام سلمہ کی وصیت تھی کہ وہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو طبری کا بیان ہے کہ وہ جنگل میں نکل گیا) اور نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ نے پڑھائی اور بقیع میں مدفون ہوئیں +

---

(۷)

اُمُّ المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش اسدیہ

نام اور خاندان ان کا نام برّہ تھا۔ رسول اللہ صلعم نے بدل کر زینب رکھا۔
کنیت اُم الحکیم۔ ان کے باپ جحش بن رباب تھے اور ماں اُمیمہ صاحبزادی تھیں عبد المطلب کی اور حقیقی بہن تھیں سرور کائنات کے والد عبداللہ کی۔ یعنی بی بی زینب آپ کی حقیقی پھوپی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ اور یہ ایسی خصوصیت تھی کہ ازواج مطہرات میں سے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور وہ ہمیشہ اس پر فخر کرتی تھیں۔

زید بن حارث زید بن حارث ایک شریف النسب آدمی تھے۔ یہ عرب کے اُس نامور قبیلۂ طے سے تھے جس میں حاتم طائی گذرا ہے۔ جس کی فیاضی اور سخاوت آج تک مشہور ہے۔ یہ اپنی ماں سعدیٰ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ صحرائی ڈاکوؤں نے حملہ کر کے لوٹ لیا۔ ان کو پکڑ کر لے آئے اور عکاظ کے میلہ میں فروخت کرنے کے لئے لائے۔ بی بی خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں اپنی پھوپی کے

لئے چار سو درہم میں خریدا۔ اور جب بی بی خدیجہ کا رسول اللہ سے نکاح ہوا تو انھوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کیا اور بجائے غلام رکھنے کے آزاد کر دیا۔ تھوڑی ہی مدت گذری تھی ان کے چچا مکہ آئے تو ان کو پہچان کر ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے جانے کی اجازت دے دی۔ مگر زید نے اپنے چچا سے کہا کہ میں اس شخص کا دامن شفقت کس طرح چھوڑ دوں جو باپ اور چچا سے زیادہ محبت سے پیش آتا ہے۔ جو محتاجوں، حاجت مندوں، غریبوں اور مسکینوں کا سب سے بڑا مددگار رہے۔

جب رسول اللہ کو معلوم ہوا کہ زید قبیلہ طے کے ایک شریف زادہ ہیں تو آپ زید کو لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور جو لوگ موجود تھے ان سے کہا۔ تم لوگ گواہ رہنا کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ اس دن سے زید بن حارث کہلانے لگے زید بن محمد۔ متبنٰی یعنی لے پالک کے بارے میں ابھی تک خدا کا کوئی حکم نہیں آیا تھا اور متبنٰہ حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ زید کئی سال تک غلامی کی حالت میں رہے تھے اس لئے بعض لوگ اب بھی انہیں اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ رسول اکرم کا سلوک ان کے ساتھ بیٹوں کا سا تھا۔ آپ نے ان کا نکاح اپنی آزاد لونڈی ام ایمن سے کر دیا۔ جو بیوہ اور زید سے عمر میں کافی بڑی تھیں۔ اس نکاح سے ایک لڑکا اسامہ پیدا ہوئے۔ یہ وہی اسامہ بن زید تھے جن کی سرکردگی میں رسول اللہ نے اپنے آخری زمانہ علالت میں شام کی طرف لشکر اسلام روانہ کیا تھا۔

زید کے تعلقات ام ایمن کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے۔

پہلا نکاح زید بن حارث سے ۳ ہجری

حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رسول اللہ کی حقیقی پھوپی امیمہ کی بیٹی جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو مختلف مورخین کے بیانات سامنے رکھ کر ۳۳ سال کی تھیں اور اب تک کنواری تھیں اور ۳ ہجری میں جب ان کی عمر ۳۶ سال تھی اور ام ایمن کا انتقال ہو چکا تھا۔ رسول اکرم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثؓ سے کر دیں۔ چنانچہ آپ خود زید کا پیغام لے کر بی بی زینب کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا میں ان سے نکاح نہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو۔ ان سے نکاح کر لو۔

عربوں کو اپنی نسل پر بڑا فخر تھا اور غلام بہرحال غلام سمجھا جاتا تھا بی بی زینب اور ان کے بھائی دونوں نے اس تجویز کو ناپسند کیا کہ کہاں زینب، قریش جیسے مقتدر خاندان کی ایک معزز خاتون، عبدالمطلب کی نواسی جحش کی بیٹی اور کہاں ایک آزاد غلام۔ زید آزاد تھے۔ اور زید بن محمد کہلاتے تھے مگر تھے تو غلام ہی۔ قبل از اسلام کی روایات کے مطابق یہ رشتہ سخت باعث ذلت تھا۔ دونوں بھائی بہن چاہتے تھے کہ خود سرور عالم بی بی زینب سے نکاح کر لیں مگر آنحضرت کو تو جہالت کی باتیں ختم اور اعلیٰ ادنیٰ کا امتیاز مسلمانوں سے دور کرنا تھا۔ بی بی زینب کو اس رشتہ کے قبول کرنے میں پس و پیش تھا کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول کی تجویز کی تائید فرمائی اور انہیں دنوں میں سورہ احزاب کی چھتیسویں آیت نازل ہوئی:۔

"اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایان نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ان کے بارے میں) کوئی بات ٹھیرا دیں تو اپنی رائے کو دخل دیں) اس بات میں اُن کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔"

اب بی بی زینب کو رضامند ہونے کے سوا چارہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کے ارشاد کے مطابق ان کا نکاح دس درہم سات دینار مہر پر ۳ہجری میں زید بن حارث سے ہو گیا۔ [۲]

طلاق ہونے کو تو بی بی زینب کا نکاح زید سے ہو گیا اور انہوں نے ان کے ساتھ سال ڈیڑھ سال بھی کسی نہ کسی طرح گزار دیا مگر میاں بیوی کے تعلقات شروع ہی سے اچھے نہ رہے۔ بی بی زینب کی نظر میں زید کی کوئی وقعت تھی ہی نہیں۔ انہیں اپنے خاندانی وقار و اعزاز پر بہت ناز تھا۔ زید کو وہ خاطر میں نہ لائیں۔ اُن کا یہ سلوک دیکھ کر حضرت زید نے بہتر یہی سمجھا کہ ان سے علیحدگی کر لی جائے۔ چنانچہ

---

[۱] وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

[۲] انگریزی تفسیر قرآن میں علامہ عبداللہ یوسف علی کا یہ بیان کہ ہجرت سے آٹھ سال قبل زید سے زینب کا نکاح ہوا تھا خلافِ تاریخ ہے۔

انہوں نے رسول اللہ پر یہ خیال ظاہر کیا۔ زید کے اس خیال کی وجہ سیرت النبی میں فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب کے حوالہ سے یہ بتائی گئی ہے کہ زینب زید سے زبان درازی کرتی تھیں۔ رسول اکرم نے زید کو بار بار سلوک و محبت سے رہنے کی تاکید فرمائی اور یہ الفاظ بھی فرمائے:۔

" اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ "

مگر زید کی ان سے موافقت نہ ہو سکی۔ اور انہوں نے بی بی زینب کو طلاق دے دی۔

دوسرا نکاح رسول اللہ سے ۵ھ ہجری

اس طلاق کا بی بی زینب کے خاندان پر بہت اثر ہوا اور خود رسول اکرم صلعم کو افسوس ہوا کیونکہ بی بی زینب کی تربیت میں آپ کا بھی حصہ تھا۔ اور ان کا نکاح آپ نے ہی زید سے کرایا تھا۔ بی بی زینب اور ان کے بھائی تو پہلے ہی رضامند نہ تھے۔ پھر ہوئی طلاق تو اب آپ کے سامنے سخت مشکلات تھیں اور سوچتے تھے کہ بی بی زینب کی دلجوئی کس طرح کی جائے جو ان کے خاندان کو بھی شکایت نہ رہے ایک صورت یہ تھی کہ آپ خود بی بی زینب سے نکاح کر لیں لیکن ملک کا تمدن یہ تھا کہ متبنے یعنی لے پالک لڑکے کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور زید بن حارث کہلانے لگے تھے۔ زید بن محمد۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت زید کو بن محمد کہنے سے منع فرمایا۔

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور سب نبیوں کے آخر میں ہیں اور ہے اللہ ہر چیز کا جاننے والا۔"[1]
الاحزاب۔ آیت ۴۰

عرب کے رواج کے مطابق سوتیلی ماں اور ساس سے تو شادی جائز تھی مگر متبنے یعنی لے پالک بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا اور اسلام کو جہالت کے اس رواج کو ختم کرنا تھا۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی۔

ما جعل ادعیاءکم ابناءکم ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹے کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے۔ اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ تم ان کو (لے پالکوں کو) ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک راستی کی بات ہے۔" سورۂ احزاب آیت ۴۔۵

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کے بعد کہ لے پالک یا منہ بولا بیٹا یا متبنے اصلی بیٹا نہیں ہے اور اس کی مطلقہ کا وہ درجہ نہیں جو حقیقی بیٹے کی مطلقہ کا ہو سکتا ہے، رسول اللہ کو بی بی زینب کی دلجوئی کی خاطر خود ان سے نکاح کا خیال ہوا۔ اگرچہ عرب کے تمدن کی رو سے اس میں بدنامی تھی مگر طلاق بھی ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور اس نظریہ

---

[1] ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیما (قرآن مجید)

کو بھی اپنے طرزِ عمل سے یکسر بدلنا تھا۔ لیکن شروع میں آپ بہت متامل متردد اور متفکر رہے یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی سورۂ احزاب کی ۳۷ ویں آیت نازل ہوئی۔

"اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا چاہئے خدا سے" [۱]

رسول اللہ نے حکم خداوندی کے مطابق پیام نکاح بی بی زینب کو بھجوایا اس نکاح کے بارے میں سورۂ احزاب آیت ۳۷ میں ہے۔

فلما قضیٰ زید ... ... مفعولا

"پھر جب زید اس عورت (یعنی زینب) سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دیدی) اور عورت کا زمانہ (زمانہ عدت) پورا ہو گیا تو ہم نے (اے نبی) تمہارے ساتھ اُس (عورت) کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے اُن (عورتوں سے نکاح کر لینے) میں (کسی طرح کی) تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے"

سرورِ کائنات کا یہ نکاح بذریعہ وحی ۵ھ ہجری (مطابق جون ۶۲۶ء) میں ہوا تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب عدت کی میعاد گذر گئی تو سرورِ کائنات نے زید سے کہا کہ تم خود جاکر زینب کو میرا پیام دو۔ چنانچہ انہوں نے

---

[۱] وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ

ارشاد کی۔ اس وقت حضرت زینب آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید نے مکان کے دروازہ پر جا کر کہا

"زینب! رسول اللہ نے تم کو اپنے نکاح کا پیام بھجوایا ہے"۔

انہوں نے کہا "تھٹیرو میں استخارہ کر لوں" وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں اور پھر بخوشی پیام منظور کر لیا۔ وہ دوسری ازواج مطہرات سے نہایت فخر کے ساتھ کہا کرتی تھیں کہ "تمہارے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے زمین پر کئے اور میرا نکاح خدا نے آسمان پر کیا"۔

غیر مسلموں کا اعتراض

سپرنگر۔ اوز بورن۔ ولیم میور وغیرہ مغربی مورخین نے رسول اکرم صلعم کے اس نکاح پر سخت اعتراض کیا ہے اور آپ پر تہمت یہ لگائی ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ نے بی بی زینب سے نکاح کرنے کی غرض سے ان کو زید سے طلاق دلوائی۔ واقدی جیسے غیر معتبر اور طبری جیسے غیر مستند مصنفین کی غلط روایتوں پر عیسائی مورخوں نے سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔ حالانکہ محدثین کا اس رائے پر اتفاق ہے کہ واقدی اپنے دل سے روائتیں گھڑتا ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے حاطب الیل یعنی اندھیرے میں لکڑیاں چننے والا۔ اسی طرح طبری کا بیان بھی محققانہ نہیں۔ واقدی اور طبری کے بیان میں مغربی مورخین نے دل کھول کر رنگ آمیزی کی ہے۔ ولیم میور

سلہ تحریر کا مفہوم یہ ہے۔ (نقل کفر کفر نباشد)

البنید " آپ ایک دن زید کے ہاں گئے۔ وہ موجود نہ تھے۔ دروازہ

کھٹکھٹایا۔ زینب اس وقت تیس سال سے اوپر تھیں مگر تھیں بہت خوبصورت اپنے گھر میں بے تکلفی کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں جلدی سے انہوں نے لباس درست کیا۔ اور اسی حالت میں آپ نے ادھ کھلے دروازہ میں سے انہیں دیکھ لیا۔ زینب نے آنے کی اجازت دے دی۔ آپ اندر گئے اور پھر سبحان اللہ کہتے ہوئے (گویا آپ کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے) واپس آئے۔ جب زید اپنے گھر میں آئے تو فاتحانہ غرور کے ساتھ زینب نے یہ واقعہ ان کو سنایا۔ زید آپ کے پاس گئے۔ اور آپ کی خاطر زینب کو طلاق دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا خدا سے ڈرو۔ اور اپنی بیوی کو اپنے سے علیحدہ نہ کرو۔ مگر زید سمجھ گئے کہ آپ اوپری دل سے کہہ رہے ہیں اور زینب کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ زید نے طلاق دیدی۔ آپ نے نکاح میں ذرا تامل کیا۔ اس لئے کہ عرب کے اخلاق کی رو سے بدنامی تھی کہ ایک شادی شدہ عورت کے آپ خواہش مند تھے اور اور اس کا شوہر اسے رکھنا نہیں چاہتا تھا اور موجودہ حالت میں شوہر بھی آپ کا ہی لے پالک لڑکا تھا اور عرب میں ایسی شادی جائز نہ تھی مگر آپ نے بالآخر شادی کر ہی لی۔ (حضرت) عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ وحی آئی اور جب آپ کی طبیعت معمول پر آئی تو آپ خوش ہوئے اور کہا کون ہے جو زینب کو مبارکباد دیگا اور کہے گا کہ خدا نے میرے ساتھ زینب کی شادی مقرر کردی ہے۔ آپ کی لونڈی

سلمیٰ اس وقت خوشخبری لے کر زینب کے پاس گئیں۔ وہ اس قدر خوش ہوئیں کہ جسم پر جو زیور تھا سب سلمیٰ کو دے دیا۔ آپ نے مسجد کے صحن میں بہت بڑی دعوت کی"

(لائف آف محمد۔ اڈیشن ۱۹۱۲ء صفحات ۲۹۰-۲۹۱)

موٹی سی بات ہے کہ بی بی زینب بے حد حسین تھیں تو سرورِ عالم کی ہزاروں دفعہ کی دیکھی ہوئی تھیں۔ آپ اُن سے نکاح کے خواہشمند ہوتے تو بہت پہلے سے نکاح کر سکتے تھے۔ خود وہ اور اُن کے بھائی چاہتے تھے کہ آپ ان سے نکاح کر لیں۔ اگر آپ اُن کے حسن سے متاثر تھے تو اس وقت کیوں نہ تھے جب وہ جوانی میں بھرپور تھیں؟ ان کے کنوارپنے کے زمانہ میں کیوں پیام نکاح نہ دیا؟ اس وقت کون سی رکاوٹ تھی؟

حضرت زید کے ساتھ آپ کا برتاؤ شروع ہی سے انتہائی شفقت کا تھا۔ اس درجہ کا کہ بدگمانی کی رتی برابر گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اخلاص کی یہ کیفیت کہ جب زید کے چچا نے انہیں لے جانا چاہا تو زید نے جانے سے قطعی انکار کر دیا۔ ماں باپ چچا سب کو چھوڑنا اپنی خوشی سے منظور کیا مگر نہ چھوڑا تو آپ کا دامن شفقت۔ وہ آزاد کیے جا چکے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں آپ کے پاس رہنے پر مجبور نہ کر سکتی تھی مگر آپ کے سلوک میں اس قدر پیار اور محبت تھی کہ وہ چچا کے ساتھ نہ گئے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نے طائف کا دورہ کیا تو بڑے بڑے جاں نثاروں کی موجودگی کے باوجود صرف زید آپ کے ہمراہ تھے۔ طائف میں آپ پر اس قدر سنگباری کی گئی کہ بے ہوش ہو گئے اور زید نے چھ

پر اٹھا کر آبادی سے باہر لے گئے اور پانی کے چھینٹے دیئے تو آپ ہوش میں آئے۔ فتح مکہ کے وقت آپ شہر میں داخل ہوئے تو انہیں زید کے بیٹے اسامہ جن کی پرورش و پرداخت خود آپ نے کی تھی۔ اونٹ کی پیٹھ پہ آپ کے ساتھ تھے۔ شہادت زید کے تین سال بعد جب لشکر اسلام رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تو آپ نے اس کی سرداری اسامہ بن زید کو بخشی جو کچھ ایسے تجربہ کار تو تھے نہیں حالانکہ لڑائیوں کے بڑے بڑے ماہر تجربہ کار صحابہ موجود تھے۔ ان تاریخی واقعات کی موجودگی میں کوئی منصف مزاج ذی عقل دم بھر کو بھی باور کر سکتا ہے کہ آپ نے خود نکاح کرنے کی غرض سے زید سے بی بی زینب کو طلاق دلوائی ہو۔ اور جس شخص کے ساتھ مسلسل ۳۲ سال سے باپ سے بڑھ کر آپ نے سلوک کیا ہو ایک ساعت کے لئے بھی اسے یہ خیال آ سکتا ہے کہ آپ اوپری دل سے کہہ رہے تھے کہ طلاق نہ دو۔ اللہ سے ڈرو۔ زید کو اگر ذرا سی بھی بدگمانی یا شبہ ہو جاتا تو انسانی فطرت کے قطعی خلاف تھا کہ اسکے رویہ میں فرق نہ آتا مگر تادم حیات زید کی اطاعت شعاری اور عقیدت غیر متزلزل رہی۔

لے پالک پر جو اعتراض ہے تو حضرت علی مرتضیٰ کو بھی آپ بیٹا سمجھتے اور کہتے تھے ان کی شادی آپ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی سیدۃ النسا حضرت فاطمہ زہرا سے کی تو اس پر اس نظریہ کے تحت کیوں اعتراض نہیں کیا گیا؟

بی بی زینب نے رسول اللہ سے شادی کی خوش خبری سنتے ہی ان کے جسم پہ جو زیور تھا سب اتار کر سلمیٰ لونڈی کو دیدیا یہ شہادت کسی مستند اور

معتبر روایت سے نہیں ملتی اور لو فرضنا اگر کسی طرح ثابت بھی ہو جائے تو
اس سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات نعوذ باللہ نفس پرور
عیش پرست تھے جیسا کہ غیر مسلم مورخین نے افترا پردازی کی ہے بلکہ اس
سے تو تصدیق ہوتی ہے اس حقیقت کی کہ زید سے نکاح سے قبل ہی بی بی
زینب اور اُن کے بھائی کی دلی خواہش تھی کہ آپ خود زینب سے نکاح
کر لیں۔

رسول اللہ نے "بہت بڑی دعوت کی" اس میں بھی مبالغہ ہے۔ بڑی بڑی
دعوتیں تو وہ شخص کرتا ہے جس کے پاس مال و زر ہے۔ اللہ کے رسول کے
گھر میں تو مہینہ مہینہ بھر تک چولھا روشن نہ ہوتا تھا اور کئی کئی وقت کے
اوپر تلے فاقے ہوتے تھے۔ تمام عرب میں جن کی حکمرانی تھی مگر رحلت کے
وقت جن کے گھر میں سوائے تھوڑے سے جو کے کچھ نہ نکلا ان کے پاس رکھا گیا
تھا جو بڑے بڑے پیمانہ پر دوستوں کی دعوتیں ہوتیں۔ معمولی دعوت کی گئی
تھی۔ بخاری صحیح میں انس بن مالک کی چار روایتیں درج ہیں کہ وہ لوگوں
کو بلاتے وہ کھاتے اور چلے جاتے مگر تین آدمی بیٹھے رہے۔ رسول اللہ باہر
آ گئے تاکہ یہ لوگ چلے جائیں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ اس موقعہ پر
سورۂ احزاب کی ترپنویں آیت نازل ہوئی جو آیت حجاب کہلاتی
ہے اور جس کے اترنے پر دروازہ پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے

"اے ایمان والو نبی کے گھر میں مت جاؤ مگر جب کھانے کے
لئے اجازت دی جائے۔ ایسے طور پر کہ تم تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن

جب تم کو بلایا جائے اس وقت جاؤ۔ جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور فضول باتیں بیٹھے نہ کیا کرو کہ نبی کو ناگوار گذرتی ہیں اور وہ لحاظ میں نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔"

یہ ۵۳ ویں آیت اسی موقع کی ہے مگر چھٹی آیت جس کا ذکر اس آیت کے ساتھ ساتھ یورپین مصنفین ولیم میور وغیرہ نے کیا ہے اس موقع سے اس کا قطعی کوئی تعلق نہیں ہے چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ
"نبی مسلمانوں کے لئے ان کی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں اور نبی کی بیویاں (عزت و حرمت میں) اُن کی مائیں ہیں۔"

یہ آیت کئی سال بعد نازل ہوئی تھی مگر مورخین یورپ نے تحقیق کی تکلیف گوارا فرمائے بغیر پڑھنے والوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس آیت کو بھی ۵۳ ویں آیت کے ساتھ ہی ملا دیا!!

حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت نے زینب کے برابر کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا کیونکہ ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا صحیح بخاری کے پارہ اکیس میں صفیہ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ نبی صلعم نے بعض بیویوں کا ولیمہ چار سیر جو ہی سے کر دیا تھا۔ بی بی زینب کے ولیمہ کے موقع پر حضرت ام سلیم نے ایک لگن میں ملیدہ بنا کر اپنے بیٹے حضرت انس کے ہاتھ بھیجا تھا اور کہلوایا تھا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔

تعصب سے ہٹ کر غیر جانب داری سے کام لے کر اور صحیح روایات

اور تاریخی واقعات سامنے رکھ یہ تسلیم کرنے پر انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ بی بی زینب بنت جحش کے نکاح سے رسول اللہ کی نفسانی خواہشیں یا دنیاوی اغراض وابستہ نہ تھیں۔

اس نکاح کے صحیح اسباب یہ تھے۔

(۱) یہ نکاح اس زمانہ میں ہوا جب مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے مسلمان مرد راہ خدا میں شہید ہو رہے تھے اور اسلام ان کی بیواؤں کا مستقبل نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ بغیر شوہروں کی جو عورتیں تھیں ان کی عصمت کی حفاظت سب سے مقدم تھی۔ انہیں بے سہارا بغیر کسی سردھرے کے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ بی بی زینب بالکل ابتدا کے اسلام لانے والوں میں سے تھیں۔ انہوں نے محض اسلام کی خاطر ترک وطن کیا اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو چھوڑ کر مکہ سے مدینہ آئیں۔ ان کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی اور ان کے اسلامی حقوق کا بھی اقتضا تھا کہ ان کا مستقبل نظر انداز نہ کیا جاتا۔

(۲) زید آزاد غلام تھے اور یہ ایک معزز خاندان کی بیٹی۔ اُن سے شادی کرنے کو یہ اپنی ذلت سمجھتی تھیں۔ ان کی اور ان کے بھائی کی دلی خواہش تھی کہ رسول اللہ ان سے نکاح کر لیں مگر زید کو ناپسند کرنے کے باوجود (آپ کے ارشاد کی جب اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی) تو انھوں نے زید سے شادی کر لی۔ گویا رسول اللہ کی خاطر انہوں نے اپنے خیال کے مطابق جو ذلت گوارا کی تھی اس میں اور اضافہ ہوا طلاق ہو جانے سے۔ اور اس کی تلافی اور ان کی دلجوئی ارسول اکرم کا اخلاقی فرض تھا۔

(۳) اگر یہ دونوں وجوہ نہ ہوتیں جب بھی یہ نکاح عربوں کی اصلاح کی غرض سے کیا گیا۔ عرب کے تمدن کے مطابق طلاق ہونے کے بعد بی بی زینب کی قدر ومنزلت میں فرق آگیا تو اپنے طرزِ عمل سے رسول اللہ نے مسلمانوں کو بتادیا کہ یہ نظریہ محض جہالت پر مبنی ہے۔

(۴) اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب نہ ہوتے (حالانکہ تھے اور ضرور تھے) جب بھی یہ نکاح ایک نہایت اہم مسئلہ صاف کر رہا ہے کہ اسلام میں منہ بولے یا لے پالک بیٹے یا متبنے کی قطعی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا اس کی بیوہ یا طلاقن سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔

خصائل اور فضائل

بی بی عائشہ صدیقہ کو دوسری ازواج مطہرات پر کئی اعتبار سے فضیلت تھی۔ اُن کا مقابلہ اگر کوئی کر سکتا تھا تو وہ بی بی زینب بنت جحش تھیں۔ بی بی عائشہ نے دوسری ازواج مطہرات سے ایک دفعہ کہا کہ مجھے رسول اللہ کی بیویوں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ میری برات کی آیتیں آسمان سے اتریں تو بی بی زینب نے کہا۔ "اور میرا نکاح آسمان سے اُترا" خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کانَتْ تُسَامِیْنِیْ وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں۔ انصاف پسند اور راست گو اس درجہ کی تھیں کہ فتنۂ افک کے موقع پر جب سرور کائنات نے ان کی رائے معلوم کی تو حالانکہ بی بی عائشہ سے مقابلہ رہتا تھا اور معاملہ تھا رقابت کا مگر انہوں نے جو سچی بات تھی وہ کہہ دی مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا میں نے تو ہمیشہ عائشہ میں خوبیاں ہی دیکھی ہیں ان کی اس راست بازی

سے بی بی عائشہ ہمیشہ متاثر رہیں۔ فرمایا کرتی تھیں "جب مجھ پر تہمت لگائی گئی اور زینب سے پوچھا گیا تو انہوں نے جو حقیقت تھی وہی بیان کی۔"

بی بی اُم سلمہ فرماتی ہیں: "زینب نیک خو، روزہ دار نماز گذار رہیں"

بی بی عائشہ فرماتی ہیں "ہم میں سب سے زیادہ سخی زینب تھیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتی اور پھر راہ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔" وہ اپنے ہاتھ سے چمڑا کا کام کرتی تھیں۔ اور جو آمدنی ہوتی مساکین پر صرف کر دیتی تھیں۔ محلہ اور اڑوس پڑوس کی نادار عورتوں اور یتیم بچوں کے لئے بہت بڑا سہارا تھیں۔ ان کی اس صفت ہی کی وجہ سے رسول اللہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ تم میں سے جو لمبے ہاتھ والی ہو گی وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر سب ازواج اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ دیکھیں کس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ کا مقصد سخاوت اور فیاضی سے تھا۔"

بی بی عائشہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ "میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دین دار نہیں دیکھی۔ وہ نہایت متقی۔ زبان کی سچی۔ عزیزوں سے بڑھ کر سلوک کرنے والی اور بہت صدقہ دینے والی تھیں۔"

جب ان کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقرا اور مساکین کو بے حد رنج ہوا

ایک دن رسول اللہ مہاجرین میں مال و اسباب تقسیم فرما رہے تھے۔ بی بی زینب نے دخل دیا۔ حضرت عمر کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ انہوں نے روکا۔

رسول اللہ نے فرمایا" انہیں کہنے دو۔ ان کی بات کا برا نہ مانو بہت عابد و زاہد اور منصف مزاج ہیں"۔

ایک دن رسول اللہ ان کے گھر آئے تو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا "بڑی رقیق القلب ہیں"۔

رسول اکرم کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں۔ آپؐ کو سرخ رنگ پسند نہ تھا۔ ایک دن بی بی زینب سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں آپ تشریف لائے اور چلے گئے۔ بی بی زینب سمجھ گئیں اسی وقت کپڑے دھو ڈالے۔

حضرت عمر فاروق جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے امہات المومنین کے وظائف بارہ ہزار درہم مقرر کئے۔ بی بی زینب ساری رقم بیواؤں یتیموں مسکینوں کی مدد پر صرف کر دیتی تھیں۔ حضرت عمر کو جب واقعات معلوم ہوئے تو خود ایک ہزار درہم لاکر پیش کئے۔ غالباً اس خیال سے کہ عمر نے مجھے فضول خرچ سمجھا انھوں نے لونڈی کو حکم دیا کہ سب درہم غرباء میں تقسیم کر دیئے جائیں اور دعا کی کہ عمر کے عطیہ کے وقت اب میں موجود نہ ہوں۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

سرورِ کائنات کے بعد امہات المومنین میں سب سے پہلے انہوں نے رحلت کی۔

رحلت | سرورِ کائنات سے نکاح کے وقت ۳۸ برس کی تھیں ۲۰ھ ہجری میں مدینہ میں رحلت فرمائی۔ کفن کا سامان خود تیار کر رکھا تھا۔ حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اپنے بعد انہوں نے ایک مکان چھوڑا تھا جسے ولید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں ملا دیا تھا

(۸)

اُمّ المؤمنین حضرت بی بی جویّریہ

نام اور خاندان اصلی نام برّہ تھا۔ رسول اکرم نے بدل کر جویریہ کر دیا اور اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

ان کا باپ حارث بن ابی ضرار قبیلۂ بنی مصطلق کا بہت مشہور اور معزز سردار اور رسول اکرم کا سخت دشمن تھا۔ اس کی بہادری اور شہ سواری کی دور دور دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ قبیلۂ بنو مصطلق جس کی شجاعت مسلمہ تھی بنو خزاعہ ہی کی ایک شاخ تھا۔

عمر اور پہلی شادی بی بی جویریہ کی پیدائش ہجرت سے ۱۹ سال قبل کہی جاتی ہے اس حساب سے ۵ھ ہجری میں وہ ۲۰ سال کی تھیں۔ ان کی پہلی شادی ان کے باپ حارث بن ابی ضرار نے اپنے ہی کنبہ کے ایک نوجوان مسافع بن صفوان سے کر دی تھی۔ مسافع اپنے خسر سے بھی زیادہ جری اور بہادر تھا اور جہاں جاتے ہوئے بڑے بڑے دلیر گھبراتے تھے مسافع بے خوف و خطر چلا جاتا تھا۔

جنگ بنی مصطلق ۵ھ ہجری ہجرت نبوی کے پانچویں سال کی دسمبر ۶۲۶ء عیسوی) میں قبیلہ بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں کی اطلاع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن الحصیب اسلمی کو روانہ کیا۔ وہ مدینہ سے نکل کر ۹ میل کے فاصلہ پر موضع فرع میں پہنچے جو بنو مصطلق کے مشہور چشمہ مریسیع سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ وہاں جاکر انہوں نے جو حالات دیکھے تھے واپس آکر سرور کائنات کو بتائے کہ بنی مصطلق کی فوجیں پھیلی ہوئی ہیں اور حارث بن ضرار کے اکسانے پر اڑوس پڑوس کے تمام قبائل مسلح ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے مریسیع پہنچنے شروع ہو گئے ہیں یہ اطلاع ملنے پر آپ نے زید بن حارثہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کا لشکر لے کر ۲ شعبان ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور مریسیع پہنچ کر قیام کیا جو موضع قدید کے قریب ہے۔ بنی مصطلق اور دوسرے قبائل نے جو مسلمانوں کو دیکھا تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی یہودیوں کے معاونین جن کے بڑے دم خم تھے اور جو دور دور سے مدینہ کو لوٹنے اور اسلام کو مٹانے کے لئے آئے تھے وہ تو بھاگ گئے اور حارث اور ان کے ہمراہی جن کی تعداد سات سو سے اوپر تھی وہیں موجود رہے۔ سرور کائنات نے مہاجرین کا علم حضرت ابو بکر اور انصار کا سعد بن عبادہ کو عنایت فرما کر لشکر کو آراستہ ہونے کا حکم دیا۔ اور یہودیوں کو پیغام صلح بھیجا جس کی انہوں نے پرواہ نہ کی لہٰذا جنگ شروع ہو گئی اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمان غالب آگئے۔ یہودیوں کے دس بارہ آدمی مارے گئے تھے کہ بی بی جویریہ کے شوہر مسافع کے گرتے ہی بنو مصطلق کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حارث آنکھ بچا بھاگ نکلا۔ اور سب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حارث کا تمام کنبہ عورتیں اور بچے بھی

شریک جنگ تھے۔ وہ گرفتار ہوئے اور مال غنیمت اکٹھا کیا گیا اور مدینہ پہنچ کر ان سب کی تقسیم ہوئی۔ جنگی قیدیوں میں حارث کی بیٹی بی بی جویریہ بھی تھیں۔

دوسرا نکاح رسول اللہ سے
شعبان ۵ھ مطابق دسمبر ۶۲۶ء

مدینہ پہنچ کر جنگی قیدیوں کی تقسیم ہوئی تو قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ جن کا پہلا شوہر مسافع بن صفوان اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ ثابت بن قیس انصار قبیلہ خزرج میں سے تھے اور بنو مصطلق سے رشتہ داریاں تھیں۔ انھوں نے بی بی جویریہ کی آزادی ۹ اونس سونا ادا کرنے کی شرط پر منظور کر لی۔ اب ایک بیان تو یہ ہے کہ بی بی جویریہ رسول اللہ صلعم کی رحمدلی ہمدردی فیاضی سے باخبر تھیں سیدھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور گو اس وقت میری حیثیت ایک قیدی کی ہے مگر اپنے قبیلہ کے سب سے بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔ ثابت نے اس شرط پر مجھے آزاد کیا ہے کہ میں اتنی رقم انہیں ادا کر دوں مگر میں اس وقت مجبور ہوں۔ آپ میری مدد فرمایئے آپ ان کی گفتگو سے متاثر ہوئے اور ان کی رقم ادا کر کے آزاد کر دیا۔ اس وقت بی بی جویریہ نے خواہش کی آپ کو شرفِ زوجیت بخشیں۔ چنانچہ آپ کا نکاح ہو گیا۔ مسلمان اس رشتہ سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آپس میں کہا کہ بنو مصطلق رسول اللہ کی زوجہ محترمہ کے عزیز ہیں اب ان کو قید رکھنا سوءِ ادب ہے اس لئے نہ صرف سب قیدی رہا کئے گئے بلکہ مال و اسباب بھی جو ہاتھ آیا تھا وہ بھی سب کا سب ان کو واپس کیا گیا۔ ان لوگوں نے جو اسلام کا

یہ سلوک دیکھا تو ان میں سے بہت سے ایمان لے آئے۔

تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ حارث کچھ سامان فراہم کر کے بیٹی کو لینے کی غرض سے مدینہ آیا۔ اس نے دو اونٹ جنہیں وہ بہت پسند کرتا تھا عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا دیئے کہ واپسی پر لیتا جاؤں گا ورنہ کہیں یہ بھی بیٹی کو چھڑانے میں ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ مدینہ آکر وہ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میری بیٹی کا فدیہ قبول کر کے اسے رہا کیجئے۔ آنحضرت نے فرمایا اچھا وہ دو اونٹ تو لاؤ جو تم چھپا آئے ہو۔ یہ سُن کر وہ ہکا بکا رہ گیا اور مسلمان ہو گیا۔ بیٹی کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوا اور ام المومنین سے ملنے گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ بی بی جویریہ نے ثابت بن قیس کو آزادی کی قیمت نو اوقیہ سونا ادا کرنے کی تحریر دی تھی اور یہ واقعہ جب رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر سنایا تو آپ نے قیمت ادا کر دی۔ اور ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ حارث بن ضرار مدینہ آیا۔ اور آپ سے کہا میں ایک معزز سردار ہوں میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ آپ اُسے آزاد کر دیں۔ آپ نے فرمایا جویریہ جو پسند کرے وہی ٹھیک ہے۔ حارث نے بیٹی سے پوچھا انہوں نے کہا میں رسول اللہ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ بی بی جویریہ اور ان کے باپ دونوں مسلمان ہو گئے اور حارث کی درخواست پر آپ نے بی بی جویریہ سے نکاح کیا۔

اس نکاح کی برکت سے جو قیدی آزاد کئے گئے تھے وہ دو سو سے اوپر تھے

ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ "جویریہ کا نکاح ان کی قوم کے لئے انتہائی خیر و برکت کا سبب ہوا کہ ساری قوم غلامی سے نکل کر اس روز آزاد ہوگئی اور ان میں سے بہت سے مسلمان ہوئے میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لئے اس قدر بابرکت ثابت ہوئی ہو"

خصائل

ام المومنین حضرت جویریہ بڑی باہمت اور بہادر خاتون تھیں۔ جنگ یرموک۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت کی بہت مشہور لڑائی ہے جس میں حضرت اسماء بنت ابوبکر حضرت خولہ اور اسماء بنت یزید کے ساتھ ام المومنین نے بھی حصہ لیا اور نہایت شجاعت اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا تھا۔

بی بی جویریہ بہت پرہیزگار اور عبادت گذار تھیں۔ نماز کے علاوہ اوراد و وظائف میں بھی ان کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک دن سرور کائنات نے صبح کے وقت ان کو مصلے پر دیکھا۔ اور اسی دن دوپہر کو دیکھا تو بھی اسی مصلے پر بیٹھی پڑھ رہی تھیں۔ دریافت فرمایا کیا صبح سے ابھی تک تم اسی مصلے پر بیٹھی پڑھ رہی ہو۔ عرض کیا "جی ہاں"

ام المومنین بی بی جویریہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم جمعہ کے دن ان کے ہاں تشریف لائے اور وہ روزہ سے تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا کل تم نے روزہ رکھا تھا۔ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کیا کل تم روزہ رکھنا چاہتی ہو" انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو روزہ توڑ دو۔ (صحیح بخاری)

ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس۔ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر نے ان سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی اس طرح بھی تعریف کی ہے۔

"جویریہ میں ایک شیریں دلکشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کی جگہ ہو جاتی تھی۔"

رحلت

سنہ ۵۶ ہجری میں جب امیر معاویہ کا زمانہ خلافت تھا۔ ۷۰ سال کے قریب عمر پاکر رحلت کی بعض مورخین ان کا سال وفات سنہ ۵۰ھ لکھ رہے ہیں۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(۹)

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ

نام اور خاندان

ان کا اصلی نام رملہ تھا مگر اپنی بیٹی حبیبہ کے نام پر (جو پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے تھیں) کنیت ام حبیبہ رکھ لی تھی۔ یہ کنیت ان کے اصلی نام سے زیادہ مشہور ہوئی اور تاریخ میں بھی ام حبیبہ ہی مشہور رہیں۔

یہ بہن تھیں امیر معاویہ کی اور بیٹی ابو سفیان بن حرب کی اور حرب عبد شمس بن عبد مناف کا بیٹا تھا۔ عبد مناف کے بیٹے عبد المطلب دادا تھے رسول اللہ صلعم کے۔ گویا ایک ہی خاندان کی دو شاخیں اس طرح تھیں۔

قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی

عبد مناف

ہاشم	عبد شمس	
عبد المطلب	امیہ (ددھیال)	ننھیال
عبد اللہ	حرب	ابو العاص
محمد رسول اللہ	ابو سفیان باپ	ماں صفیہ
	ام حبیبہ	معاویہ

بی بی اُمِّ حبیبہ کی ماں تھیں صفیہ اور وہ بیٹی تھیں ابوالعاص بن امیہ کی جو حضرت عثمان کا دادا تھا۔ گویا ام حبیبہ حضرت عثمان کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ غرض کہ ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے شریف اور معزز خاندان کی تھیں۔

ابوسُفیان

بی بی اُمِّ حبیبہ اور معاویہ کے باپ ابوسفیان نہایت جاہ و جلال اور رعب و دبدبہ کے بہت دلیر اور جری شخص تھے اور بنوامیہ کو ان کی شخصیت پر بڑا ناز تھا۔ نہ صرف عرب ان سے مرعوب تھا اور ان کا لوہا مانتا تھا بلکہ بیرونِ عرب شاہانِ فارس و روم بھی ان کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ابوسفیان کی رسالتمآب سے انتہائی دشمنی کی ایک بڑی وجہ خاندانی عداوت تھی۔ سرورِ کائنات کعبہ کے متولی عبدمناف کی چوتھی پشت میں تھے۔ اس کے دو بیٹے ہاشم اور عبدالشمس جوڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کہ عبدالشمس کے پاؤں کا تلوا ہاشم کے ماتھے سے ملا ہوا تھا۔ جسے تلوار سے کاٹ کر الگ کیا گیا اور جس پر اُس وقت کے نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں کی اولاد میں تلوار چلے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنی امیہ بنوہاشم کے دشمن تو پہلے ہی تھے۔ اب جو سرورِ کائنات نے دعویٰ نبوت کیا۔ تو بنوامیہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ بنوہاشم کا ایک شخص یکہ و تنہا غریب و بے یار و مددگار ان کے آبائی عقائد کو باطل قرار دے اور قوم کی پیشوائی کرے۔ مکہ میں تیرہ سال تک رسول اکرم صلعم کو جو جو تکلیفیں اٹھانی پڑیں ان کی تہہ میں بنوامیہ کا ہاتھ تھا

جب رسول اللہ پر اور مسلمانوں پر قریش نے مظالم کی انتہا کر دی اور آپ اور مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ گئے۔ جب بھی ان کے کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑی۔ اور ۲ھ ہجری میں معرکہ بدر پیش آیا جس میں ابوجہل مارا گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان قریش کا سب سے بڑا سردار ہوا اور اس کی سرکردگی میں اور دو دفعہ مدینہ پر چڑھائی ہوئی۔ پہلی دفعہ احد پہ مقابلہ ہوا اور دوسری دفعہ جنگ احزاب (جنگ خندق) میں۔ سرور کائنات اور بنو ہاشم سے بنو امیہ کی دشمنی اس درجہ کی تھی کہ جنگ احد میں سرور عالم کے چچا حضرت حمزہ شہید ہوئے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے لاش سے جگر نکال کر چبایا اور جب نہ نگل سکی تو تھوک دیا۔ ۸ھ ہجری میں بغیر لڑائی کے جب آپ نے مکہ فتح کر لیا۔ تو ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔ ایک ماہ بعد حنین کی لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔ تو ابوسفیان کو سو اونٹ چالیس اونس چاندی ملی۔ طائف اور یرموک کی لڑائیوں میں بھی انہوں نے شرکت کی۔

عمر۔ پہلا نکاح اور اولاد

سرور کائنات کو جس وقت نبوت عطا ہوئی تو بی بی ام حبیبہ سترہ برس کی تھیں۔ گویا آپ سے ۲۳ سال چھوٹی تھیں ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ اس سے ان کے ہاں ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا اور ایک لڑکی حبیبہ۔ اس کے نام پر ان کی کنیت ام حبیبہ ہو گئی۔ حبیبہ کی تربیت میں رسول اللہ کا بھی حصہ تھا۔ ان کی شادی قبیلہ ثقیف کے رئیس داؤد بن عروہ بن مسعود سے ہوئی۔

قبولِ اسلام

بی بی اُمِ حبیبہ شروع شروع کی اسلام قبول کرنے والی خواتین میں سے تھیں۔ اُن کے باپ ابوسفیان اور ان کے بھائی معاویہ نے رسول اکرم کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور اسلام کی راہ میں سخت روڑے اٹکائے اور بی بی ام حبیبہ کو بہت برا بھلا کہا۔ ڈانٹا ڈپٹا۔ دھمکیاں دیں۔ طرح طرح سے ڈرایا مگر انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور پائے استقامت میں نام کو بھی لغزش نہ آنے دی۔ ان کے ترغیب دینے سے ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان ہو گیا۔

ہجرتِ حبش

مکّہ کے بت پرستوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں نے حبش کی طرف ہجرت کی تو بی بی اُم حبیبہ اور ان کے شوہر بھی ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ عبید اللہ بن جحش شراب تو پہلے بھی پیتا تھا۔ حبش آکر کثرت سے پینے لگا۔ اور اسلام سے پھر کر عیسائی ہو گیا۔ بی بی ام حبیبہ کو اس کا بے حد صدمہ ہوا۔ مگر ان کی ثابت قدمی ان کے ایمان ان کے عقیدے میں مطلق فرق نہ آیا۔ انہوں نے شوہر سے علیحدگی پسند کی مگر اسلام چھوڑنے کا خیال تک نہ کیا۔ انہوں نے عبید اللہ سے طلاق لے لی۔ اور چند ماہ بعد اس کا حبش ہی میں انتقال ہو گیا۔

دوسرا نکاح رسول اللہ سے سنہ ۶ھ

اسلام کی خاطر بی بی ام حبیبہ نے باپ بھائی اور سارے کنبہ کی جھڑکیاں سہیں اور لعن طعن سُنی اسلام ہی کی خاطر انہوں نے وطن چھوڑ کر پردیس

کی راہ لی۔ اسلام ہی کی وجہ سے انہوں نے شوہر سے علیحدگی اختیار کی۔ طلاق لی اور بے سہارا رہ گئیں۔ پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی۔ کوئی سر دھرا تھا نہ مددگار سرورِ عالم کو جب ان کی مصائب کا حال معلوم ہوا تو ان کی خدمات اسلام۔ ان کی تکالیف اور پریشانی کو سامنے رکھ کر ان کی دلجوئی اور ہمدردی جو بڑی سے بڑی اور زیادہ سے زیادہ عملی صورت میں ہو سکتی تھی وہ کی اور ان کو شرفِ زوجیت بخشا۔ آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو ایک خط اپنی طرف سے دے کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا کہ تم اُمِ حبیبہ سے اپنی وکالت میں میرا نکاح کر دو۔ اور مہر بھی ادا کر دو۔ نجاشی نے آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل کر دی۔

بی بی اُمِ حبیبہ اس نکاح کا حال خود بیان کرتی ہیں کہ میں حبش میں بالکل اکیلی تھی اور تنہائی کی وجہ سے بہت پریشان۔ میرا شوہر عبید اللہ عیسائی ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس سے علیحدگی کر لی تھی۔ اس کے مرنے کے چند دن بعد نجاشی کی لونڈی ابرہہ میرے پاس آئی۔ اور کہا بادشاہ سلامت نے تمہارے پاس مجھے بھیجا ہے اور کہلوایا ہے کہ پیغمبرِ خدا نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں اپنی وکالت سے ان کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔ یہ سن کر میں بجا خوشی ہوئی اور اپنے ہاتھوں کے چاندی کے دو کنگن اور چاندی کی انگوٹھیاں ابرہہ کو دیدیں[1]۔ ابرہہ نے کہا بادشاہ نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ تم کسی ایسے آدمی کو بتاؤ جو اپنی وکالت سے تمہارا نکاح کر سکے۔ خالد بن سعید حبش میں رہتے تھے

---

[1] اور جب بی بی ام حبیبہ کو مہر کی رقم ملی تو اس میں سے پچاس دینار بھی ابرہہ کو دیئے۔

میں نے ان کو کہلا بھیجا۔ شام کو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب۔ عثمان بن عفانؓ اور جو جو مسلمان حبش میں تھے ان کو بلایا۔ اور جب سب آ گئے تو اس نے خدا کی تعریف کے بعد کہا کہ رسول اللہ نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ کا آپ سے نکاح کر دوں۔ رسول اللہ نے مجھے جس بات کا پیام بھیجا ہے۔ میں نے اُسے تسلیم کیا اور ام حبیبہ کا چار سو دینار مہر[1] مقرر کیا۔ یہ کہہ کر شاہ حبش نے چار سو دینار رکھ دیئے تو خالد بن سعید اُٹھے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کا فرمان قبول کیا۔ جس کی آپ نے ہدایت فرمائی۔ اور میں نے ابو سفیان کی بیٹی اُم حبیبہ کو ان سے بیاہ دیا۔ ایجاب و قبول کے بعد نجاشی نے چار سو دینار خالد کو دیدیئے اور انہوں نے میرے پاس بھیج دیئے۔ نکاح کے بعد جب سب جانے لگے تو نجاشی نے انہیں روکا اور کہا کہ انبیا کا طریقہ یہ ہے کہ طعام ولیمہ کھلایا جائے۔ اس لئے آپ حضرات کھانا کھا کر جائیں۔ یہ کہہ کر اس نے کھانا منگایا۔ اور سب کو کھلایا۔ دوسرے روز ابرہہ لونڈی اس کی طرف سے میرے لئے بہت سا مشک و عنبر لائی۔ پھر نجاشی نے شرجیل بن حسنہ کے ساتھ مجھے جہاز میں بٹھا کر حفاظت سے مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ جب مدینہ پہنچیں تو آنحضرت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔

سرور کائنات کا یہ نکاح ۶ھ ہجری کے آخر میں ہوا اس وقت

---

[1] صاحب سیر الصحابیات کی رائے ہے کہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔

عیسوی سال ۶۲۸ء تھا۔ آپ کی عمر اس وقت ۵۹ سال تھی اور بی بی ام حبیبہ ۳۶ سال تھیں۔ دیباچہ تجرید بخاری میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ مدینہ میں نکاح ہوا تھا اور حضرت عثمان نے نکاح باندھا تھا۔

نتیجۂ نکاح

ابوسفیان کو جب معلوم ہوا کہ ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ سے ہو گیا ہے۔ تو باوجود اس کے کہ وہ رسالت مآب کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اُن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

"وہ ایک ایسا جواں مرد ہے جس کی عزت پر کسی طرح کا دھبہ نہیں ہے۔"

اس نکاح سے سرور کائنات نے ثابت کر دیا کہ آپ قریش کے مخالف نہیں تھے۔ آپ کی مخالفت تو صرف ان سے تھی جو بت پرستی کرتے اور خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرتے تھے اور نہ قریش جن کے ہاتھوں آپ نے سخت سے سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کے اپنے ہی عزیز تھے۔ اس نکاح کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ ابوسفیان کی مخالفت میں کمی ہو گئی۔ اور یہ ترقی اسلام کے لئے معمولی بات نہ تھی۔

عشق رسول

۸ھ ہجری میں ابوسفیان مدینہ آئے۔ اور آئے یوں کہ قریش نے صلح نامہ حدیبیہ سے پھر کر قبیلۂ بنو خزاعہ سے لڑائی کر لی۔ اس قبیلہ کا بھی رسول اللہ سے معاہدہ تھا۔ قریش نے ابوسفیان کو آپ سے عہد جدید کے لئے مدینہ بھیجا۔ وہ سیدھے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس آئے۔ انہوں نے باپ کو تو گھر میں بلا لیا مگر اس گدے کو اٹھا کر رکھ دیا جس پہ سرور کائنات بیٹھتے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا

بیٹی کی یہ حرکت ناگوار گذری اور پوچھا "کیا تم نے یہ گدا اس لئے اٹھا کر رکھا ہے کہ میں اس پر نہ بیٹھوں"۔ بی بی ام حبیبہ نے کہا "جی ہاں۔ آپ بت پرست ہیں۔ اور یہ خدا کے پاک نبی کے بیٹھنے کا گدا ہے"۔

بی بی ام حبیبہ کا یہ بھی عشق رسول ہی تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے رسول اللہ سے کہا آپ میری بہن سے نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا "کیا تمہیں یہ پسند ہے" کہا "جی ہاں"۔ رسول اللہ نے ان کی خوشی پوری نہیں کی کیونکہ شرع کی رُو سے ایک وقت میں دو حقیقی بہنیں کسی شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ پھر آپ فطرتاً متعدد شادیوں کی طرف مائل بھی نہ تھے۔ یہ جواب تک نکاح کئے تھے یہ سب دینی اور سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے۔

عشق رسول ہی کا یہ تیسرا واقعہ ہے کہ جب سے رسول اللہ سے سُنا کہ روزانہ بارہ رکعت نفل پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اس وقت سے ہمیشہ بارہ نفل روزانہ پڑھے۔

رحلت ام المومنین بی بی حبیبہ نے ۴۴ھ ہجری میں جب ان کی عمر ۷۴ برس تھی۔ اپنے بھائی امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں بمقام مدینہ انتقال کیا۔ اور قبرستان بقیع میں مدفون ہوئیں۔

ایک روایت ہے کہ ان کی قبر حضرت علی مرتضیٰ کے گھر میں تھی۔

"انتقال سے قبل انہوں نے بی بی عائشہ اور بی بی ام سلمہ سے کہا "سوکنوں میں آپس میں تلخ باتیں بھی ہو جایا کرتی ہیں۔ میرا کہا سنا معاف کرنا" دونوں نے خوشی سے معاف کر دیا۔

(۱۰)

اُمّ المومنین حضرت صفیہ بنت حُیّیؓ

نام اور خاندان

ان کا نام زینب تھا۔ عرب میں مال غنیمت کا ایک حصہ جو سب سے بڑے سردار یا بادشاہ کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا صفیہ کہلاتا تھا۔ جنگ خیبر میں وہ اسی طرح رسول اکرم کے نکاح میں آئی تھیں۔ اس وجہ سے صفیہ مشہور ہو گئیں۔ ان کے باپ حُیّی بن اخطب بن سعنہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران کی نسل میں سے تھے اور چونکہ یہ پیغمبر کی اولاد میں سے تھیں اس لئے ان کے خاندان کو تمام یہودی نہایت عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے باپ حیی یہودیوں کے ایک معزز سردار تھے اور ان کی ماں ضرہ بیٹی تھیں قریظہ کے نامور سردار سموئیل کی جس کی شجاعت، دیانت اور ہمدردی سارے عرب میں مشہور تھی۔

پہلی شادی

بی بی صفیہ کی عمر ۱۴ سال تھی کہ ان کے باپ حییؓ بن اخطب نے ان کی شادی مشہور شہسوار اور نامور شاعر سلام بن مشکم سے کر دی مگر میاں بیوی میں موافقت نہ ہو سکی۔ تعلقات بجائے بہتر ہونے کے بدتر ہوتے چلے گئے۔ آئے دن کی ناچاقی اور روز روز کی کل کل

پٹ پٹ کی وجہ سے سلام بن مشکم نے انہیں طلاق دے دی۔

دوسری شادی سلام بن مشکم سے طلاق ملنے کے بعد ان کے باپ نے ان کی دوسری شادی ایک مشہور شاعر کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دی جو بنو قریظہ کا ایک جری اور مقتدر سردار تھا۔ اور یہودیوں کے سب سے مضبوط قلعہ القموص میں رہتا تھا۔ ۷ھ ہجری میں جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا تو کنانہ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس کی بیوی زینب المعروف بہ صفیہ جنگ کے قیدیوں میں سے تھیں۔

جنگ خیبر ۷ھ مارچ ۶۲۸ء مدینہ کے شمال مغرب میں آٹھ منزل کے فاصلہ پر ایک سر سبز جگہ تھی۔ جسے خیبر کہتے تھے۔ یہاں یہودیوں کے دس (اور بقول بعض چھ) نہایت مضبوط قلعے تھے۔ مدینہ سے یہودیوں کے جو دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قینقاع جلا وطن کئے گئے تھے وہ یہیں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور اب یہی مقام یہودیوں کی مرکزی جگہ تھی۔ یہودی شب و روز اس دھن میں رہتے تھے کہ لشکر عظیم سے حملہ کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ اور کوئی مسلمان نام کو نہ رہے۔ انہیں یہودیوں نے قریش اور قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا تھا۔ انہیں کی تحریک سے ۵ھ ہجری میں جنگ خندق ہوئی تھی جس میں قریش۔ قبائل اور یہودیوں کی متفقہ اور متحدہ طاقت کو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت کے ساتھ شکست کھانی پڑی تھی۔ صلح حدیبیہ سے یہودی سمجھے کہ مسلمانوں نے جو اس قدر دب کر معاہدہ کیا ہے تو ان میں دم خم

نہیں رہا۔ یہی سمجھ کر انہوں نے پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی اور دس ہزار کی جمعیت مسلح ہو جانے کے بعد بنی غطفان اور بنی اسد کو بھی یہ لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا کہ فتح مدینہ کے بعد نخلستان کا آدھا حصہ تم کو دیا جائے گا انہیں ملا کر بہت بڑے پیمانہ پر سامانِ جنگ جمع ہونے لگا۔ یہودیوں کی اس تیاری کا رسول اللہ صلعم کو علم ہوا تو سباع بن عرفطہ غفاری کو حاکم مدینہ مقرر کر کے مدینہ کی حفاظت کے لئے آپ چودہ سو مجاہدوں کو لے کر خیبر کی طرف بڑھے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی، ناممکن تھا کہ خاموش بیٹھتا اس نے پہلے ہی اسلامی فوج کی روانگی کی اطلاع یہودیوں کو دے دی۔ قبائلی فوجیں سب ابھی تک جمع نہ ہوئی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کی طرف سے جو یہ اطلاع پہنچی تو بجائے پیش قدمی کرنے کے یہودی کھلے میدانوں میں نکل آئے تاکہ جب مسلمان وہاں پہنچ جائیں تو مقابلہ کیا جائے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو یہاں پہنچنے میں کچھ دن لگیں گے مگر مجاہدین اسلام نے بہت تیزی سے جلدی جلدی مسافت طے کی اور ابھی ایک منزل باقی تھی کہ شام ہو گئی لیکن رسول اکرمؐ نے رات کے اندھیرے کی پرواہ نہ کی رات بھر چلتے رہے اور جب صبح ہوئی تو خیبر کے دروازہ پر تھے۔ یہودیوں نے جو مسلمانوں کو سر پر دیکھا تو سناٹے میں رہ گئے۔ یہ تو انہیں معلوم ہی ہو چکا تھا کہ مسلمان روانہ ہو گئے ہیں مگر یہ ان کے سان و گمان اور خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد ساری منزلیں طے کر لیں گے۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، میدان میں ایک دم مقابلہ مشکل تھا بس ایک ہی صورت تھی کہ قلعہ بند ہو گئے۔ ان کے قلعے بہت مضبوط تھے اور انہیں یقین تھا کہ مسلمان

ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں۔ ہمارے قلعے ہرگز سر نہ کر سکیں گے۔ اور ہار جھک کر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوں گے۔ انہوں نے اپنے قلعوں میں جا کر مسلمانوں پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔

مسلمان شروع شروع میں تو ان کے پتھر اور تیر روکتے رہے لیکن پھر ان میں اس غضب کا جوش پیدا ہوا کہ انہوں نے یہودیوں کے قلعوں پر نعرۂ تکبیر کی صداؤں میں دھاوا بول دیا اور تین قلعے تھوڑی ہی دیر میں سر کر لئے۔ القموص جو سب سے مستحکم اور خاص قلعہ تھا اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ کئی دن گذر گئے۔ اس قلعہ کو سر کرنے میں جب مسلمانوں کی کوششیں بے سود رہیں تو رسول اکرم نے فر[redacted]یا کل میں اس شخص کو علم دوں گا۔ جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔ اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔" دوسرے دن صبح ہوتے ہی رسول اللہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو علم دے کر روانہ کیا۔ حارث اور مرحب یہودیوں کے دو نامور سردار جن کی شجاعت پر انہیں ناز تھا۔ اور جو دونوں سگے بھائی تھے۔ بہت سے شہسواروں کو لے کر مسلمانوں سے مقابلہ کو باہر نکلے۔

بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے بہادر بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے حارث کو قتل کر دیا۔ بھائی کا یہ حشر دیکھ کر مرحب غضبناک ہو گیا اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح حضرت علی کی طرف بڑھا۔ مگر انہوں نے پینترا بدل کر ایسی تلوار دی کہ [redacted] زمین پر آ گرا۔ اس کے گرتے ہی دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے چلے گئے

حضرت علی کی اس دلیری اور جاں بازی نے مسلمانوں میں ایسا جوش پیدا کیا کہ انہوں نے ایک دم عقب سے حملہ کر دیا۔ اور یہودی سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ اب حضرت علی مجاہدین اسلام کے ساتھ قلعہ القموص کے دروازہ پر تھے مگر پھاٹک بند تھا۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر پھاٹک کا کواڑ اس زور سے ہلایا کہ کھینچ کر پھینک دیا۔ اب مسلمانوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی سو قلعہ کے اندر گھس گئے، اور یہودیوں کو ذلت کے ساتھ ہتھیار ڈال کر عاجزی سے صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ ان کی یہ خواہش کہ زمین انہیں کے پاس رہے اور مسلمان پیداوار کا نصف حصہ قبول کریں منظور کر لی گئی۔

جنگ کے میدانوں میں صحابہؓ کے ساتھ صحابیات کے بھی ناقابل فراموش کارنامے ہیں۔ زخمیوں کو پانی پلانا۔ ان کی مرہم پٹی ان کو اور شہدا کو اٹھا کر میدانِ جنگ سے لے جانا۔ مجاہدین کو تیر اٹھا کر دینا ان کے حوصلے بڑھانا، غیرت دلانا، ان کے کھانے پینے کا انتظام اور شہدا کی قبریں کھودنا۔ یہ خدمات عورتیں انجام دیتی تھیں۔ اس جنگ میں علاوہ ان خدمات کے سات صحابیات نے چرخہ کات کر مجاہدین کی مدد کی تھی۔

جنگِ خیبر میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ یہودیوں کے مقتولین میں ان کا سردار کنانہ بن ابی الحقیق بھی تھا جس کا سارا خاندان پکڑا گیا۔ اسیرانِ جنگ میں اس کی بیوی اور بنو نضیر کے مشہور سردار حیی بن اخطب کی بیٹی زینب المعروف بہ صفیہ بھی تھیں

ایک دردناک منظر مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ ایک جگہ جمع کئے گئے۔ رسولِ اکرم کے مؤذن بلالؓ حبشی بی بی صفیہ اور ان کے رشتہ کی ایک بہن کو لے کر آئے اور لائے اس طرف سے جہاں ان کے قبیلہ کے مقتولین خون میں ڈوبے خاک میں اٹے

بے جس و حرکت بھیانک صورتوں میں پڑے تھے ان میں وہ بھی تھے جن کی گود میں یہ دونوں عورتیں کھیلی تھیں اور وہ بھی جن کا خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ بی بی صفیہ اپنے بزرگوں اور عزیزوں کی لاشیں دیکھتی اور سرد آہیں بھرتی چلی آئیں مگر دوسری عورت اس ہولناک دردانگیز منظر کی تاب نہ لاسکی۔ اور بے تاب و بے قابو ہو کر چیختی چلاتی ادھر اُدھر دوڑنے لگی۔ حضرت بلالؓ ان دونوں کو لے کر جب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بی بی صفیہ ایک طرف خاموش بیٹھ گئیں مگر دوسری عورت سینہ کوبی کرتی اور سر اور منہ پیٹتی رہی۔ آپ نے فرمایا اس کو دوسری طرف لے جاؤ۔ اور حضرت بلال سے یوں مخاطب ہوئے "بلال تمہارے دل میں رحم بالکل ہی نہیں کہ ان عورتوں کو اس راستے سے لائے جہاں ان کے باپ بھائی خاک و خون میں لتھڑے پڑے ہیں"

تیسرا نکاح رسول اللہ سے ۷ سنہ ھ

مال غنیمت اور اسیران جنگ تقسیم ہونے کا وقت آیا تو بی بی صفیہ کو دحیہ کلبی نے اپنے لئے منتخب کر لیا۔ صحابہ نے رسول اکرم کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ بنو نضیر کے معزز سردار اور ایک بڑے باپ کی بیٹی اور بنو قریظہ کے سردار کی بیوی ہیں۔ خاندانی وقار اور دلالت ان کے بشرے سے ظاہر ہے۔ سوائے آپ کے اور کسی کے لئے موزوں نہیں۔ اس مشورے پر آپ نے دحیہ کلبی کو ایک لونڈی دے کر واپس لے لیا۔ اور آزاد کر دیا۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ

آپ نے ان کو آزاد کر کے یہ اختیار دے دیا کہ چاہے وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو آپ کے نکاح میں آجائیں " بی بی جویریہ کے ساتھ آپ کا نکاح قبیلہ بنو مصطلق کے لئے رحمت اور اسلام کی توسیع و ترقی کا باعث ہوا تھا۔ بی بی ام حبیبہ آپ کے نکاح میں آئیں تو اُن کے باپ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کی مخالفت کا زور کم ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ کا خیال ہوا کہ صفیہ اگر میرے نکاح میں آجائیں تو یہود کی مخالفت اسلام میں کمی آسکتی ہے لیکن نکاح کی تجویز سے قبل آزاد کر کے انہیں اپنے گھر جانے کا بھی اختیار دے دیا گیا تھا۔ باپ اور شوہر کے قتل اور خاندان کی تباہی و بربادی کے بعد بی بی صفیہ اسیران جنگ میں سے تھیں یعنی انہیں کنیز کی حیثیت سے رکھا جا سکتا تھا۔ مگر آپ نے ان کے خاندانی وقار کو ملحوظ رکھ کر ان کی دلجوئی کی خاطر اور یہود کی مخالفت میں کمی کی مصلحت سے نکاح کا خیال بھی ظاہر فرما دیا تھا۔ انہوں نے تباہ ہو کر واپس گھر جانے کے مقابلہ میں آپ کے نکاح میں آنا پسند کیا۔ چنانچہ ان کا خیال معلوم ہونے پر آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اور صہبا کے مقام پر رسم عروسی ادا ہوئی۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں (صحیح بخاری پارہ ۱۷) جب ہم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا آپ صفیہ کے واسطے اپنے پیچھے چادر کھینچتے تھے۔ پھر اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا زانو مبارک نکالتے تھے پھر صفیہ آپ کے زانو پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتی تھیں " اس وقت ان کی

عمر ۱۷ برس تھی

اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود پھر کسی لڑائی میں مسلمانوں کے خلاف شریک نہیں ہوئے۔

مورخین یورپ کی غلط بیانی

غزوہ خیبر اور بی بی صفیہ کی شادی کے سلسلہ میں یوروپین مورخین نے دروغ گوئی اور غلط بیانی کی حد کر دی ہے۔ جو افسانہ انہوں نے تصنیف کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ "فتح خیبر سے مسلمانوں کے ہاتھ بہت بڑا خزانہ آیا۔ بی بی صفیہ کے حسن کی مدینہ میں شہرت تھی۔ کیونکہ اُن کا باپ مدتوں مدینہ میں رہا تھا۔ ان کے شوہر کنانہ نے جب خزانہ بتانے سے انکار کر دیا تو اس کے سینہ پر رسول اللہ کے حکم سے دہکتی آگ رکھی گئی۔ یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اور اس کے مرتے ہی بلال کو بھیج کر اس کی بیوی صفیہ کو بلوایا گیا۔ اور بی بی صفیہ سے شادی کی خوشی میں رسول اللہ نے بہت بڑے پیمانہ پر دعوت ولیمہ کی"

یہ الزامات خصوصیت سے ولیم میور نے لگائے ہیں۔ اور ایسے ہی بے بنیاد خلاف تاریخ بیانات سامنے رکھ کر دی آؤٹ لائن آف ہسٹری میں ایچ جی ویلز نے لکھا ہے " لڑائی کے دن شام کو صفیہ سے محمد نے شادی کی۔ اس کے شوہر کو گرفتار کیا پھر مروا دیا گیا شام کو محمد نے قیدی عورتوں پر ایک نظر ڈالی۔ صفیہ کو اُن کی آنکھوں نظر عنایت معلوم ہوئی اور انہیں محمد کے خیمہ میں پہنچا دیا گیا۔ ۔ ۔ یہ صفیہ کے لئے آپ کا خون آلودہ جذبہ

ذہن حاضرہ کو حیرت اور نفرت میں ڈال دیتا ہے۔"

ولیم میور کے الزامات قطعی غلط ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے جہاں چھوٹے موٹے واقعہ کا غلط سلط اور غیر مستند ہی سہی کوئی نہ کوئی حوالہ دیا ہے۔ وہاں خزانہ حاصل کرنے اور کنانہ کے سینے پر دہکتی آگ رکھ کر مار ڈالنے کے قصہ میں اس نے کوئی تاریخی کیا غیر تاریخی حوالہ بھی نہیں دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ کنانہ لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ اور مقتولین کی باندیوں؟ لاشوں کے ساتھ تراندیل؟ لاش اس کی بھی جسے دیکھ کر بی بی صفیہ کی ساتھن چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ یہ بھی صریح جھوٹ ہے کہ "رسول اکرم نے کنانہ کے مرنے پر بی بی صفیہ کو بلوایا"۔ ان کے آنے کے بعد دحیہ کلبی کا انہیں اپنے لئے منتخب کرنا اور پھر صحابہ کا آپ کو یہ بتانا کہ وہ بنو نضیر کے ایک سردار کی بیٹی اور بنو قریظہ کے ایک سردار کی بیوی ہیں ثابت کر رہا ہے کہ بی بی صفیہ کے متعلق آپ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون تھیں۔ اگر واقعی مدینہ میں ان کے حسن کی شہرت تھی اور آپ اس سے باخبر تھے اور اسی وجہ سے خاص طور پر انہیں بلوایا تھا۔ تو پھر دحیہ کلبی کو دے دینے کے کیا معنی؟ دعوت ولیمہ بڑے پیمانہ پر کرنا بھی صحیح روایات اور تاریخ کے قطعی خلاف ہے۔ جس دعوت میں روٹی نہ ہو گوشت نہ ہو وہ بڑے پیمانہ کی دعوت ہو گی؟ صحیح بخاری پارہ ۱۷ میں حضرت انس رضؓ بن مالک کی روایتیں اس سلسلہ میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم مدینہ اور خیبر کے درمیان تین شب ٹھیرے اور میں نے لوگوں کو رسول اللہ صلعم کے

ولیمہ کے واسطے بُلایا۔ اس میں نہ روٹی تھی نہ گوشت۔ کھجوریں اور پنیر تھا دوسری روایت ہے کہ ملیدہ بناکر دسترخوان پر رکھا گیا۔

بشارت بی بی صفیہ رضہ کے چہرے پر چند ابھرے ہوئے نشانات دیکھ کر رسول اکرم ؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے نشانات ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ "میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ٹوٹ کر چاند میری گود میں آپڑا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے باپ کو سُنایا" (مصنفین یورپ نے بی بی صفیہ کے باپ حیُیّ کی بجائے ان کے پہلے "شوہر کنانہ کا" نام لکھا ہے۔ حالانکہ کنانہ پہلا نہیں ان کا دوسرا شوہر تھا۔ خواب کے سلسلہ میں کنانہ کا نام غلط ہے اور کسی مستند تاریخ سے اس کا نام ثابت نہیں ہوتا) بی بی صفیہ نے کہا "یہ خواب سُن کر میرے باپ کو سخت غصہ آیا۔ اور اس نے اس زور سے میرے تھپڑ مارا کہ انگلیوں کے نشانات پڑ گئے۔ اسُ نے کہا کیا تو اپنی گردن یہاں تک اونچی کرے گی کہ ملکۂ عرب بن کر دنیا میں مشہور ہوگی"۔

خصائل ام المومنین کشادہ دل۔ سیر چشم۔ نیک نہاد۔ خلیق۔ حق گو اور انصاف پسند تھیں۔ مدینہ پہنچ کر رسول اکرم ؐ نے انہیں حارثہ بن النعمان کے گھر پر ٹھہرایا۔ یہیں تمام ازواج مطہرات ان کو دیکھنے آئیں۔ اور سب سے یہ خلق و تواضع سے پیش آئیں۔

بی بی عائشہ رضہ سے آپؐ نے دریافت فرمایا "تم نے صفیہ کو کیسا پایا"؟ انہوں نے کہا "ایک یہودن"۔ آپ نے فرمایا "وہ مسلمان ہے

اور اس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔"

بعض ازواج مطہرات نے انہیں کبھی کوئی سخت بات کہی تو انہوں نے جواب میں ایسی کوئی بات نہ کہی جس سے اُن کا دل دُکھے۔ بی بی عائشہ رض اور بی بی حفصہ رض نے انہیں ایک دن یہودن کا طعنہ دیا تو دونوں کو انہوں نے پلٹ کر جواب نہ دیا۔ رسول اللہ صلعم کو واقعہ سُنایا تو آپ نے فرمایا "اگر وہ کہتی ہیں کہ ہم خاندان نبوت میں سے ہیں۔ تو تم بھی اُن سے کہو کہ میرے باپ ہارون پیغمبر ہیں۔ میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر محمد"۔ رسول اکرم ؐ کا یہ جواب ایک اور موقعے پر اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک دن صفیہ رض کے ہاں تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے معلوم کیا کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا عائشہ رض اور زینب رض کہتی ہیں کہ ہم کو تمام بیویوں میں فوقیت حاصل ہے۔ ہم بیویاں ہونے کے ساتھ آپ کی چچا کی لڑکیاں بھی ہیں۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا: "تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے بھلا کس طرح افضل ہو سکتی ہو کہ میرے باپ ہارون میرے چچا موسیٰ میرے شوہر محمد ہیں"۔

ام المومنین کس قدر نیک دل اور شریف طبیعت کی تھیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب رسول اکرم کی چھوٹی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے اپنے کانوں کے جھمکے جو بیش قیمت تھے اتار کر فاطمۃ الزہرا کو

دے دیئے۔ اوران کے ساتھ ان کی جو سہیلیاں آئی تھیں۔ ان کو بھی کوئی نہ کوئی زیور دیا۔

ام المومنین یوں تو ہر شخص کے ساتھ نرمی اور اخلاق کا برتاؤ کرتی تھیں مگر رسول اللہ کے متعلقین کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ محبت سے پیش آتی تھیں۔ اور آپ کی نظر میں ان کی اس صفت کی وجہ سے بھی ان کی عظمت تھی ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ام المومنین بی بی زینب اور ام المومنین بی بی صفیہ دونوں آپ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ بی بی زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے اور بی بی صفیہ کا اونٹ راستہ میں بیمار ہو گیا۔ آپ نے بی بی زینب سے کہا تم ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ بی بی زینب بہت سخی ہمدرد اور بامروت تھیں۔ مگر وقت کی بات تھی یا سوکن کا جلاپا ان کی زبان سے نکل گیا "اس یہودن کو اپنا اونٹ ایسے ہی دوں گی" رسول اکرم کو ان کا یہ جواب اچھا نہ معلوم ہوا اور کئی دن تک بی بی زینب سے بات نہیں کی۔ بی بی زینب کا بیان ہے کہ "رسول اللہ کی خفگی سے مجھے ناامیدی سی ہو گئی۔ اور میں نے عہد کیا کہ آیندہ کبھی ایسی بات نہ کہونگی"۔

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ کسی بات پر ایک دن صفیہ سے ناخوش ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو خوش کردو میری باری کا دن تمہارا رہا۔ بی بی عائشہ نے فرمایا اچھا اور ایک اوڑھنی زعفران کی رنگی ہوئی لے کر اس پر پانی چھڑکا تاکہ اس

کی خوشبو مہک جائے۔ اور یہ اوڑھنی اوڑھ کر رسول اکرم کے پاس جا بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا " عائشہ رض یہ دن تمہارا نہیں ہے"۔ انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے"۔ پھر سارا واقعہ سنایا۔ اور آپ حضرت صفیہ رض سے خوش ہو گئے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ " صفیہ رض نہایت عقلمند تھیں"۔

زرقانی کا بیان ہے کہ " صفیہ رض عقلمند فاضل اور حلیم تھیں"۔

رسول اکرم صلعم سے انہیں کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آپ کو مرض الموت میں بے چین دیکھ کر انہوں نے کہا تھا۔" کاش مجھے آپ کی بیماری ہو جاتی" اور بیویوں نے آپ کی طرف دیکھا تو رسول اکرم نے فرمایا " یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں"۔ یعنی اوپری دل سے نہیں یہ ان کے حقیقی جذبات ہیں۔

رسول اکرم ایک دفعہ بی بی صفیہ کے ساتھ اونٹ پر جا رہے تھے کہ اس کا پاؤں پھسلا آپ بھی گر پڑے۔ اور بی بی صفیہ بھی۔ حضرت ابو طلحہ رسول اکرم کو اٹھانے کے لئے دوڑے تو آپ نے فرمایا علیک بالمراۃ پہلے عورت کی خبر لو۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پیغمبر اسلام کی نظر میں عورت کی کس قدر وقعت تھی۔ اور بی بی صفیہ رض سے کس قدر محبت۔

صحیح نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کا بیان ہے کہ میں نے کوئی عورت صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ام المومنین کی لونڈی نے آکر خلیفۂ دوم سے کہا کہ بی بی صفیہؓ یہودیوں کی طرح سبت (ہفتے) کو پسند کرتی ہیں۔ اور یہودیوں سے دلی لگاؤ ہے۔ حضرت عمرؓ خود ان کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کی غرض سے آئے کہ دونوں باتیں کہاں تک درست ہیں۔ ام المومنین کی راست گفتاری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا "جب سے خدا نے مجھے سبت کے بدلے جمعہ عنایت فرمایا میں اس کو سبت سے زیادہ محترم سمجھتی ہوں۔ ہاں یہود سے بے شک مجھے محبت ہے۔ کیونکہ وہ میرے رشتہ دار ہیں۔" حضرت عمرؓ ام المومنین کے اس جواب سے بہت خوش ہو کر واپس ہوئے حضرت عمر کے جانے کے بعد ام المومنین نے لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت امیرالمومنین سے کی؟ اس نے کہا مجھے شیطان نے بہکایا تھا۔ ام المومنین نے فرمایا:-

"جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا"

علم و فضل میں بھی ان کا درجہ بلند تھا۔ خواتین اکثر ان سے مسائل دریافت کرتی تھیں۔ صہیرہ بنت جیفر حج کر کے ان کے پاس آئیں تو کوفہ کی عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان سے انھوں نے مسائل دریافت کروائے۔ ایک مسئلہ تھا نبیذ کے متعلق۔ بی بی صفیہ نے فرمایا اہل عراق اکثر اس مسئلہ کو پوچھتے ہیں۔"

صحیح بخاری میں حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) سے

روایت ہے کہ حضرت صفیہ زوجہ نبی کریمؐ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن وہ رسول اللہ کے پاس آئیں تو آپ رمضان کے آخر عشرہ میں معتکف تھے۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ ان کے ساتھ اٹھ کر چلے۔ یہاں تک کہ جب آپ مسجد کے دروازہ کے قریب حضرت ام سلمہؓ (زوجہ نبی کریم) کے حجرے کے پاس پہنچے تو اسی طرف سے دو انصاری جا رہے تھے انہوں نے رسول اللہ صلعم کو سلام کیا اور چل دیئے۔ ان سے رسول اللہ نے فرمایا۔ ٹھیرو (یہ میری بیوی ہیں) انہوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ کیا ہم آپ کی طرف سے کچھ اور خیال کر سکتے ہیں) رسول اللہ فرمایا شیطان انسان کے بدن میں مثل خون کے دوڑتا پھرتا ہے۔ اور میں نے (اسی وجہ سے) خوف کیا کہ وہ تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔"

بی بی صفیہ رضؓ کی دردمندی کی یہ کیفیت تھی کہ ۳۵ھ ہجری میں جب جب خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی کے مکان کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو وہ خود ایک خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان کے گھر کی طرف چلیں ان کے غلام کو جو آگے آگے چل رہا تھا پہچان کر اشتر نے آ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ بی بی صفیہ نے کہا مجھے ذلیل نہ کرو میں واپس چلی جاتی ہوں چنانچہ واپس آ کر حضرت حسنؓ بن علی مرتضیٰ رضؓ کے ہاتھ کھانا پانی خلیفۂ سوئم کو بھیجا۔

رحلت عمر ساٹھ سال تھی کہ رمضان ۵۰ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ قبرستان بقیع میں مدفون ہوئیں۔ ترکہ ایک لاکھ چھوڑا اس کے ایک تہائی کی وصیت اپنے یہودی بھانجے کے لئے کی تھی

(۱۱)

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضؓ

نام اور خاندان ان کا نام برّہ تھا سرورِ کائنات نے بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ یہ قبیلہ بنو ہلالیہ میں سے تھیں۔ سرورِ عالم کی چار ازواجِ مطہرات غیر قریشیہ تھیں۔ بی بی جویریہ (۸) بنو مصطلق میں سے تھیں اور بی بی صفیہ (۱۰) یہود سے مسلمان ہو کر آپ کے نکاح میں آئیں۔ دو قبیلہ ہلالیہ میں سے تھیں۔ بی بی زینب ام المساکین (۵) اور بی بی میمونہ (۱۱) ان کی ماں قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام نسب یہ ہے۔ ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث۔ باپ حارث بن حزن بنو ہلال کا ایک معزز سردار تھا۔ اس کی سب ملا کر سولہ لڑکیاں تھیں۔ ام الفضل سرورِ کائنات کے چچا جناب عباس بن عبد المطلب کی بیوی تھیں۔ اور ام سلمیٰ حضرت حمزہ کی بیوی۔ لبابۂ صغرا حضرت خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔ حضرت اسماء بنت عُمیس پہلے حضرت جعفر بن ابو طالب۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق اور ان کی شہادت کے بعد حضرت علی کے نکاح میں آئیں۔ انہیں بہنوں میں سے ایک بہن بی بی میمونہ تھیں اور

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت عباس بن عبد المطلب ان کے بہنوئی تھے۔

پہلا نکاح

ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو ثقفی سے ہوا۔ بعض مورخین اس کا نام حارث لکھ رہے ہیں۔ یہ بھی ان کے ہی قبیلہ کا تھا۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس نے طلاق دے دی تھی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ وہ جوانی میں مر گیا تھا۔

دوسرا نکاح

دوسرا نکاح قریش کے ایک شخص ابورہم بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ اس کے ساتھ ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ مگر اس کا انتقال ہو گیا تھا۔

تیسرا نکاح رسول اللہ سے ۷ھ

"ام الفضل نے ایک دن اپنے شوہر حضرت عباس بن عبد المطلب سے اپنی بہن میمونہ کے متعلق کہا کہ محمدؐ بن عبد اللہ سے ذکر کیا جائے کہ وہ بڑہ سے نکاح کرلیں" حضرت عباس نے اپنے بھتیجے رسول اکرم صلعم سے اپنی سالی کا ذکر کیا اور یہ بھی کہ قرابت کا تقاضا ہے کہ تم اس سے نکاح کرلو۔ بی بی میمونہ کئی سال قبل اسلام قبول کر چکی تھیں۔ سمجھ دار اور خوش اخلاق تھیں۔ آنحضرت کو یہ ثابت کرنا تھا کہ آپ حقیقتاً قریش اور اپنے کنبہ والوں کے خلاف نہ تھے۔ ان لوگوں کی دشمنی کا زور ڈھانا تھا۔ پھر بیواؤں کی حفاظت اور مدد کی ضرورت تھی۔ وہ اس نکاح سے آپ کی پناہ میں آرہی تھیں۔ ان باتوں کے علاوہ آپ کو دین کی خاطر اپنے چچا کی خوشنودی بھی منظور تھی۔ جو اب قریش کے

بہت با اثر سرداروں میں سے تھے۔ آپ نے حضرت عباس کی گفتگو سن کر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ جب ادائے عمرہ کے لئے آپ دو ہزار جاں نثاران اسلام کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کی سالی بی بی میمونہ سے آپ کا نکاح اپنے چچا حضرت عباس کی وکالت سے ہوا اور آپ نے پانچ سو درہم مہر کے ادا کئے۔

بعض یورپین مورخین نے انہیں اُس وقت "جوان دلکش بیوہ" لکھا ہے لیکن بعض مورخین اُس وقت اُن کی عمر ۵۰ سال سے اوپر لکھ رہے ہیں[1]

معاہدہ کی رو سے اس وقت چونکہ آپ تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ فرما سکتے تھے۔ اس لئے موضع سرف میں تشریف لے گئے جو مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں بی بی میمونہ بھی تشریف لے آئیں اور دوسرے دن آپ ان کو ساتھ لے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

خالد بن ولید کا قبول اسلام

خالد بن ولید بن مغیرہ جنہوں نے جنگ احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا رنگ بدل اور نقشہ پلٹ دیا تھا اور جن کی جنگی خدمات بے مثل اور بے نظیر ہیں۔ جن کی شجاعت، دلیری اور جانبازی نے اسلامی فتوحات میں زبردست اضافہ کیا۔ بی بی میمونہ کی بہن لبابہ صغرا کے بیٹے تھے۔ اور بی بی میمونہ کو اپنے اس بھانجے سے بہت محبت تھی خالہ کے قبول اسلام اور رسول اللہ کے ساتھ نکاح کا ان پر اس قدر

---

[1] سپرٹ آف اسلام از جسٹس امیر علی

گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے خالد اور خالد کے مدینہ روانہ ہونے کے بعد ہی اہلِ قریش سے خطاب کیا کہ "جس شخص میں ذرا بھی عقل ہے اس پر روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ محمد نہ تو شاعر ہیں نہ جادوگر اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ خدا کہلواتا ہے۔ وہ خدائے واحد جو سارے جہان کا مالک ہے۔ ہر سمجھدار آدمی کا فرض ہے کہ محمد جس راستہ پر بلاتے ہیں اس پر چلے۔"

ابوجہل کے لڑکے عکرمہ نے کھڑے ہو کر کہا "خالد تم بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔"

خالد نے جواب دیا۔ "میں بچہ نہیں ہوں مسلم ہوں۔"

عکرمہ جھلا گیا: "واللہ تم سب سے آخری قریش ہوتے جس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے۔"

"کیوں؟" خالد نے دریافت کیا اور عکرمہ نے جواب دیا۔ "اس وجہ سے کہ جب تمہارا باپ زخمی ہو گیا تو محمد سے ان کو تکلیف پہنچی۔ اور اس نے تمہارے چچا اور چچا کے بیٹے کو بدر میں قتل کیا۔ اس لئے نہ تو میں مسلمان ہوں گا نہ یہ الفاظ زبان سے نکالوں گا جو تم نے کہے ہیں۔ قریش کو اس (محمد) سے کوئی سروکار نہیں سوائے اس کے کہ اسے قتل کر دیں۔"

خالد نے کہا "یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ قسم ہے خدائے واحد کی کہ میں محمد پر ایمان لایا۔ کیونکہ صداقت اور حقانیت مجھ پر واضح ہو گئی ہے۔"

اس کے بعد خالد کی ابوسفیان سے بہت سخت گفتگو ہوئی یہاں تک کہ ابا

کہ تلواریں میان سے باہر نکل آئیں اور عکرمہ کو بیچ میں دخل دینا پڑا۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا "اگر تم نے خالد کو قتل کر دیا تو تمام قریش ترک وطن کر کے مدینہ چلے جائیں گے"۔

قریش کے مشہور شاعر جس کے اشعار قریش کی لڑائیوں میں جوش پیدا کر دیتے تھے۔ اور عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے ان دونوں کے ساتھ خالد بن ولید بن مغیرہ مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا۔

خصائل و فضائل

بی بی میمونہ ہمیشہ یہ کوشش فرماتی تھیں کہ مسلمان زنانہ مسائل میں رسول اکرم کے ارشادات اور طرز عمل کو پیش نظر رکھیں۔ ان کی کنیز بدیہ ابن عباس کے ہاں ایک دفعہ گئی تو اس نے دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے کافی فاصلے سے بچھے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھی شاید کسی بات پر بدمزگی ہو گئی ہے۔ اس نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابن عباس کی بیوی ایام سے ہوتی ہیں تو وہ اپنا بچھونا ان سے دور بچھاتے ہیں۔ بدیہ نے آکر یہ واقعہ بی بی میمونہ کو سنایا تو ام المومنین نے کنیز سے کہا کہ جا کر ابھی ابن عباس سے کہو کہ رسول اکرم کے طریقہ سے تمہارا طریقہ مختلف کیوں ہے؟ رسول اللہ ہمیشہ ہم لوگوں کے بچھونے پر آرام فرماتے تھے۔ یہ واقعہ ابن اسعد نے بیان کیا ہے۔

ایک عورت بیمار ہو گئی تو اس نے منت مانی کہ تندرست ہو جانے

پر وہ بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صحت عطا فرمائی۔ وہ منّت پوری کرنے کے لئے جب روانہ ہونے لگی تو اُم المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے فرمایا۔

"تمہاری منّت یوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو یہاں کا ثواب دوسری مسجدوں سے بہت زیادہ ہے۔"

بی بی میمونہ رحمدل اور ہمدرد تھیں۔ لونڈی غلاموں کو اکثر آزاد کرتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک لونڈی کو آزاد کیا تو رسول اکرم نے فرمایا "اللہ تم کو اس کا اجر دے۔"

اصابہ میں ہے کہ ان کے متعلق بی بی عائشہ صدیقہ نے فرمایا تھا "میمونہ خدا سے بہت ڈرنے والی رحمدل ہیں۔"

مفسّر قرآن حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ حضرت میمونہ سے اکتساب علوم کیا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم و فضل میں ان کی کیا حیثیت تھی۔

حدیثیں

اُم المومنین بی بی میمونہ سے چار درجن کے قریب حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ دو روایات صحیح بخاری میں ہیں۔

(۱) بی بی میمونہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلعم نے بکری کا شانہ کھایا۔ بعد اس کے نماز پڑھی اور جدید وضو نہیں کیا۔ (پارہ ۱)

(۲) عرفہ کے دن کچھ لوگوں نے نبی کریم کے روزہ دار ہونے میں شک کیا۔ انہوں نے دودھ آپ کے پاس بھیجا۔ آپ اس وقت اونٹ

پر سوار تھے اور روزے سے نہ تھے۔ آپ نے دودھ پی لیا۔ (پارہ ۶)

رحلت ۵۱ھ میں انتقال کیا۔ ان کی رخصتی موضع سرف میں ہوئی تھی۔ اور یہیں سے رسول اللہ کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئی تھیں۔ عجب اتفاق تھا کہ ان کا انتقال بھی اسی موضع میں ہوا۔ اور اسی جگہ دفن ہوئیں جہاں رسول اللہ صلعم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباس نے پڑھائی اور انہوں نے ہی قبر میں اتارا۔

ایک یہ بھی بیان ہے کہ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا "جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلو۔ یہ رسول اللہ کی بیوی ہیں"

برٹن مغربی سیاح لکھتا ہے کہ ان کا مزار وادی خاطمہ میں ہے اور آج بھی زیارت گاہ خلق خدا ہے۔ لہ

آخری بیوی

بی بی میمونہ سے سرور کائنات کا نکاح ۷ھ میں ہوا تھا۔ اور آپ کی یہ آخری بیوی تھیں۔

حدیث کی بعض کتابوں میں امام اوزاعی زہری یا ابو اسید سہل بن سعد کے حوالے سے ایک نام دختر جون یا امیمہ دختر نعمان بن شراحبیل یا جونیہ بھی آیا ہے



ہشام بن محمد کے حوالہ سے اور بغیر حوالہ کے بھی تاریخ طبری میں چند نام اور دیئے گئے ہیں۔ نیز تفسیر ابن کثیر میں بھی یہ نام ہیں مگر ہشام بن محمد اور ابن ابی حاتم کی روایات تفصیلات اور منطق اور شرع اسلام کے خلاف ہیں اور الفاظ خود ہی واقعات کی صحت کی تردید کر رہے ہیں۔ طبری کا ایک بیان اس طرح ہے "اس کے علاوہ آپ نے اشعث بن قیس کی بہن قتیلہ بنت قیس بن سعدی کرب سے نکاح کیا مگر قبل اس کے کہ آپ اُس کے پاس جاتے آپ کا وصال ہو گیا" اس بیان کے غلط ہونے کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ رحلت سے چار سال قبل آپ کو اور کوئی نکاح کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا تھا۔ اللہ کے حکم کے خلاف آپ کا بعد میں کوئی اور نکاح کرنا افترا پردازی اور صریحاً غلط بیانی ہے کسی مستند حدیث یا کسی مستند تاریخ سے نہ یہ ثابت ہے کہ جب رسول اللہ نے اپنی بیویوں کو وہ آیت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ تم میں جو دنیا کی آسائش اور آرام چاہے وہ علیحدہ ہو سکتی ہے تو کسی ایک بیوی نے بھی دنیا کو اختیار کیا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت نے بی بی میمونہ کے بعد اور کسی عورت سے زن و شوہر کے تعلقات قائم کئے ہوں۔ سورہ احزاب آیت ۲ ۵ میں آئندہ نکاح کرنے سے حضور اکرم کو منع کر دیا گیا۔ آیت ۵۱ سے مفسرین نے ہشام بن محمد اور ابن ابی حاتم کی بے بنیاد روایات پر اعتبار کر لیا بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ حضرت حفصہ کو رسول اللہ نے طلاق دیدی تھی۔ پھر ان سے رجوع کیا۔ اسی سلسلہ میں حضرت عمر کے آنے اور اپنی بیٹی بی بی حفصہ کو روتے ہوئے دیکھنے کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق حضرت

اس موقع کا ہے جب اکیلی انہوں ہی نے نہیں سب بیویوں نے توسیع نفقہ کا مطالبہ کیا تھا تو رسول اکرم نے ایک ماہ کا ایلا فرمایا تھا۔ اور کسی موقع پر حضرت عمر کا آکر بیٹی کو روتا ہوا دیکھنا یا حضرت حفصہ کی طلاق اور رجوع کا واقعہ کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ آیت ۵۱ کا اشارہ حضرت سودہ کی طرف ہے۔ وہ عمر میں زیادہ تھیں انہیں خیال ہوا۔ رسول اللہ مجھے علیحدہ نہ کر دیں اس لئے انہوں نے کہا تھا میں نے خوشی سے اپنی باری عائشہ کو دی میرے لئے یہی فخر کم نہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ کی بیوی کہنا تم جاؤں۔

رسالتماب کا نکاح بی بی میمونہ سے سنہ ہجری میں ہوا اور فتح مکہ کے بعد (سنہ ہجری) بیواؤں کے نکاح کی مجبوری یعنی کسی بیوہ کی کفالت اور حفاظت کی ضرورت نہ رہی تو جہاں بیویوں کی کوئی گنتی ہی نہ تھی دس کا شمار تھا نہ بیس کا مسلمانوں کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اور چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت بھی دی گئی تو مشروط۔

" اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیویوں میں) برابر (برتاؤ) نہ کر سکو گے تو (اس صورت میں) ایک ہی (بیوی کرنا) یا جو (لونڈی) تمہارے قبضے میں ہو (اس پر قناعت کرنا



نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لئے) یہ تدبیر زیادہ قرین مصلحت ہے۔"
(سورۂ نسا آیت ۳)

"اور تم اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی) بیویوں میں برابری کر سکو تو بالکل (ایک ہی طرف) مت جھک پڑو کہ دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا ادھر میں لٹک رہی ہے۔"
سورۂ نساء آیت ۱۲۹

اُس وقت دنیا میں کہیں بھی بیویوں کی تعداد مقرر نہ تھی۔ مرد جس قدر چاہتا بیویاں رکھتا کوئی روک ٹوک نہ تھی مسلمانوں کو انصاف اور مساوات کی شرط پر چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی۔ اگر سرور کائنات بھی چار بیویوں کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دیتے تو وہ کہا جاتیں یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ پیغمبر کی بیویوں! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں۔ لہٰذا یہ حکم نازل ہوئی کہ تم آئندہ نکاح نہیں کر سکتے (کیونکہ اب بیواؤں کے نکاح کی مجبوری نہیں رہی تھی نہ دینی سیاسی مصلحتیں) نہ بیویوں کو الگ کر سکتے نہ بدل سکتے ہو۔ (سورۂ احزاب آیت ۵۲)

اور جب رسول اکرم کی بیویں کو علیحدگی کا اختیار نہ رہا۔ تو انہیں ادب اور تعظیم کی رو سے مسلمانوں کی ماؤں کا شرف بخشا گیا۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

رسول اللہ کی بیویوں کی معاشرت

رسول اکرم کی خانگی زندگی

انسانی زندگی کے دو رُخ ہیں۔ بیرونِ خانہ (پبلک لائف) اور درونِ خانہ (پرائیویٹ لائف) اور جب تک یہ دونوں رُخ سامنے نہ ہوں کسی شخص کی سیرت مکمل نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں میں یہ خصوصیت پیغمبر اسلام صلعم ہی کی ہے کہ آپ کی بیرونی زندگی ہی نہیں مدینہ کی گھریلو زندگی کا بھی ایک ایک واقعہ صفحاتِ تاریخ پر موجود ہے۔ اور ان واقعات سے آپ کی ایک ایک انسانی حیثیت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

رسالتمآب کی بیرونی زندگی کے واقعات ہمیں صحابہ کی جلیل القدر جماعت سے معلوم ہوئے اور گھر کے اندر کی باتیں ازدواج مطہرات کی جماعت سے۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو ہمیں کس طرح معلوم ہوتا کہ گھر والوں کے ساتھ آپ کا سلوک کیا تھا اور تنہائی کی گھڑیاں آپ کس طرح گزارتے تھے۔ عورتوں سے

سلہ غیر مسلم مورخین کے زیادہ تر اعتراضات پیغمبر اسلام کی مدینہ کی گھریلو زندگی پر ہیں۔

بہت سے خاص مسائل اور خلوت کے بہت سے راز جو غیر آدمی نہیں بتا سکتا آپ کی بیویوں ہی کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ انہیں کے توسط سے عورتیں اپنے مسائل دریافت کرتی تھیں۔ رسول اکرمؐ کی سیرت پاک کے مختلف انسانی پہلو امہات المومنین ہی کے بیانات سے روز روشن کی طرح واضح ہوئے باہر والوں (صحابہ) کی روایتوں کے علاوہ رسول اللہ کے ایثار نفس کشی سادگی اور محنت، مشقت۔ تحمل و بردباری۔ عدل وانصاف۔ عورتوں کی عزت بیویوں کی دلجوئی۔ اور ان میں مساوی برتاؤ کے واقعات کو گھر والوں (ازواج مطہرات) نے بیان کر کے آپ کی گھریلو زندگی کی کامیابی اور تکمیل انسانیت کی شہادت دی ہے۔

رسول اکرمؐ کی بیویوں کے گھر

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے مکہ معظمہ میں اور ام المومنین حضرت زینب ہلالیہ اُم المساکین نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلعم کی حیات میں رحلت فرمائی۔ وفات کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جنہوں نے عورتوں کو احکام اسلام سے واقف کیا اور انہیں کے ذریعہ بہت سے نسوانی مسائل حل ہوئے۔

ازواج مطہرات کے کھانے پینے۔ کپڑے لتے۔ زیور۔ گہنے میں جس طرح دنیاوی نمائش نہ تھی۔ اسی طرح جن گھروں میں وہ رہتی تھیں وہ اُن کی عسرت اور غریبی کا نمونہ تھے۔ ۸۸ھ ہجری کے قریب حضرت عمر بن عبد العزیز حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کی بیویوں کے حجرے توڑ کر مسجد نبوی

میں ملا دیئے گئے تھے۔ عبداللہ ابن یزید نے یہ حجرے دیکھے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ "مسجد نبوی سے ملے ہوئے نو حجرے تھے" یعنی صحن تھے نہ کوٹھریاں اور دالان تھے نہ برآمدے۔" اُن کی چوڑائی چھ سات ہاتھ اور لمبائی دس ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں کچی مٹی کی تھیں جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھیں۔ چھتیں کھجور کی شاخوں اور پتوں کی تھیں جب بارش ہوتی ان پر کمبل بچھا دیئے جاتے تھے۔ چھتیں زیادہ اونچی نہ تھیں لمبے قد کا آدمی ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ کے کواڑ تھے یا ان پر کمبل پڑے رہتے تھے۔ ام سلمہ رض۔ ام حبیبہ رض۔ حفصہ رض۔ جویریہ رض میمونہ رض۔ زینب رض بنت جحش کے حجرے شمالی جانب تھے۔ اور عائشہ رض صفیہ رض اور سودہ رض کے مقابل جانب" ان حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا جس میں ایک ماہ ایلا کرنے کے زمانہ میں موچ آنے یا گھوڑے سے گرنے کے بعد رسول اللہ نے قیام فرمایا تھا۔

رسول اکرم کی رحلت کے بعد بھی یہ حجرے ازواج مطہرات کے پاس رہے۔ اور اُن کے بعد اُن کے عزیزوں کے پاس امیر معاویہ جب حاکم ہوئے تو انہوں نے حجرے خرید لئے تھے۔ حضرت عائشہ رض کے حجرے میں رسول اللہ۔ حضرت ابو بکر۔ حضرت عمر کے مزارات ہیں، اور باقی آٹھ حجرے خلیفہ عبدالملک کے حکم سے مسجد نبوی میں ملا دیئے گئے تھے۔

رسول اللہ بیویوں کے آپس کے تعلقات

عورتوں کی کہاوت ہے "سوکن زہر کی چھری۔ ایک بھی بُری"۔ رسول اللہ کی ازواج مطہرات مافوق البشر تو تھیں نہیں کہ سوکن کا جلاپا اُن میں نہ ہوتا۔ فطرت نسوانی تو یہ ہے کہ دوسری بیوی جس کا نکاح پہلی بیوی کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی تعریف شوہر سے سُننا گوارا نہیں کر سکتی۔ رسول اللہ بی بی خدیجہ کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن بی بی عائشہ نے کہہ ہی دیا کہ "وہ تھیں کیا۔ ایک بڑھیا۔ رانڈ۔ خدا نے آپ کو اُن سے بہتر بیوی دی"۔ (یعنی میں) یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا "خدا کی قسم مجھے اُن سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ انھوں نے میری تصدیق اُس وقت کی جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے۔ وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے۔ انھوں نے اپنی ساری دولت اسلام پر لٹا دی"۔ تو جب شوہر کی مردہ بیوی جسے دیکھا تک نہیں اُس سے رشک و حسد کا یہ حال ہو تو سوکنوں میں آپس میں جو رقابت ہو کم ہے۔ اور ازواج مطہرات میں بھی ایک دوسرے سے رشک تھا اور ضرور تھا۔

رسول اللہ نے حضرت عائشہ سے حضرت صفیہ کے متعلق پوچھا کہ "ان کو کیسا پایا" تو انھوں نے کہا "ایک یہودن"۔

حضرت حفصہ نے بھی انہیں ایک دفعہ یہودن کا طعنہ دیا تھا۔

ایک سفر میں بی بی صفیہ اور بی بی زینب دونوں آپ کے ساتھ تھیں

بی بی صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ چونکہ بی بی زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے ان سے رسول اللہ نے فرمایا "انہیں ایک اونٹ دیدو" تو بی بی زینب نے جواب دیا۔ "اس یہودن کو اپنا اونٹ ایسے ہی دوں گی"۔

بی بی زینب نہایت فخر سے اپنی سوکنوں سے کہا کرتی تھیں کہ "تمہارے نکاح تمہارے بزرگوں نے زمین پر کئے اور میرا نکاح خود خدا نے آسمان پر کیا ہے"۔

ایک دن حضرت عائشہ کی باری تھی اور آپ اُن کے حجرے میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت اُمّ حبیبہ نے حلوا بنا کر بھیج دیا حضرت عائشہ نے لانے والے کے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو حلوا زمین پر گرا سو الگ اور پیالہ ٹوٹا سو جدا۔

نسائی میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صفیہ نے جو عمدہ کھانا پکاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کے لئے کھانا بھیجا۔ آپ حضرت عائشہ کے ہاں تشریف رکھتے تھے۔ انھوں نے خادم سے پیالہ چھین کر زمین پر پھینک دیا۔ آپ نے پیالہ جوڑا اور دوسرا منگا کر تاوان ادا کیا۔

بخاری میں بھی ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم کی بعض بیویوں نے اپنی طرف سے وکیل بنا کر پہلے بی بی اُمّ سلمہ کو پھر بی بی فاطمہ کو آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ معلوم کریں کہ حضرت

عائشہ کو کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔ بی بی ام سلمہ تین بار گئیں۔ اور تینوں دفعہ رسول اللہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر بی بی فاطمہ کو بھیجا گیا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔

"بیٹی! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جسے میں چاہتا ہوں"۔

فاطمۃ الزہرا یہ سن کر واپس آگئیں۔ اور ازواج مطہرات سے کہا "آپ جانیں اور آپ کا کام میں اس معاملہ میں نہیں پڑتی"۔

اب حضرت زینب بنت جحش کو جو حضرت عائشہ کے مدمقابل رہتی تھیں۔ خدمت نبوی میں بھیجا گیا۔ وہ اجازت لے کر حاضر ہوئیں اور ایک چھوٹی سی تقریر کر ڈالی۔ حضرت عائشہ خاموش بیٹھی حضرت زینب کی باتیں سنتی اور رسول اللہ کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ آپ نے کوئی دخل نہیں دیا۔ اور خاموش رہے۔ جب وہ کہہ چکیں تو بی بی عائشہ کھڑی ہوئیں اور جوابی تقریر کی۔ بی بی زینب سے اس تقریر کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ رسول اللہ نے اسی موقع پر حضرت عائشہ سے کہا تھا۔

"آخر کیوں نہ ہو۔ ہو بھی تو ابوبکر کی بیٹی"۔

بہرحال یہ تو تھی نسوانی فطرت مگر رسول اللہ کی بیویاں معمولی عورتیں تو تھیں نہیں جو ایک دوسرے کی چھاتی پہ مونگ دلتیں۔ جہاں آئے دن جوتیوں میں دال بٹتی۔ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (پیغمبر کی بیویو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں)

لاکھ بڑھاپا سہی مگر حضرت سودہ کا اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدینا معمولی بات تو ہے نہیں۔ حضرت زینب اکثر حضرت عائشہ کے مقابلے میں رہتی تھیں۔ جیسا کہ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ اُن کے واقعہ افک کے موقعہ پر جب رسول اللہ نے حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت عائشہ کو نیچا دکھانے کا بہت اچھا موقع تھا۔ لیکن وہ اس قدر نیک نفس بی بی تھیں کہ انہوں نے جو حق بات تھی وہی کہی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اے اللہ کے رسول۔ میرے علم میں عائشہ بے قصور ہیں۔"

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ میں باوجود سوکن ہونے کے ایسی ہی محبت تھی جیسی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں۔ شہد اور راز کے واقعات اور پھر واقعہ تخئیر میں دونوں برابر کی شریک ہیں۔ جنگ جمل کے سلسلے میں جب رسول اللہ صلعم کی رحلت کو ۲۵ سال گذر گئے تھے۔ حضرت حفصہ، حضرت عائشہ کے طرفداروں سے تھیں۔

بی بی جویریہ جب رسول اللہ کے نکاح میں آئیں اور اُن کے قبیلہ کے سب آدمی آزاد کر دیئے گئے۔ اور ان آدمیوں کا سب مال و اسباب واپس کر دیا گیا۔ تو بی بی عائشہ نے فرمایا "ان کا نکاح ان کی قوم کے لئے انتہائی خیر و برکت کا موجب ہوا" اور ان کی رحلت کے بعد فرمایا "جویریہ میں ایک شیریں دلکشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کی جگہ ہو جاتی تھی"

اور بی بی میمونہ کے متعلق کہا تھا "میمونہ خدا سے بہت ڈرنے والی رحمدل ہیں۔"

بی بی صفیہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا "میں نے صفیہ جیسی کوئی

عورت عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھی "۔

مساوات مسلمانوں کو بیویوں میں عدل حقیقی قائم رکھنے اور یکساں سلوک کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے کئی سال بعد دیا ہے۔

رسالتمآب کا تو شروع ہی سے ازواج مطہرات کے ساتھ یکساں برتاؤ تھا۔ مورخین یہ تو بڑے شد و مد سے لکھ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ آپ کی محبوب بیوی تھیں مگر مسلم یا غیر مسلم کسی مورخ نے یہ بیان نہیں کیا کہ بی بی عائشہ کے ہاں کا کھانا یا اُن کا لباس دوسری بیویوں سے بہتر ہوتا تھا۔ یا بی بی عائشہ کے حجرے میں اوروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ یا بہتر سامان و اسباب تھا۔ بخاری کی پہلی جلد میں بی بی عائشہ کے یہ الفاظ ہیں۔ ماکانت لاحدانا الاثواب واحد ہم سب بیویوں کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا تھا۔ کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں رہنے سہنے میں کسی بیوی کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ تھا سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا۔

رسول اللہ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر بیویوں کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے بی بی ام سلمہ کا حجرہ تھا جو اُم المساکین بی بی زینب ہلالیہ کے انتقال کے بعد ان کو ملا تھا پہلے ان کے ہاں تشریف لے جاتے پھر حجروں کی ترتیب سے دوسری بیویوں کے ہاں۔

ایک رات ایک بیوی کے حجرے میں گذارتے۔ دوسری رات دوسری بیوی کے حجرے میں۔ جس بیوی کے ہاں کی باری ہوتی اُن کے ہاں جانے

سے قبل باقی سب بیویوں کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے روزانہ ضرور تشریف لے جاتے۔ بی بی عائشہ فرماتی ہیں "کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ہم سب بیویوں کے پاس ایک ایک کر کے تشریف نہ لاتے ہوں"۔

جب آپ کسی سفر پر روانہ ہوتے تو قرعہ اندازی کر کے جس بیوی کا نام نکلتا ساتھ لے جاتے۔ کبھی ایک سے زیادہ بیویاں بھی سفر میں ہوتیں نان نفقہ سب کا یکساں تھا۔ اسی طرح آپ کا وقت بھی یکساں سب کے پاس گزرتا تھا۔ اس پابندی اس باقاعدگی اور اس عدل حقیقی کے ساتھ کہ رحلت سے قبل جب بی بی میمونہ کے گھر میں آپ بیمار پڑے تو اس وقت تک اس معمول میں فرق نہ آیا۔ جب تک چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا مشکل نہ ہو گیا

تاریخ وحدیث کی کسی کتاب میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ نے کبھی کسی بیوی سے ترش مزاجی یا سخت کلامی کی ہو۔ بیویوں سے کیا آپ نے دشمنوں تک سے ہمیشہ اخلاق کا برتاؤ کیا۔ ازواج مطہرات البتہ کبھی کوئی ایسی بات کہہ دیتیں جو ناگوار خاطر ہوتی تو آپ ضبط و تحمل سے ہمیشہ کام لیتے اور کبھی کوئی سخت لفظ زبان سے نہ نکالتے۔ حضرت عائشہ کی جو وقعت آپ کے دل میں اور جو عظمت آپ کی نظر میں تھی وہ ان کی غیر معمولی فراست و ذہانت اور غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے تھی مگر برتاؤ سب بیویوں کے ساتھ یکساں رہا۔ اور مساوات میں تادم واپسیں رتی برابر فرق نہ آیا۔ آپ کی خانگی زندگی کس قدر خوشگوار اور کامیاب اور

آپ کی نظر میں عورت کی کس قدر وقعت تھی اس کا اندازہ ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ مَا اَکْرَمَ النِّسَاءَ اِلَّا کَرِیْمٌ وَمَا اَھَانَھُنَّ اِلَّا لَئِیْمٌ۔

تم میں اچھا وہ ہے جس کا برتاؤ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا ہے اور میرا برتاؤ اپنے اہل وعیال کے ساتھ تم سب سے اچھا ہے۔ جو شخص عورتوں کی عزت کرتا ہے وہ شریف ہے۔ اور جو ان کی توہین کرتا ہے وہ پاجی ہے۔

اور پھر نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

"تمہارے ہاتھ جن کے مالک ہیں ان کو ایسی تکالیف نہ دو۔ جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں۔ اور خدا کے عہد سے تم نے ان کو حاصل کیا ہے۔"

افلاس

فتح مکہ کے بعد تقریباً سارے عرب میں رسول اکرم کی حکومت تھی۔ فتوحات نے اسلامی خزانہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ یہ سب زر و مال آپ کے اختیار میں تھا۔ اور آپ اپنی ذات پر اور اپنی بیویوں پر اس میں سے صرف فرماتے تو کون اعتراض کر سکتا تھا لیکن اس زمانے میں بھی آپنے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیویوں نے اور آپ کی بیٹی فاطمۃ الزہرا نے تنگ دستی کی زندگی گذاری۔

بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم نے "تین تین دن متواتر گیہوں

کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔"

وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے ہاں چولھا نہ جلتا تھا"

حضرت حفصہ کے حجرے میں رسول اکرمؐ کے آرام کرنے کے لیے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا اُسے دوہرا کر کے بچھا لیا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ کے حجرے میں آپ کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے۔

بی بی اُم سلمہ کا جب رسول اللہ سے نکاح ہوا تو انہیں ام المساکین زینب ہلالیہ کا حجرہ دیا گیا جس میں ایک چکی اور چند جو کے سوا کچھ نہ تھا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ ان کی خالہ حضرت میمونہ کے حجرہ میں ایک مشک پانی ہوتا تھا۔

اولاد سے بڑھ کر دنیا میں اور کچھ نہیں ہوتا۔ رسول اکرمؐ کے لڑکے بچپن میں فوت ہو گئے اور تین شادی شدہ لڑکیاں ایک ایک کر کے اٹھ گئیں اور آخر میں صرف چھوٹی بیٹی فاطمۃ الزہرا رہ گئی تھیں۔ اُن سے محبت کی کیفیت یہ تھی کہ جب وہ حاضر خدمت ہوتیں تو آپ فرطِ مسرت سے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ جب جمیع بن عمیر نے ان سے پوچھا کہ "رسول اللہ کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا" تو انہوں نے فرمایا "فاطمہ"۔ اُن کی دلجوئی اور دلداری جتنی بھی کی جاتی کم تھی۔ مگر اللہ کے رسول کو آسائش کی زندگی پسند نہ تھی۔ چکی پیستے پیستے بی بی فاطمہ کے ہاتھوں میں چھالے، مشکیں ڈھوتے ڈھوتے اُن کے کندھوں پہ گٹے اور گھر کی صفائی

ستھرائی۔ جھاڑو۔ بُہارو سے اُن کے کپڑے میلے اور دھوئیں سے سیاہ ہوگئے تو حضرت علی کے کہنے پر ایک دفعہ وہ اپنے مقدس باپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُس وقت اور بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن خود رسول اکرم تشریف لائے۔ دریافت کیا "کل کیوں آئیں تھیں بیٹی!" بی بی فاطمہ خاموش رہیں تو حضرت علی نے عرض کیا "محنت مشقت سے ان کا یہ حال ہو گیا ہے۔ اس لئے حاضر ہوئی تھیں کہ گھر کے کام کاج کے لئے ان کو بھی کوئی لونڈی عنایت ہو" تو انکار فرما دیا کہ حاجت مندوں کا حق ہے۔

ایک دفعہ بی بی فاطمہ کو اس حالت میں ملاحظہ فرمایا کہ چادر اس قدر چھوٹی ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں ڈھانکتی ہیں تو سر کھلا رہ جاتا ہے۔

ایک دن بی بی فاطمہ کے پاس سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا "بیٹی کیا تم یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول کی بیٹی آگ کا ہار پہنے ہوئے ہے"۔

ایک دن بی بی فاطمہ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ دیواروں پہ پردے چڑھے ہوئے ہیں۔ واپس چلے گئے۔ حضرت علی نے وجہ پوچھی فرمایا "یہ پیغمبری شان کے خلاف ہے کہ زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو"۔

بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے میکے سے مچھلی آئی تو یوں ہی سوندھ ساندھ کر پکالی۔ تیل تک میسر نہ آیا۔

ازواج مطہرات میں سے اکثر آسودہ خاندانوں سے تھیں۔ آپ کے نکاح میں آنے سے قبل آسائش و آسودگی کی زندگی گذار رہی تھیں مگر آپ نے نکاح دنیاوی خواہش اور ذاتی اغراض سے تو کئے نہیں تھے جو آپ کی محبت بیویوں کے اچھے کپڑے۔ اچھے کھانے۔ اچھے مکان سے ظاہر ہوتی۔ حالانکہ آپ ازواج مطہرات کی خاطر داری اور دلجوئی کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کلام الٰہی اس کی گواہی ان الفاظ میں دے رہا ہے۔

تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (سورۂ تحریم آیت ۱)

نبی اپنی بیویوں کی خوشنودی کا اہتمام کرتا ہے۔

ازواج مطہرات کے احترام و وقعت کی یہ کیفیت تھی کہ اونٹ کا پاؤں پھسلا اور رسالتمآب اور بی بی صفیہ گر پڑیں اور حضرت ابوطلحہ رسول اللہ کو اٹھانے کے لئے دوڑے تو آپ نے فرمایا۔

"علیک بالمراۃ"

"پہلے عورت کی خبر لو"

ان کا خیال اس درجہ تھا کہ جب ازواج مطہرات کے اونٹ ایک سفر میں تیز چلنے لگے تو ساربان سے فرمایا۔

"دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں"

عورتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے متعلق ابوہریرہ سے بخاری پارہ ۲۱ میں یہ روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا عورتوں کے

حق میں بھلائی کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ وہ پسلی سے پیدا ہوئی جو سب سے بڑی پسلی ہے۔ وہ سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ اگر تو سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی" مطلب یہ کہ نرمی سے پیش آؤ۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ "اپنے خاندان سے محبت کرنے والا میں نے کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ جتنی محبت حضور اپنے خاندان سے کرتے تھے۔

لیکن عورتوں کے ساتھ نرمی کے برتاؤ۔ خاندان کے ساتھ انتہائی محبت اور بیویوں کی وقعت، اور دلجوئی کے باوجود آپ نے انہیں آسائش و آرام کا خوگر کبھی نہیں بنایا۔ اور جب ایک بار اُن کی بشریت نے توسیع نفقہ کا تقاضہ یعنی اچھے کپڑے۔ اچھے کھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے ایلا کیا جس کی تفصیل بی بی حفصہ کے حالات میں واقعہ تخییر کے تحت آ چکی ہے۔

ازواج مطہرات سے محبت بدرجۂ غایت کے ساتھ اخلاص کا اندازہ بی بی عائشہ صدیقہ کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے کہ "رسول اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں میں اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں گا۔ ان میں سب سے زیادہ فکر کی چیز تم بیویاں ہو کہ تمہارے خرچ اور راحت کی صورت کیا ہو گی۔ واللہ تم پر وہی لوگ شفقت (اور ذکر خدمت) کریں گے جو صابر اور صادق (اپنے حقوق نباہنے اور محبت میں راسخ) ہوں گے"۔

دنیا کی آسائش اور رسول اللہ کے ساتھ فقر و فاقہ ان دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند کرنے کا ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا۔ تو آپ سے علیحدگی

کسی بیوی نے نہ کی اور سب نے فقر و فاقہ کی زندگی اور اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا۔ آپ کے بعد وہ کوئی اور نکاح نہ کر سکتی تھیں۔ ان کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا گیا۔ اُن کے لئے آپ کوئی میراث بھی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ یعنی ان کے گزارہ کی کوئی صورت نہ تھی۔ انہیں باتوں کی وجہ سے اُن کی طرف سے آپ متفکر تھے۔ سارے عرب میں حکمرانی کے باوجود عسرت کا یہ حال تھا کہ بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ "آپ کے پاس ایک جوڑا ہوتا تھا۔" دوسرا نہ ہوتا کہ تہہ کر کے رکھا جاتا۔ اور انہیں کی روایت ابو داؤد میں ہے کہ "رسول اللہ نے دینار چھوڑا نہ درہم، اونٹ نہ بکری"۔

بعد رحلت بی بی عائشہ نے ایک کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد دکھائی کہ وقتِ رحلت یہ کپڑے اللہ کے رسول کے جسم پر تھے!!

ذرائع معاش | نبو نضیر کے نخلستان میں رسالتماب کی بیویوں کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ فروخت کر دیا جاتا تھا اور اس میں جتنا کفاف کے سال بھر کے اخراجات چلتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد ہر بیوی کے لئے ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر کئے گئے تھے۔ دودھ کا انتظام یہ تھا کہ کھانے پینے اور رہنے کا انتظام حضرت بلال کے سپرد تھا۔

رسول اللہ کی بیویوں کے مہر | سرورِ کائنات کی ازواج مطہرات

کے مہر کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک حدیث ہے جو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی ہے کہ ان کے سوال کے جواب میں ام المومنین نے فرمایا کہ "رسالتمآب کا مہر جو بیویوں کے لئے ٹھہرایا گیا تھا ساڑھے بارہ اوقیہ تھا" ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔ ساڑھے بارہ اوقیہ برابر ہوئے پانسو درہم کے۔ ایک درہم ساڑھے چار آنے کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ازواج مطہرات کے مہر کی رقم ایک سو چھپن روپے چودہ آنے ہوتی ہے۔

بی بی ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا مہر حبش کے بادشاہ نے رسول اکرم کے خط کے مطابق نکاح کے وقت ادا کر دیا تھا۔ بی بی صفیہ جنگ خیبر کے قیدیوں میں سے تھیں اور ان کو آزاد کر دیا گیا تھا تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ آزادی ہی ان کا مہر قرار دیا گیا۔ بی بی جویریہ کی آزادی کی قیمت اونس سونا ثابت بن قیس بن شماس کو ادا کر کے ان سے نکاح کیا گیا تھا۔

اللہ کا خطاب اپنے رسول کی بیویوں سے

مسلمانوں کی ماؤں کے حالات میں کلام پاک کی جن آیتوں کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی آیتیں رسول اکرم کی ازواج مطہرات کے متعلق ہیں۔ سورۂ احزاب میں اللہ نبی کی بیویوں سے خطاب فرما رہا ہے۔ (ترجمہ درج ذیل ہے)۔

(۱) اے پیغمبر کی بیویں۔ تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے گی اس کو دوگنی سزا دی جائے گی (آیت ۳۰

(۲) اور جو تم میں سے خدا اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی اور عمل نیک کرے گی اس کو ہم دوگنا ثواب دیں گے۔ اور اس کے لئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔ (آیت ۳۱)

(۳) اے نبی کی بیویوں! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرمی سے باتیں نہ کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے۔ اور ان میں دستور کے مطابق بات کیا کرو۔ (آیت ۳۲)

(۴) اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں میں) اظہار زینت کرتی تھیں۔ اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر کی بیویں) خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں پاک صاف رکھے۔ (آیت ۳۳)

(۵) اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو۔ (آیت ۳۴)

(۶) اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں) تو اپنے (منہ) پر چادر ڈال لیا کریں (سر کے اوپر کے کپڑے کو ذرا آگے کی طرف نیچے کر لیا کریں) یہ گھونگھٹ ان کی شناخت بن جائے گا اور پھر کوئی انہیں چھیڑے گا نہیں۔

(آیت ۵۹)

ماریہ قبطیہ اور ریحانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں لونڈی غلاموں کا عام دستور تھا۔ امہات المومنین کے علاوہ تین کنیزوں کو بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں:۔

ماریہ قبطیہ۔ ریحانہ۔ نفیسہ۔

نفیسہ کے متعلق تاریخ سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتاتی کہ انہیں حضرت زینب بنت جحش نے ہبہ کیا تھا۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔

ماریہ قبطیہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ماریہ قبطیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل اسلام قبول کر چکی تھیں۔ ان سے بھی آپ نے نکاح کیا لیکن اکثر و بیشتر مورخین نے ان کا شمار کنیزوں میں کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلعم نے دس ملکوں کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھیجے تھے۔ عرب کے گرد و پیش میں چار سلطنتیں

بہت زبردست تھیں۔ (۱) فارس جہاں خسرو پرویز شہنشاہ تھا۔ (۲) روم جہاں ہرقل کی حکومت تھی۔ (۳) مصر جس کا بادشاہ مقوقس تھا۔ اور (۴) حبش جس کا حکمراں نجاشی کہلاتا تھا۔

مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن بلقہ کو بھیجا گیا تھا۔ اُس نے آپ کے دعوت نامہ کے جواب میں اپنے خط کے ساتھ سونا۔ کپڑے۔ شہد اور دو لڑکیاں ماریہ اور سیرین بھیجی تھیں جو سگی بہنیں تھیں۔ بعض مورخین نے چار لڑکیاں لکھی ہیں۔ تیسری کا نام بریرہ بتایا گیا ہے۔ جو ابوجہم بن حذلیفتہ العدوی کو دی گئی تھی۔ اور جس سے زکریا پیدا ہوئے۔ یہی وہ زکریا تھے جنہیں عامل مصر عمرو بن عاص کا جانشین قرار دیا گیا تھا۔ چوتھی لڑکی کا نام قیس بتایا گیا ہے مگر دو لڑکیوں ماریہ قبطیہ اور سیرین کو محققین نے تسلیم کیا ہے۔ مصر کے فرماں روا نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ان لڑکیوں کو مصر میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لونڈیاں نہ تھیں۔ خط میں لفظ جاریتین ہے۔ جاریتین جمع ہے جاریہ کی اور جاریہ کے معنی لڑکی بھی ہیں اور کنیز بھی۔ شاہانہ ادب و قواعد کے خلاف تھا کہ عوام کو انھیں دے دیا جاتا۔ اور شرع اسلام کی رُو سے دو حقیقی بہنیں ایک وقت میں ایک شخص کے پاس نہ رہ سکتی تھیں۔ رسول اللہ نے سیرین کو مشہور شاعر حسان کو دیدیا۔ اور ماریہ قبطیہ کو اپنے پاس رہنے دیا۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ آٹھویں ہجری (اپریل سنہ ۶۳۰ عیسوی میں) رسول اکرم صلعم

کا ایک لڑکا ماریہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ آپ کو اس بچہ سے بہت محبت تھی اور اسے گود میں لے کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بچہ کو دیکھنے کے لئے روز ماریہ قبطیہ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے جن کو علیحدہ مکان دیدیا گیا تھا۔ ازواج مطہرات کو جن سے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی قدرتی طور پر یہ ناگوار گذرتا تھا اور حضرت ماریہ قبطیہ سے ان کا رشک اس لحاظ سے تھا بھی فطرتِ نسوانی لیکن ایچ جی۔ ویلز وغیرہ کا یہ بیان کہ آنحضرت بچہ کی وجہ سے ماریہ قبطیہ پر بہت مہربان تھے اور بیویوں میں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے تھے صحیح نہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے ذکر میں ولیم میور اور لورن اور سپرینگر نے رسول اکرم اور بی بی حفصہ کی لڑائی کی جو کہانی بغیر کسی مستند تاریخی حوالہ کے لکھی ہے۔ وہ گھڑی ہوئی ہے۔ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس کے متعلق ایک روایت بھی نہیں۔ اور قرآن مجید کی جن آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی اس موقعہ کی نہیں۔ اس جھوٹی کہانی کا جیسا کہ ہم نے بی بی حفصہ کے حالات میں لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "بی بی حفصہ اپنے میکہ گئی ہوئی تھیں واپس آئیں تو انہوں نے اپنے گھر میں ماریہ قبطیہ کے ساتھ رسول اللہ کو دیکھا اور جب تک ماریہ گھر سے باہر نہ آگئیں بی بی حفصہ باہر کھڑی انتظار کرتی رہیں۔ ماریہ کے جانے کے بعد بی بی حفصہ آنحضرت پر بہت خفا ہوئیں اور آپ نے قسم کھائی اور وعدہ کیا کہ ایک خاص مدت تک ماریہ سے کوئی التفات نہ فرمائیں گے۔" ان متعصب مورخین نے

قرآن مجید کی جن آیتوں کا اس سلسلہ میں حوالہ دیا ہے۔ وہ سورۂ احزاب کی ابتدائی آیتیں ہیں۔

پہلی آیت یہ ہے "اے نبی اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے کیوں حرام کرتے ہو اُس چیز کو جسے اللہ نے تمہارے لئے حرام کیا ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کا اس جھوٹے قصے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ اُس موقع کی ہے جب سرورِ کائنات شہد کھا کر بی بی زینب کے ہاں سے تشریف لا رہے تھے۔ اور بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ نے کہا تھا کہ مغافیر کی بو آرہی ہے۔ اس پر آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ آئندہ شہد نہ کھائیں گے یہ آیت شہد نہ کھانے کی قسم کھانے کے بارے میں ہے اور اس آیت کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ بی بی عائشہ کے حالات میں۔ بی بی حفصہ کے حالات ہیں۔ بی بی زینب کے حالات ہیں نہ کہ ماریہ قبطیہ سے متعلق جھوٹی کہانی میں۔ اللہ کے رسول کو بدنام کرنے کی نیت سے۔ ایک خاص مدت (ایک ماہ ایلا) کا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت ابراہیم سے آنحضرت کو جو محبت تھی اس کی وجہ مصنفین یورپ نے یہ لکھی ہے کہ " ان سے آپ کی نسل چلے گی " لیکن رسول اللہ تو بیٹیوں سے بھی بے انتہا محبت کرتے تھے حالانکہ نسل بیٹیوں سے نہیں چلتی۔ اگر اولاد کی محبت فطری چیز نہیں اور نسل کا خیال ہی وجہ محبت ہو سکتی ہے۔ تو آپ عمر سے اتری ہوئی عورتوں سے شادیاں نہ کرتے ادھیڑ اور بیوہ کو شرف زوجیت نہ بخشتے !

حضرت ابراہیم سولہ ماہ کی عمر پا کر گذر گئے۔ رسول اللہ صلعم عبدالرحمن بن عوف کے کندھے کے سہارے انہیں دیکھنے تشریف لائے اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بعض صحابہ کو تعجب ہوا تو فرمایا" یہ انسانی فطرت ہے۔ میں چیخنے چلانے سے منع کرتا ہوں۔ رنج سے منع نہیں کرتا"

دس ہجری ۷ جنوری ۶۳۲ء کو جس روز حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا۔ اُس دن سورج گرہن تھا۔ لوگوں نے سمجھا زمین آسمان پیغمبر کے بیٹے کی رحلت پر رو رہے ہیں۔ آپ نے منع فرمایا " ایسی بات زبان سے نہ نکالو سورج چاند کسی کے مرنے پر نہیں گہناتا۔" پھر فرمایا " خدا کو یاد کرو نماز پڑھو"

رسول اکرم کی رحلت کے پانچ سال بعد ۱۶ھ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے حالات میں ہم لکھ آئے ہیں کہ زید بن حارث کہلانے لگے تھے۔ زید بن محمد۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب آیت ۴ میں فرمایا ہے۔

" اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹے کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔"

اور آیت ۴۰ میں ارشاد ہے۔

" محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔"

ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔

چار سال بعد رسول اکرم کے ہاں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو ماریہ قبطیہ اُمّ الوَلَد اور رسول اللہ صلعم

پھر لڑکے کے باپ بن گئے۔ حضرت ابراہیم کی پیدائش کا مندرجہ بالا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا کہ محمد کسی بچہ یا لڑکے کے باپ نہیں ہیں یا کسی بچہ یا لڑکے کے باپ آیندہ بھی نہ بنیں گے تو لفظ طفل۔ صبی۔ یا نبی ہوتا۔ لفظ رجل کے معنی ہیں مرد۔ بالغ مرد دس بارہ سال کے لڑکے کو کبھی رجل نہیں کہیں گے۔ رجل جوان یا بڈھے کے لئے بولا جاتا ہے۔ لڑکے یا بچہ کے لئے نہیں۔ آنحضرت کی کوئی اولاد نرینہ بلوغت کو پہنچی ہی نہیں جو رجل (مرد) کہی جا سکتی۔ بی بی خدیجہ کے بطن سے جو لڑکے ہوئے بچپن میں فوت ہو گئے۔ حضرت ابراہیم بھی شیر خوار تھے کہ فوت ہو گئے۔ آنحضرت ننھے بچوں کے باپ تھے بالغ مردوں کے باپ نہیں بنے۔

ریحانہ

مشہور یہودی قبیلے بنو قریظہ کے سردار شمعون بن زید بن قنامہ کی بیٹی تھیں اور قریظہ کے قیدیوں میں سے تھیں یوربین مورخین نے ان کے ذکر میں بھی پیغمبر اسلام صلعم کے متعلق انتہائی تعصب سے غلط سلط باتیں لکھی ہیں اور دنیا پر اس سلسلے میں یہ ظاہر کرنے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی ہے کہ رسول اکرم (نعوذ باللہ) "انتہائی سنگ دل کٹر جابر اور بے رحم تھے کہ بنو قریظہ کے آٹھ نو سو قیدی دن بھر میں موت کے گھاٹ اتار دئے اور صبح سے شام تک قتل ہوتا رہا۔"

حالانکہ مقتولین کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ نہ تھی۔ اور ان کے قتل کا حکم رسول اللہ نے نہیں دیا تھا بلکہ خود بنو قریظہ کی خواہش پر حضرت سعد بن معاذ نے فیصلہ دیا تھا جن کے قبیلہ اوس سے بنو قریظہ کی دوستی کا

عہد و پیمان تھا۔ اور حضرت سعد نے بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ توریت کے مطابق دیا تھا۔ رسول اکرم کا سعد بن معاذ کے اس فیصلہ میں قطعی کوئی دخل نہ تھا۔

یہی مغربی مورخین لکھ رہے ہیں کہ چونکہ ریحانہ بہت حسین تھیں۔ اس لئے رسول اللہ کے لئے انہیں الگ کر دیا گیا۔ ریحانہ کے حسین ہونے کے ثبوت میں کسی مستند تاریخی بیان کا حوالہ نہیں دیا گیا اور یہی ان کی غلط بیانی کا ثبوت ہے۔ یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ریحانہ سے شادی کی درخواست اس شرط پر کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں مگر انھوں نے صاف جواب دے دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریحانہ کے متعلق تین بیانات ہیں:۔

(۱) جب ریحانہ رسول اللہ کے سامنے لائی گئیں اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ ایک سردار کی بیٹی ہیں۔ تو آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا:۔ "مجھے میرے حال پر رہنے دیجئے" آپ کو یہ جواب اچھا معلوم نہ ہوا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ ثعلبہ بن سعید نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ نے ایک دن ریحانہ سے فرمایا اگر تم پسند کرو تو میں تم سے نکاح کر لوں۔ اور جس طرح اور بیویاں پردہ میں رہتی ہیں تم بھی پردہ میں رہو۔ ریحانہ نے جواب دیا: "مجھے کنیزوں میں رہنے دیں میں اس قابل نہیں کہ بیویوں میں شامل ہو سکوں" ریحانہ کے

اس جواب سے آپ خوش ہوئے اور اُن کی حیثیت کنیز کی رہی۔
ریحانہ کے کنیز کی حیثیت سے رہنے کی روایت ابن اسحاق کی ہے

(۲) واقدی کا حوالہ ولیم میور ڈاکٹر سپرینگر وغیرہ نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ دیا ہے۔ اسی کی اس روایت کو انھوں نے یکسر نظرانداز کر دیا کہ خود ریحانہ کے الفاظ ہیں۔ فاعتقنی وتزوج بی۔ پھر آنحضرت نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح کر لیا۔ تاریخ مدینہ سے اصابہ میں یہ روایت نقل ہے کہ "اور ریحانہ جو نبی کی زوجہ تھیں اسی مکان میں رہتی تھیں۔" ان روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریحانہ آپ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں۔

لیکن تمام مستند مورخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلعم کی حیات میں آپ کی دو بیویوں کا انتقال ہوا اور وہ دو بیویاں تھیں بی بی خدیجہ (جنھوں نے نبوت کے دسویں سال میں رحلت کی) اور بی بی زینب بلالیہ اُم المساکین (جنھوں نے ۳ھ ہجری میں نکاح کے دو تین ماہ بعد ہی وفات پائی) ریحانہ نے ۱۰ھ ہجری میں رحلت کی یعنی رسول اللہ کی حیات میں۔ اگر وہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہوتیں، تو مورخین یہ نہ لکھتے کہ رسول اللہ کے سامنے دو بیویوں نے انتقال کیا بلکہ یہ لکھتے کہ تین بیویوں نے آپ کی حیات میں رحلت کی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ واقدی کا بیان غلط ہے۔

(۲۱) سیرت النبی میں طبقات الصحابہ سے حافظ ابن مندہ کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ " ریحانہ کو گرفتار کیا پھر آزاد کردیا۔ اور وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں۔ اور وہیں پردہ نشین ہوکر رہیں" اس بیان کے پیش نظر ابن اسحاق کی روایت بھی کہ ریحانہ کنیز تھیں صحیح نہیں۔ بلکہ وہ آزاد کردی گئی تھیں۔ اور اپنے خاندان میں جاکر رہیں۔

ان کا انتقال سنہ ۱۰ ہجری میں اس وقت ہوا جب رسول اکرم حجۃ الوداع کے سفر سے مدینہ واپس آئے تھے۔

باب چوتھا

غیر مسلموں کے اعتراض اور انکے جواب

اعتراضات

حضرت محمد رسول اللہ کے یورپین سوانح نگاروں اور مشنری پادریوں نے رسالتمآب کے نکاحوں کے بارے میں یہ دو اعتراض کیئے ہیں :-

(۱) پیغمبر اسلام نے ذوقِ جمال یا عیش پسندی یا نفس پروری یا دنیاوی خواہشات کے تحت متعدد شادیاں کیں۔

(۲) پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو چار بیویوں کا اختیار دیا۔ مگر خود اس تعداد سے زیادہ بیویاں رہیں۔

ایک اعتراض اور ہے اور تیسرا اعتراض ہے اسلام پر۔

(۳) اسلام میں چار بیویاں عورتوں پر بہت ظلم ہے۔

اقوامِ عالم میں عورت کی حیثیت

ایک اکیلے عرب ہی پر منحصر نہیں اب سے چودہ سو سال پہلے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو عرب ہی کی نہیں دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا تو کسی ملک اور کسی قوم میں عورت کی کوئی حیثیت اور بیوی کی کوئی وقعت نہ تھی۔ مرد کو اختیار تھا کہ جتنی چاہتا بیویاں رکھتا۔ بابل۔ فارس اسیریا کے رہنے والے چاہے جتنی شادیاں کرتے کوئی پوچھ گچھ نہ تھی۔ یورپ اور مغربی ایشیا میں ایک ایک آدمی کی کتنی ہی بیویاں ہوتیں کوئی روک ٹوک نہ کرسکتا تھا۔ ہندوؤں میں بیویوں کی تعداد مقرر نہ تھی۔ رام چندر جی کی تین اور سری کرشن جی کی کم سے کم ۱۸ بیویاں تھیں بلکہ ہندوؤں کا تمدن تو یہ رہا ہے کہ دروپدی کی طرح ایک ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے جب یونان کی تہذیب عروج پر تھی ایک ایک آدمی کئی کئی بیویاں رکھتا اور جب چاہتا بیویوں کا تبادلہ کرلیتا۔ رومیوں میں بھی بیویوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ سپارٹا والوں میں بھی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ اور ایک ایک عورت کے کئی

شوہر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل اسرائیل میں تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ اور حضرت موسیٰ نے بھی کوئی تعداد مقرر نہ کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال دنیا میں رہے۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ شادی نہ کرو۔ قدرت کا منشاء شادی سے بقا نسل انسانی ہے۔ اگر ساری دنیا ان کی تقلید کرتی یعنی گناہ سے دور رہتی اور شادی بھی نہ کرتی تو ایک صدی کے اندر اندر انسانی نسل ختم ہو جاتی۔ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ شادی کرنا کوئی نیکی نہیں۔ اور اگر شادی کرو بھی تو ایک دفعہ سے زیادہ نہیں۔ دوسری شادی جرم مگر یہ جو مغرب میں دھڑلے سے بدکاری اور کھلم کھلا حرام کاری ہو رہی ہے یہ جرم نہیں۔ بدھ مت کہتا ہے کہ علم اور معرفت اور نجات کے لئے ضروری ہے کہ گھر سے کوئی تعلق ہی نہ رکھا جائے۔ کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ۷۰۰ بیویوں کے علاوہ تین سو لونڈیاں تھیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ حضرت یعقوب۔ حضرت داؤد اور دوسرے پیغمبروں کی کئی کئی بیویاں تھیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ ہاں پیغمبر اسلام کے نکاحوں پر مغرب نے بے سر و پا اور آلٹے سلٹے غلط سلط اوٹ پٹانگ اعتراضات ایمان بھول کر محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اس تین صدی میں کئے ہیں مگر آنحضرت کی حیات میں کسی دشمن نے بھی آپ کے نکاحوں پر اعتراض نہیں کیا۔ پڑوسی ملکوں کا عرب کے تمدن پر بہت گہرا اثر تھا اور بت پرستوں میں گھر کی دوسری چیزوں کی طرح عورت بھی ایک ایسی شے تھی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی تھی۔ باپ کے مرنے پر بیٹا جہاں اور

چیزوں کا مالک ہوتا وہاں باپ کی بیوہ کا بھی۔ سوتیلے لڑکے سوتیلی ماں کو بیوی کی حیثیت سے رکھتے۔ یہودیوں میں بیٹی کی کوئی حیثیت باپ کے گھر میں نہ تھی۔ وہ فروخت کی جا سکتی تھی۔ اسے باپ کا ترکہ صرف اس وقت مل سکتا تھا جبکہ اس کا کوئی بھائی نہ ہوتا۔ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے قریش عرب کا سب سے معزز اور معتمد قبیلہ تھا۔ جس میں عیاشی اور بدکاری عام بات تھی۔ اور مردوں عورتوں کے تعلقات کے قصے اور اشعار بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ نہایت فخر سے علانیہ بیان کئے جاتے تھے۔ مرد جب چاہتا جس بیوی کو چاہتا طلاق دیدیتا۔ اسکی متعدد بیویاں ہوتیں۔ دو چار کا حساب تھا نہ پانچ دس کی گنتی۔

عربوں اور دوسری قوموں میں بیوی کی یہ حیثیت تھی جب سرورِ عالم دنیا میں تشریف لائے۔

پیغمبر اسلام کے نکاحوں پر ایک نظر

شادی مخلوق کی ہی نہیں خالق کی ضرورت ہے کہ نسل قائم رہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک چلتا رہے۔ لڑکی کے لئے جب رشتہ کی تلاش ہوتی ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ خاندان بھلے آدمیوں کا ہو لڑکا طبیعت کا شریف، نیک، تعلیم یافتہ کماؤ ہو۔ اسی طرح لڑکی کے انتخاب میں مندرجہ ذیل باتیں پیش نظر ہو سکتی ہیں۔

(۱) خاندان (۲) تعلیم (۳) ہنر سلیقہ خانہ داری سے واقفیت

طبعی شرافت (۴) دینداری (۵) اولاد کی ضرورت (۶) دولت (۷) صورت۔

سرورِ کائنات کے نکاحوں پر بحث شروع کرنے سے قبل ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ آپ بھی ایک انسان تھے اور خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے نبی کہو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ اسلام نے اور مذاہب کی طرح اپنے پیغمبر کو خدا کا درجہ نہیں دیا۔ آپ اللہ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ بشر تھے اور ایک بشر کی جو جو فطری خواہشیں ہو سکتی ہیں وہ آپ میں بھی تھیں۔ ان سے آپ کی شان رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بقائے نسل انسانی کے لئے جو خواہش ہر فرد بشر میں ہوتی ہے۔ ایک انسان کی حیثیت سے آپ میں بھی ضرور تھی۔ تو کیا آپ کے نکاح نفسانی خواہش پر محمول تھے یا ان کی تہہ میں کچھ اور اسباب کام کر رہے تھے؟ یہ اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے۔ جب ہم ان سب باتوں پر نظر ڈالیں جن کا لڑکی کے انتخاب کے وقت خیال رکھا جا سکتا ہے

(۱) خاندان عرب کے یہودیوں، قبائلیوں اور اہل مکہ میں کعبہ کی تولیت کی وجہ سے آپ کا خاندان یعنی قریش سب سے زیادہ معزز و منتخب سمجھے جاتے تھے اس لئے آپ پر کسی نکاح میں خاندان کی دھونس تو پڑ سکتی ہی نہ تھی۔ جب قریش سے بڑھ کر ذی عزت اور باوقعت کوئی اور قبیلہ تھا ہی نہیں۔ تو یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ آپ نے بہ حیثیت انسان اپنی وقعت و توقیر بڑھانے کے لئے کسی بہتر قبیلہ

میں شادی کی۔ آپ کی زندگی کا اصلی مقصد تھا۔ اشاعت اسلام اور دن رات صبح شام ہر حالت میں ہر کیفیت میں اسی کی دھن تھی جس کے مقابلے میں ساری خواہشیں جو ایک بشر میں ہو سکتی ہیں مغلوب تھیں۔ اسلام کی مضبوطی۔ اسلام کی ترقی اسلام کی توسیع اس کے سوا آپ کچھ اور سوچتے ہی نہ تھے۔ نکاحوں کے معاملہ میں بھی اسلام کی تقویت آپ کے پیش نظر رہی جب آپ کا نکاح بی بی میمونہ سے ہوا تو اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اور آپ کو ان قریش پر جن کے ہاتھوں مسلسل بیس سال تک سخت تکلیفیں پہنچیں یہ بھی ثابت کر دینا تھا کہ حقیقتاً آپ کو اپنے قبیلہ سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ اور جب بی بی ام حبیبہ کو نکاح میں لائے تو قریش کے سب سے بڑے آدمی ابوسفیان اور اس کے کنبے والوں کو یہ بھی بتانا تھا کہ آپ کو ذاتی مخالفت ان لوگوں سے نہ تھی وہ بھی خاندانی اعتبار سے آپ کے نزدیک اتنے ہی ممتاز تھے جتنے آپ خود۔ دامادی رشتہ ہی ایسا ہے کہ سسرال کو نازبرداری کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں نکاحوں سے ابوسفیان اور قریش کی مخالفت اسلام کا زور ڈھے گیا یہاں تک کہ سال بھر بعد وہی لوگ جو خون کے پیاسے تھے آپ پر ایمان لے آئے۔ بی بی جویریہ بنو مصطلق میں سے تھیں اور بی بی صفیہ یہود میں سے۔ ان نکاحوں سے دامادی کا دباؤ پڑا تو سسرال کے قبیلوں کو جھکنا پڑا۔ بہت سے خود ہی مسلمان ہو گئے اور جو رہ گئے ان کی مخالفت اسلام میں کمی آ گئی ان چاروں نکاحوں سے اسلام کو

بہت تقویت پہنچی۔ خاندانی بزرگی کے لحاظ سے ان میں سے کوئی نکاح نہیں کیا گیا کہاں سے آپ کے خاندانی وقار میں چار چاند لگ جاتے۔

(۲) تعلیم۔ جب آپ کو نبوت عطا ہوئی تو عرب میں تعلیم کا چرچا نہ تھا کل ۱۷۔ آدمی قریش میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جن میں حضرت عمر حضرت علی۔ حضرت عبیدہ طلحہ اور حضرت عمر کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر سعید بھی تھے۔ نکاحوں کے وقت آپ کی ازواج مطہرات میں سوائے بی بی حفصہ کے کوئی بیوی پڑھی لکھی نہ تھیں۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اعلیٰ تعلیم یا علم و فضل کسی نکاح کی وجہ ہوا

(۳) ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد خانہ داری کا سارا نظام درہم ہوگیا۔ دو بچیوں کی نگرانی کے لئے ایک بڑی بوڑھی کی ضرورت تھی۔ اس لئے بی بی سودہ سے نکاح کیا مگر یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ بڑھیا تھیں۔ اس کے بعد کوئی نکاح کسی بی بی کی محض سلیقہ شعاری یا کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا

(۴) دینداری سرور کائنات فرماتے تھے کہ بیوی کے انتخاب میں نسب۔ صورت۔ مال۔ دینداری ان چاروں باتوں میں دینداری کو سب پر ترجیح دینا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کی تمام ازواج مطہرات دیندار تھیں اور عبادت گذار اور عورتوں میں ان کے ذریعہ آپ کی حیات میں بھی اور آپ کے بعد بھی بہت کچھ اشاعت اسلام ہوئی اور نسوانی زندگی کے بہت سے مسئلے ان کے ذریعہ حل ہوئے۔ اور آپ

سے کے نکاحوں کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ آپ کی ازواج کے ذریعہ عورتوں کو احکام اسلام سے واقفیت ہو۔ مردوں میں بڑے بڑے صحابہ عام مسلمانوں کو اسلام سے آگاہ کرنے والے تھے مگر عورتوں میں یہ فرائض بہترین طریقہ پر ازواج مطہرات نے انجام دئے۔ آپ نے دینداری کا خیال رکھ کر نکاح کئے تو یہ بات قابل اعتراض نہیں ہو سکتی۔ دین توحید کی تبلیغ و توسیع سے بڑھ کر تو آپ کا کوئی مقصد تھا ہی نہیں!

(۵) بعض نکاح اولاد کی ضرورت سے کئے جا سکتے ہیں۔ امہات المومنین میں اللہ نے صرف حضرت بی بی خدیجہ کے بطن سے آپ کو اولاد دی۔ جن میں سے لڑکے زمانۂ شیرخوارگی ہی میں رحلت کر گئے غیر مسلموں کی رائے ہے اور بعض مسلم مورخین بھی اسی رائے میں ان کے ہمنوا ہیں کہ آپ نے بعض نکاح اس لئے بھی کئے کہ آپ کا کوئی لڑکا زندہ نہ رہا تھا اور لڑکے کے ہو جانے سے آپ کی نسل چلے۔ ہم اس رائے سے متفق نہیں ہر قوم اور ملک میں بیٹی کے مقابلہ میں بیٹے سے محبت زیادہ کی جاتی ہے کہ بیٹی پرایا دھن ہے اور بیٹے سے نام چلتا ہے۔ رسول اکرم کی اگر یہ خواہش ہوتی کہ ان کا بھی لڑکا ہو تو یہ فطرت انسانی ہے جس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا مگر آپ کے حالات زندگی بتا رہے ہیں کہ آپ کو خلق خدا کو راہ خدا کی طرف بلانے اور دین اللہ کی اشاعت کی دھن کے سوا اور کسی بات کا فکر تھا ہی نہیں جس انسان کامل نے ساری عمر

نفس کشی کی۔ راحت و آرام اور آسودگی کی زندگی گذاری ہی نہیں جس کے گھر میں کبھی آسائش اور آرائش کا سامان نہ ہوا، جس کی بیویوں کو کبھی ڈھنگ کا کپڑا زیور میسر نہ ہوا جس نے نبوت کے ۲۳ سال میں اور اس زمانہ میں بھی جب فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی مالی حالت اچھی ہوگئی تھی اور عوام کا خزانہ آپ کے اختیار میں تھا مسلسل تین دن بھی تو گیہوں کی روٹی نہ کھائی، جس کی زندگی کی آخری رات کو گھر میں روشنی کے لئے تیل تک نہ تھا۔ اسے اپنی نسل کے چلنے کا کیا فکر ہوتا؟ نفسانی خواہشات کی بنا پر یا دنیاوی مقاصد سے نکاح کئے ہوتے تو لڑکے کی تمنا بھی ہو سکتی تھی۔ بی بی عائشہ کی وداع سے بی بی میمونہ تک جب سب نکاح دینی اغراض یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر کئے تو دنیاوی خواہشیں رہیں کہاں؟ اور اگر لڑکے کی تمنا ہی میں نکاح کرتے تھے تو بیواؤں سے کیوں کرتے؟ عمر سے اتری ہوئی اُن عورتوں سے کیوں کرتے جو دو دو تین تین شوہروں کی بیوہ تھیں یا جن کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا تھا۔ کیا رسول اللہ کو کنواریاں نہ مل سکتی تھیں، جوان نہ مل سکتی تھیں؟

ان باتوں کو سامنے رکھا جائے ان واقعات پر غور کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ آپ نے بیٹے کی خواہش کی وجہ سے بھی کوئی نکاح نہیں کیا!

(۶) دولت سوائے بی بی خدیجہ کے آپ کی کوئی بیوی دولت مند نہ تھیں سوائے بی بی عائشہ کے جو کنواری تھیں اور ۳ھ ہجری میں جب اُن کی

رخصت ہوئی ان کے باپ کی مالی حالت کمزور ہو گئی تھی۔ جتنے نکاح آپ نے کئے سب ان عورتوں سے کئے جو بے سہارا تھیں اور ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھیں جو اپنے ساتھ دولت لائی ہوں۔

(۷) صورت اب رہی آخری چیز یعنی خوبصورتی۔ مصنفین یورپ نے آپ کی ذات پر یہ الزام لگایا ہے کہ سنہ ۲ ہجری سے سنہ ۸ ہجری تک یعنی ۵۴ سال سے ۵۹ سال کی عمر کے درمیان مدینہ میں آپ نے جو نکاح کئے ان کی تہہ میں جذبۂ حسن پرستی کار فرما تھا۔ کوئی بیوی "بہت خوبصورت" تھیں کوئی "حسین" کسی میں صورت شکل کے لحاظ سے جاذبیت تھی کسی میں جنسی کشش کسی کے حسن کے آپ پہلے سے مداح تھے۔ الفاظ الگ الگ ہیں۔ مگر مفہوم ایک مطلب ان مغربی مورخین کا صرف یہ ہے کہ آپ نے یہ نکاح ذوق جمال یا حسن ظاہری کی وجہ یا نفس پروری کی غرض سے کئے۔ تاریخی بددیانتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ جو دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاتا ایک ہزار سال تک بی بی حفصہ اور بی بی زینب کے سوا رسول اکرمؐ کی بیویوں کی خوبصورتی کا تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا تین صدیوں سے عیسائی مورخین قلم اٹھاتے ہیں تو تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کے آداب و قواعد سب تہہ کر کے رکھ دیتے ہیں اور آپ کے بڑھاپے پر عیش و عشرت اور حسن و جوانی سے لطف اندوز ہونے کا بہتان عظیم رکھتے ہیں۔ حالانکہ علم النفس کی رو سے کیف و حظ کی طرف طبعی رجحان اس شخص کا

ہو ہی نہیں سکتا جس نے شراب یا کسی قسم کے نشہ کو کبھی چھوا ہی نہ ہو۔ رقص و سرود میں جسے ذرا سی بھی دلچسپی نہ ہو۔ جوئے سے جو ہمیشہ کوسوں دور رہا ہو۔ سونے کی انگوٹھی اور ریشمی کپڑوں سے جس نے پرہیز کیا ہو۔ جس کے لئے کسی قسم کی چمک دمک اور زیب و زینت میں کوئی کشش نہ ہو جس نے پیٹ بھر کر دو وقت روٹی بھی نہ کھائی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سچے اور آخری نبی نے اس قدر نفس کشی کی کہ نفس پروری کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ۲۵ سال کی عمر تک آپ کنوارے رہے اور اس قدر صاف ستھری پاکیزہ زندگی گزاری کہ اپنی قوم سے " امین " کا خطاب حاصل کیا۔ اور آپ کی قوم وہ قوم تھی جس کے بڈھے اور جوان بے شرمی اور بے حیائی و بدکاری کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ مار کٹائی اور قتل و غارت گری پر جو لوگ ہر وقت تلے بیٹھے رہتے۔ شراب جن کی گھٹی میں پڑی تھی۔ جو جن کی فطرت تھی جو بداخلاقی کو مردانگی اور بدچلنی کو بہادری سمجھتے تھے وہ ایسے سیدھے سادھے بھولے بھالے تو نہ تھے کہ خواہ مخواہ ہی آپ کو امین اور صادق کہنے لگتے۔

۲۵ سال کی عمر میں شادی ہوئی تو ایک بھی نہیں دو شوہروں کی بیوہ سے جو عمر میں بھی پندرہ سال بڑی تھیں۔ اگر آپ کو اپنے نفس پر قابو نہ ہوتا تو ان سے کم عمر جوان لڑکی سے شادی کرتے۔ دو چار سال نہیں پورے ۲۵ سال بی بی خدیجہ کے ساتھ اس طرح گذارے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی دوسرے نکاح کا خیال نہ آیا۔ جو شخص ساری جوانی اس قدر پاکیزہ

گذار دے کہ ایک ساعت کے لئے بھی دوسری عورت کا خیال تک نہ آئے وہ ایک دم بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو کر عیش و عشرت کی طرف کس طرح مائل ہو سکتا ہے؟ پندرہ سال قبل جب دعویٰ نبوت کیا تو آپ ہی کی قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور قریش آپ کے چچا ابو طالب کے پاس شکایت لے کر آئے۔ اور عقبہ بن ربیعہ نے کہا آپ کا بھتیجہ ہمارے آبائی خداؤں کی توہین کرتا ہے۔ ہم آپ کے لحاظ کی وجہ سے خاموش ہیں اگر وہ دولت چاہتا ہے تو ہم ڈھیر ساری دولت پیش کرتے ہیں۔ اگر اسے خوبصورت عورت چاہیئے تو قریش کی حسین سے حسین، دل لڑکیوں سے اس کی شادی کرا دیتے ہیں؟ اگر سبب نکاح جیسا کہ مغربی مورخین بیان کرتے ہیں۔ حسن صورت ہوتا اور طبیعت راغب ہوتی کیف و حظ کی طرف تو ایسے سنہری موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور جواب میں یہ نہ فرماتے ا۔

"چچا جان! یہ لوگ مجھے کیا لالچ دیتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں۔ جب بھی میں خدائے واحد کی طرف بلانے سے باز نہ رہوں گا!"

جب جوانی میں آپ نے نفسانی خواہشوں کو مغلوب کر دیا تو بڑھاپا تو وہ زمانہ تھا جب اعضا دن بدن رو بانحطاط تھے۔ اور زمانہ بھی کونسا کہ چند مہینے بھی چین اطمینان سے نہ گزار سکے۔ مکہ میں تو صرف قریش ہی دشمن تھے مگر مدینہ آ کر نہ صرف ان کے حملے ہو رہے تھے بلکہ

ایک طرف یہودی اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں منہمک تھے۔ تو دوسری طرف قبائل کی یلغار تھی۔ اور پھر یہی نہیں منافقین بھی تھے کہ بظاہر مسلمان ہو گئے مگر حقیقتاً مارِ آستین تھے مکّہ میں مخالفت تھی صرف قریش کی مگر مدینہ میں مخاصمت تھی تین تین بلکہ چار چار کی۔ تابڑ توڑ لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ مسلمان تنخواہ پانے والے باقاعدہ سپاہی تو تھے نہیں۔ عرض کرتے کہ ہم لڑتے لڑتے تھک گئے کہاں تک لڑے جائیں۔ آپ انہیں صبر کی تلقین فرماتے۔ دشمن داخلی بھی تھے اور خارجی بھی۔ مدینہ کے اندر بھی اور مدینہ کے باہر بھی۔ ہر وقت مخالفوں کا کھٹکا۔ ہر طرف سے دشمنوں کے حملہ کا فکر۔ آئے دن اُن سے مقابلہ۔ ان حالات میں۔ ان پریشانی کے دنوں میں کسی انسان کو شادی بیاہ کی سوجھ سکتی ہے ؟ نفسیات بتاتی اور عقل جواب دیتی ہے کہ اتنی سخت پریشانیوں میں مبتلا اور اس قدر شدید افکار میں گرفتار ہو کر انسانی فطرت عیش و نشاط کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ اور وہ بھی اس وقت جب قویٰ کمزور پڑ رہے ہوں اور جب طبیعت اس طرف رغبت نہیں کر سکتی تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حسن ظاہری وجہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نتیجہ پر اس لئے بھی پہنچنا پڑتا ہے کہ عمر بھر آپ نے کسی غیر یا اجنبی عورت کا ہاتھ تک نہ چھوا۔ فتح مکہ کے بعد عورتوں سے بیعت لی تو اس طرح کہ پانی بھرے پیالہ میں خود ہاتھ ڈال کر نکالا اور پھر عورتوں نے اس پانی میں ہاتھ ڈالا۔ مدینہ آنے کے بعد ایمان لانے والی عورتوں سے دور ہی سے کہہ دیا کہ " تمھاری

بیعت ہو گئی" صحیح بخاری پارہ ۲۰ سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ "بخدا آپ نے ہاتھوں میں ہاتھ لے کر کسی عورت سے بیعت نہیں لی۔ بلکہ محض زبان سے کہہ کر بیعت لی"۔ اس حقیقت کو کہ حسن ظاہری آپ کے کسی نکاح کا سبب نہ تھا۔ تقویت ان حالات سے بھی پہنچتی ہے کہ آپ کو اکثر عبادت میں آدھی سے زیادہ رات گذر جاتی[1] جس کی گواہی خود کلام اللہ دے رہا ہے۔ کھڑے کھڑے پاؤں شل ہو جاتے تھے۔ ان پر ورم آجاتا تھا۔ اور پھر اس نتیجہ پر ان واقعات سے پہنچنا پڑتا ہے کہ فارغ البالی کی زندگی نہ آپ نے خود گذاری اور نہ ازواج مطہرات نے۔ ایک بار جب آپ کی بیویوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی اور عورتوں کی طرح پہننے اوڑھنے کپڑے لتے۔ زیور گہنے کی تھوڑی سی بہار دیکھ لیں تو وحی کا نزول ہوا اور آپ نے ان سے کہہ دیا:۔

"اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تم کو دے دلا کر خوشی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عافیت کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں

---

[1] "اے کپڑا اوڑھنے والے رات کو کھڑا رہا کر مگر تھوڑا آدھی اس کی یا کم کر اس میں سے یا زیادہ اس میں سے" سورہ مزمل آیت ۱ تا ۳

"بے شک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو رات کو کھڑا رہتا ہے۔ دو تہائی یا آدھی رات تک" سورہ مزمل آیت ۲۰

ان کے لئے اللہ نے بڑے بڑے اجر تیار رکھے ہیں۔[1]

(سورۂ احزاب آیت ۲۸ و ۲۹)

ازواج مطہرات کی خواہش فطرت نسوانی تھی مگر اللہ نے اپنے رسول سے جو الفاظ کہلوائے یہ جواب کیا اس شخص کا ہو سکتا ہے جو نفس پرور عیش پسند اور دنیاوی خواہشوں سے مغلوب ہو؟

پیغمبر اسلام کے نکاحوں پر ایک اور نظر

۱۔ بی بی خدیجہ سے جب پیغمبر اسلام نے نکاح کیا تو آپ کنوارے اور ۲۵ برس کے تھے۔ بی بی خدیجہ دو شوہروں کی بیوہ اور آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی ۴۰ سال کی تھیں۔ بغیر فطری خواہشوں کے بشریت نامکمل ہے۔ اور آپ انسان کامل اس وجہ سے بھی تھے کہ آپ میں وہ فطری خواہش بھی تھی جو سبب ہے بقائے نسل انسانی کا لیکن اگر خواہش نفس ہی تحریک نکاح ہوتی تو آپ بیوہ سے نہیں کنواری سے۔ بچوں والی سے نہیں چھوٹی سے اور اپنی عمر سے تقریباً ڈیوڑھی ۱۵ سال بڑی سے نہیں اپنے سے کم عمر لڑکی سے شادی کرتے۔ بی بی خدیجہ کی دولت اور شخصیت سے اسلام کو بڑی زبردست تقویت پہنچی مگر نکاح کے وقت آپ

---

[1] ان کنتن ... ... اجرًا عظیما

ان کی شخصیت یا دولت سے مرعوب نہ تھے اور بعد نکاح آپ اپنی ضرورتوں کے لئے خود روپیہ کماتے اور جو کچھ کماتے اپنی ضرورتیں اسی میں محدود رکھتے تھے۔ غریبی میں پیدا ہوئے۔ غریبی میں پلے بڑھے اور ساری عمر تنگ دستی کی زندگی گزاری۔ کھانے پہننے کا شوق تھا نہ آسائش اور آسودگی کی تمنا۔ اس سیدھی سادھی غریبانہ زندگی میں تکلف کا کام تھا نہ تصنع کا کا نام۔ بیوی خدیجہ کی دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر کبھی نہ دیکھا۔ پیام نکاح بھی خود نہیں دیا تحریک خود بی بی خدیجہ نے کی کہ وہ آپ کی عدیم النظیر پاکیزگی اور آپ کے عدیم المثال کردار سے بے حد متاثر تھیں۔ اور آپ نے جس وجہ سے اس پیام کو منظور کیا وہ یہ تھی کہ بی بی خدیجہ نہایت نیک، طبیعت اور پاکیزہ خیال خاتون تھیں اور دین داری ہی کی وجہ سے طاہرہ کہلاتی تھیں۔ ۲۵ سال کی عمر سے ۵۰ تک یعنی ۲۵ برس آپ کا اور بی بی خدیجہ کا ساتھ رہا۔ ساری جوانی گذر کر بڑھاپا آ گیا مگر ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو نکاح ثانی کا خیال نہ آیا۔ اور کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ مصنفین یورپ نے آپ پر جو اتہام اٹھایا اور الزام لگایا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی اگر واقعی درست ہوتا تو دوسری شادی تیسری شادی چوتھی شادی سے جوانی کے زمانہ میں روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ خود بی بی خدیجہ کو اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایک ایک مرد کی متعدد بیویاں اس زمانہ میں ایک عام بات تھی۔ وہ شخص بڑھاپے میں جا کر نفس پرور کس طرح ہو سکتا ہے جس نے ساری جوانی نفس کشی اور کردار کی انتہائی

پاکیزگی میں گذار رہی ہو۔

(۲) بی بی سودہ سے نکاح بی بی خدیجہ کی رحلت کے بعد خانہ داری کے انتظامات کی درستی اور دو بچیوں کی نگرانی اور پرداخت کی وجہ سے کیا۔ بی بی سودہ نے اسلام کی خاطر اپنے شوہر کے ساتھ حبش ہجرت کی اور وہیں ان کے شوہر کا انتقال ہوا۔ ایک بڑھیا سے جو بقول بعض مورخین بی بی خدیجہ سے بھی عمر میں بڑی تھیں۔ جن کے دانت ٹوٹ چکے تھے۔ جن کے چہرہ پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ جن کے بالوں کی سیاہی سفیدی سے بدل چکی تھی ایک بیوہ سے جن کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ جن کو زندہ رہنے کے لئے روٹی کپڑے کی ضرورت تھی اور شوہر کی رحلت کے بعد بے سہارا ہو گئی تھیں۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر تکلیفیں جھیل کر ہجرت کی سختیاں ہی نہیں بیوگی کا داغ بھی اٹھایا۔ ان سے نکاح کرنا تو کردار کی انتہائی پاکیزگی اور بلندی اور نفس کشی ثابت کرتا ہے!

(۳) بی بی عائشہ اور (۴) بی بی حفصہ بیٹیاں تھیں اسلام کے دو بہت بڑے محسنوں اور آپ کے دو سب سے بڑے دوستوں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی حضرت ابوبکر کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اکرم صلعم میں غیرت اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کا احسان آپ نہ بھولتے تھے۔ چنانچہ ایک ایک شخص کے احسانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تو اس کے معاوضہ میں آپ نے نہ صرف حضرت علی مرتضیٰ کی پرورش کی بلکہ اپنی پیاری بیٹی

فاطمۃ الزہرا کو ان کے نکاح میں دیا۔ حضرت عثمان نے اسلام پر اپنی ساری دولت لٹا دی تو آپ نے ایک ایک کر کے دو بیٹیوں کی شادی آپ سے کی۔ یہ تو دوستوں کے احسانات کا معاوضہ ادا کرنے کی چند مثالیں ہیں۔ آپ نے مخالفوں کی مہربانی تک کو نظر انداز نہ فرمایا۔ عبداللہ بن ابی نے اسلام کو نقصان پہنچانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر جب وہ مر گیا اور اس کے بیٹے نے آپ کا کرتہ عذاب قبر کی کمی کے عقیدے سے مانگا تو حالانکہ صحابہ نے پسند نہ کیا۔ مگر آپ نے اپنا کرتہ دیدیا کیونکہ جب حضرت عباس مسلمان ہو کر نہائے تو عبداللہ سے کرتہ لے کر آپ نے حضرت عباس کو دیا تھا۔ جب آپ دشمنوں تک کی مہربانی نہ بھول سکتے تھے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خدمات اسلام کا معاوضہ ادا نہ کرتے جن کی تعریف متعدد روایتوں میں ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:-

"میں سب کی خدمتوں کا بدلہ دے چکا ہوں لیکن ابوبکر کی خدمتوں کا صلہ اللہ ہی دے گا۔" حضرت عمر کی خدمات اسلام بھی حضرت ابوبکر کے لگ بھگ ہیں۔ حضرت عثمان اور حضرت علی کی خدمات کے معاوضہ میں ان دونوں کو شرفِ دامادی بخشا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خدمات کا معاوضہ ہو سکتا تھا تو اس طرح کہ ان کی بیٹیاں اپنی زوجیت میں لے کر ان کے داماد بنے۔ ان دونوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی تھی کہ اللہ کے رسول کے خسر کہلائے۔ پہلا رشتہ انتہائی عقیدت

کا تھا جواب اور مستحکم ہو گیا اس قرابت سے۔ چونکہ آپ کو اپنے طرزِ عمل سے اُمّت کے لئے ہر قسم کا نمونہ چھوڑنا تھا اس لئے جہاں آپ نے نکاح بیواؤں سے کئے وہاں ایک نکاح آپ نے کنواری سے بھی کیا۔ غیر مسلم مورخین کہتے ہیں عائشہ چونکہ کم عمر اور حسین تھیں اس وجہ سے آپ اوروں کے مقابلہ میں ان کو بہت زیادہ چاہتے تھے لیکن اگر یہ صحیح ہوتا کہ بی بی عائشہ زیادہ حسین تھیں تو پھر یہ غلط ہے کہ حسن کی وجہ سے آپ نے باقی نکاح کئے اور جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں عمر میں بی بی حفصہ بی بی عائشہ سے چند سال ہی بڑی تھیں اور کم عمر بی بی صفیہ تھیں اور صورت میں بی بی حفصہ اور بی بی زینب دونوں بی بی عائشہ سے کم نہ تھیں کچھ بہتر ہی تھیں۔ بی بی عائشہ کی قدر و منزلت رسولِ اکرم کے دل میں نہ ان کی کم عمری کی وجہ سے تھی نہ ان کی صورت کی وجہ سے اور نہ محض اس وجہ سے کہ وہ افضل البشر حضرت ابو بکر کی بیٹی تھیں۔ بلکہ جیسا کہ ان کے حالات سے ثابت ہے اس وجہ سے تھی کہ ذہانت اور فراست میں وہ اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ اور دینداری میں سب ازواج مطہرات پر فوقیت لے گئی تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ تم میں دو حصے دین کی مالک حمیرا ہے۔ بی بی حفصہ بدر کے ایک مجاہد کی بیوہ تھیں۔ اس نکاح سے علاوہ حضرت عمر کی خدمات کے اعتراف کے ایک بیوہ کو جس نے اسلام کی خاطر ترکِ وطن کیا تھا پناہ دینی بھی مقصود تھی۔ ان مصلحتوں اور ان حالات کو اگر سمجھ لیا جائے تو ان دونوں نکاحوں پر بھی اعتراض کی ذرہ برابر گنجائش نہیں رہتی۔

(۵) بی بی زینب ہلالیہ بنت خذیمہ اُم المساکین (غریبوں کی ماں) یکے بعد دیگرے تین شوہروں کی بیوہ تھیں۔ جن میں سے ایک جنگ بدر میں اور دوسرے جناب احد میں شہید ہوئے۔ یہ عمر سے اُتر چکی تھیں اور ان کے آخری دو شوہروں نے راہ حق میں اپنی جانیں دی تھیں۔ اُن کے رشتہ داران کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ اور حالات کے تحت اور بے سہارا۔ بیواؤں کی طرح ان کو بھی کسی نہ کسی مسلمان کی حفاظت اور پناہ میں رہنا ضروری تھا۔ رسول اللہ سے نکاح ہونے کے تین ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

(۶) بی بی اُم سلمہ نے جو جو روح فرسا درد انگیز اور خوفناک مصیبتیں دو بار ترک وطن یعنی حبش اور پھر مدینہ کی ہجرت میں اٹھائیں وہ تفصیل سے ان کے حالات میں بیان کی جا چکی ہیں۔ ان کے شوہر نے جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد رحلت کی۔ سرور کائنات نے انہیں جب اپنے نکاح میں لانے کا شرف بخشا تو یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مدینہ کی مسلم خواتین نصف سے زیادہ بیوائیں تھیں۔ بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں ۸۴ مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ قبیلہ کلاب کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے جو ستر انصار بھیجے گئے تھے۔ بیر معونہ کے مقام پر ان سب کو گھیر کر کفار نے قتل کر دیا تھا۔ بیواؤں کو بغیر حفاظت کے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ ان کے روٹی کپڑے کا بھی انتظام کرنا تھا۔ انہیں سرپرستوں کی بھی ضرورت تھی۔ حالانکہ اس وقت پیغمبر اسلام کے نکاح میں تین بیویاں

موجود تھیں۔ مگر آپ نے ابوسلمہ کی خدمات اسلام کے پیش نظر جن کو اپنے بچوں کا فکر دم واپسیں بھی تھا اور خود بی بی ام سلمہ کی گراں قدر خدمات ملحوظ رکھ کر ان سے نکاح کر کے ایک اور بیوہ کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اُن کے یتیم بچوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور اس طرح اپنے طرز عمل کا ایک ایسا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا کہ انہوں نے خوشی خوشی شہدا کی بے سہارا بے مددگار بیواؤں کی کفالت و حفاظت کی خاطر اُن سے نکاح کیے۔

(۷) بی بی زینب بنت جحش۔ رسول اکرم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور دو چار دس بیس دفعہ نہیں سینکڑوں بار آپ نے انہیں دیکھا تھا۔ پردہ تو اس زمانہ میں تھا نہیں اگر واقعی وہ بے حد حسین تھیں تو آپ اُن کے حسن سے یقیناً بے خبر نہ تھے اور کنواری زینبؓ بنت جحش سے آپ شادی کر سکتے تھے۔ اور عرب کے رسم و رواج کے مطابق اس میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ مگر آپ کو مبعوث کیا گیا تھا عربوں کی اصلاح کے لئے اور آقا اور غلام اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق کو دور کرنے اور خاندانی امتیاز اور نسلی غرور کو مٹانے کی غرض سے کہ اسلام ان چیزوں سے بلند و برتر ہے اسی لئے قریش جیسے مقتدر خاندان کی زینب بنت جحش جیسی معزز ہاشمی خاتون سے آپ نے آزاد غلام زید بن حارث کے نکاح کی تحریک کی۔ اسلامی نظریہ سے عرب کے تمدن میں اس اصلاح کی سخت ضرورت تھی۔ اور اسی کے تحت آپ نے اس رشتہ پر اصرار فرمایا۔

بی بی زینب بنت جحش نے اپنے خاندانی اعزاز و وقار کی وجہ سے اس تجویز کو ماننے میں پس و پیش کیا مگر آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ناپسندیدگی کے باوجود زید سے نکاح کر لیا۔ لیکن نارضامندی کی شادیوں کا بالعموم جو انجام ہوتا ہے وہی ہوا اور زید نے بی بی زینب کو طلاق دے دی حالانکہ رسول اکرمؐ نے انہیں بار بار اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی اور یہ فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو مگر آپ نے مسلمانوں سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں رسول کی حیثیت سے جس بات کو کہوں اس پر عمل کرو مگر دنیاوی معاملات میں کچھ کہوں تو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ زید اور بی بی زینب میں ان بن شروع ہی سے تھی۔ زید بن حارث کی غلامی سے جو کراہیت ان کے دل میں بیٹھی تھی وہ دور نہ ہو سکی اور بالآخر زید نے انہیں طلاق دے دی۔ اب جبکہ وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ محض منہ سے کہنے کی باتیں ہیں۔ زید بن حارث اصل میں زید بن محمد نہیں ہے اور منہ بولا بیٹا یا لے پالک یا متبنہ اصلی بیٹے کا درجہ نہیں رکھتا اور اس کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے تو آپ نے اپنے طرزِ عمل سے یہ نمونہ بھی مسلمانوں کے لئے چھوڑا۔ بی بی زینب بنت جحش نے کراہیت اور ناپسندیدگی کے باوجود آپ کے ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم کیا تھا اور اب طلاق ملنے کے بعد اپنے کنبہ میں اُن کی وہ وقعت نہ رہی تھی جو پہلے تھی۔ پہلی ذلت تو یہ اٹھانی پڑی کہ غلام سے شادی کی اور دوسری ذلت یہ کہ غلام نے طلاق دے دی۔ اس طرح گویا انہوں نے دوہری ذلت اٹھائی۔ اب اس کی تلافی اس سے بہتر اور اُن کی دلجوئی اس سے زیادہ

اور کیا ہوسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی ماں قرار پائیں اور خدائی فیصلہ کی اہمیت سے تعمیل کرانے کی صورت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتی کہ آپ نے خود اپنے طرزِ عمل کا نمونہ چھوڑا اور نسلی امتیاز و غرور کا خاتمہ کر دیا کہ پھر غلاموں میں لڑکیاں دینا اور لینا عیب نہ رہا۔ ان نکاحوں میں آپ کے سامنے اپنی ذات نہ تھی سراسر مفادِ اسلام تھا۔ اُن خواتین کی دستگیری اور حفاظت تھی، جن کے شوہروں یا باپوں نے یا جنھوں نے خود خدا کی راہ میں بڑی بڑی زبردست قربانیاں کی تھیں اور اسلام کی خاطر اپنے کو مٹا دیا تھا۔

۸۔ بی بی جویریہ بنی مصطلق کے سب سے بہادر آدمی کی بیوی اور سب سے بڑے رہزن کی بیٹی تھیں۔ اور جنگی قیدیوں میں ان کا درجہ سب سے بڑا تھا۔ تقسیم کے بعد انہیں اپنے درجہ اور حیثیت کا احساس ہوا اور رسولِ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اُن کی خواہش پر آپ نے ان کی آزادی کی قیمت ثابت بن قیس کو ادا کر دی اس کے بعد جب وہ مسلمان ہوگئیں تو ان کی درخواست پر اور مورخین کے دوسرے بیان کے مطابق اُن کے باپ حارث بن ضرار کی درخواست پر جب اس نے مدینہ آکر اپنے دو بیٹوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ یہ نکاح بقول بی بی عائشہ اُن کی قوم کے لئے انتہائی خیر و برکت کا باعث ہوا کہ اسی دن ان کے قبیلہ کے تمام اسیرانِ جنگ آزاد کر دیئے گئے اور ان کا مال بھی واپس کیا گیا۔ رسولِ اکرم کے اس سلوک سے بنی مصطلق والے بہت متاثر ہوئے

کچھ تو جب ہی ایمان لے آئے اور جو رہ گئے انہوں نے اسلام کی مخالفت آئندہ نہیں کی۔ تو جس نکاح سے اسلام کو یہ فائدہ پہنچا اُسے رسول اکرم کی ذاتی اغراض پر مبنی سمجھنا تعصب نہیں تو کیا ہے ؟

۹۔ بی بی اُم حبیبہ نے اسلام کی خدمت میں ترکِ وطن کیا۔ حبش ہجرت کی۔ شوہر کے مرتد ہو جانے کے بعد اس سے مذہب مقدس کے احترام میں طلاق لی۔ ان کی خدماتِ اسلام کے اعتراف کے علاوہ اس نکاح سے ان کے باپ ابو سفیان کی جو ابوجہل کے بعد قریش کا سب سے بڑا سردار تھا اور جس سے سارا عرب کانپتا تھا مخالفت اسلام میں نہ صرف کمی آ گئی بلکہ تھوڑی مدت بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اس لئے یہ نکاح بھی اپنے نفس کی وجہ سے نہیں مفادِ اسلام کے پیش نظر کیا۔

۱۰۔ بی بی صفیہ بنی اسرائیل میں سے تھیں۔ دو شوہروں کی بیوہ اور جنگِ خیبر کے قیدیوں میں سے۔ پہلے یہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں مگر آپ نے انہیں ایک لونڈی دے کر انہیں واپس لے کر آزاد کر دیا۔ بی بی جویریہ اور بی بی ام حبیبہ سے آپ کے نکاحوں کا نتیجہ سب مسلمانوں کے سامنے تھا کہ دامادی کے دباؤ سے سسرال یعنی قبیلہ بنی مصطلق اور ابوسفیان کی مخالفت میں جھکاؤ آ گیا تھا۔ اس لئے آپ نے بی بی صفیہ سے جو یہودیوں کے ایک بہت بڑے سردار کی بیٹی تھیں نکاح کر لیا۔ یہ نکاح بھی دینی اور سیاسی مصلحت سے کیا گیا۔ نہ کہ عیش و طرب کے لئے۔ چنانچہ اس نکاح کے نتیجہ میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف پھر

کسی جنگ میں شرکت نہیں کی۔

۱۱۔ بی بی میمونہ ایک شوہر کی مطلقہ اور اس کے بعد دوسرے کی بیوہ تھیں۔ اور اس نکاح سے آپ نے ثابت کر دیا کہ حقیقتاً آپ قریش کے مخالف نہ تھے۔ بلکہ قریش جواب تک آپ کے ساتھ دشمنی کر رہے تھے وہ محض حماقت اور جہالت تھی۔ دامادی کے دباؤ سے یہاں بھی سسرال کو جھکنا پڑا۔ مخالفت میں کمی ہوئی۔ اور خالد بن ولید جن کی شجاعت اور جانبازی اور سپہ سالاری نے مستقبل میں اسلامی فتوحات میں بیش بہا اضافہ کیا مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں نجد سے جس کے سردار کی بیوی بی بی میمونہ کی بہن تھی جہاں ستر اہلِ صفا کو قتل کیا گیا تھا۔ تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے۔

غرض آپ نے بڑھاپے کے نکاح عیش و نشاط کے لئے نفس پروری کے تحت، ذاتی اغراض سے، دنیاوی خواہشوں کی خاطر نہیں کئے اور ہرگز نہیں کئے۔ بلکہ ہر نکاح میں مفادِ اسلام پیشِ نظر تھا۔ جس طرح اس کتاب کے دوسرے باب سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ آپ کی لڑائیاں حالات کا اقتضا تھا۔ اسی طرح تیسرے باب اور پھر آپ کے نکاحوں پر پہلی اور دوسری نظر ڈالنے سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کے نکاح حالات کی ضرورت تھی۔ طبعاً آپ کا رجحان نہ غزوات کی طرف تھا نہ نکاحوں کی طرف۔ حربی پیش قدمی کی بجائے جو جنگ لڑی۔ وہ مدافعت میں۔ جب دشمن سر پر پہنچ گیا تو بچاؤ کے لئے

تلوار اٹھانی پڑی۔ اسی طرح بیواؤں کی شادی ان کی عصمت کی حفاظت اور ان کی کفالت ضروری تھی۔ اور جب رسول اللہؐ کے نکاحوں میں مصلحت اور ضرورت تھی دینی و سیاسی تو کسی ایک نکاح میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا۔

رہی ابن عباس کی وہ روایت جسے بنیاد ٹھہرا کر مغربی مورخین نے آپ کی ذات پر رکیک حملے کئے ہیں اور جو میور کی لائف آف محمد میں یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ مسلمانوں کا سردار عورتوں کی طرف جنسی رغبت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ حدیث کی کسی مستند کتاب میں نہیں ہے۔ ہجرت کے وقت ابن عباس دو سال کے تھے ان سے جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں ان کی عمر نظر انداز نہیں کی جا سکتی اس روایت کا کہ پیغمبر اسلام میں دس آدمیوں کے برابر طاقت تھی مغربی مورخین نے بالکل غلط مفہوم لیا ہے۔ طاقت صرف جسمانی نہیں روحانی بھی ہوتی ہے۔ جنگ خیبر میں مرحب حضرت علی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس میں "پچاس آدمیوں کی طاقت" تھی یعنی وہ اتنا بہادر تھا کہ پچاس آدمیوں سے اکیلا لڑتا تھا۔ ابو جہل کے متعلق بھی یہی مشہور رہا ہے اور اس بیان سے ان کی "بہادری" ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح غصہ، برداشت، ایثار وغیرہ مختلف روحانی طاقتیں ہیں۔ رسول اللہؐ میں علم، عفو، درگذر، ایثار وغیرہ روحانی قوتیں غیر معمولی تھیں بلکہ نفس کشی کی قوت بھی آپ میں اتنی زبردست تھی جیسا کہ متعدد واقعات سے جن کا اس کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے ثابت ہے کہ دس کیا سو آدمیوں میں بھی مشکل سے نہیں جسمانی اور روحانی فرق کو نظر انداز کر کے تشبیہوں اور استعاروں کو تاریخی واقعات سمجھ لینا مورخ کی شان نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام کے نکاحوں کا نقشہ

اب ہم ایک نقشہ صفحات ۳۸۴-اور ۳۸۵ پر پیش کرتے ہیں جس پر ایک نظر ڈالنے سے کئی باتوں کا جواب مل جاتا ہے۔

(۱) (ل) اپنے قبیلہ یعنی قریش کی ازواج مطہرات ۷ }
(ب) غیر قریشیہ یعنی دوسرے قبائل کی ۴ } ۱۱

(ب) دوسرے قبائل میں اور (ل) اپنے قبیلہ کے دشمنوں میں نکاح کرنے سے اسلام کو جو جو فائدے پہنچے بیان کئے جا چکے ہیں۔

(۲) (ل) لڑائیوں کے زمانہ سے قبل کے نکاح ۳ }
(ب) لڑائیوں کے زمانہ کے نکاح ۳ تا ۸ ہجری ۸ } ۱۱

(ل) لڑائیوں سے پہلے کے زمانہ میں جو ۳ نکاح کئے ان میں ۲ بڑھیا تھیں۔

(ب) لڑائیوں کے زمانہ میں بیواؤں کی تعداد مدینہ میں زیادہ ہو گئی تھی (اُن کے شوہر راہ خدا میں شہید ہوئے تھے) اُن کی حفاظت اور پناہ کے لئے صحابہ کے ان سے نکاح کرانے مقصود تھے کہ بے سہارا بے مددگار نہ رہیں۔ اور صحابہ نے آپ کی پیروی کی اور رانڈوں سے نکاح کئے۔

(۳) (ا) ۳۰ سال سے زیادہ عمر یعنی ادھیڑ اور بڑھیاں ۷
(ب) ۳۰ سال سے کم یعنی جوان ۴ } ۱۱

(ا) جو شخص عیش ونشاط کی غرض سے نکاح کرے گا وہ کبھی عمر رسیدہ بڑھیوں سے نکاح نہ کرے گا۔

(ب) تیس سال سے کم عمر کی ازدواج مطہرات کے نکاحوں کی مصلحت تفصیل سے پہلے بیان کی جا چکی ہے

(۴) ایک ایک شوہر کی بیوہ ۴
جن کا یکے بعد دیگرے دو یا تین شوہروں کا ساتھ رہ چکا تھا ۴
مطلقہ ۲
کنواری ۱ } ۱۱

اس پر تفصیل سے بحث آ چکی ہے۔

(۵) پہلے شوہر یا شوہروں سے اولاد والیاں ۴
کنواری بے اولاد بیوائیں یا مطلقہ ۷ } ۱۱

پرائی اولاد کی کفالت کی ذمہ داری وہ شخص نہیں لے سکتا جو تنگدستی اور عسرت کی زندگی گذار رہا ہو۔ ہاں وہی لے سکتا ہے جس کے دشمن بھی اس کے قول کے سچے زبان کے سچے اور امانت دار (صادق وامین) ہونے کا اعتراف کر رہے ہوں۔

رسول اللہ (صلعم)

[illegible]	رسول اللہ سے نکاح — کس عمر میں	رسول اللہ سے نکاح — کس سن میں ہوا		قبیلہ		ترتیب
	(۳)	(۲)		(۱)		
۲۵ سال	۴۰ سال	نبوت سے پندرہ سال قبل		قریش	بی بی خدیجہ رضہ	۱
۵۰ رر	۵۰ رر	سنہ ۱۰ نبوی		رر	بی بی سودہ رضہ	۲
۵۴ رر	۱۵ رر (از رخصتی)	سنہ ۲ ہجری (از رخصتی)		رر	بی بی عائشہ رضہ	۳
۵۵ رر	۲۲ رر	[illegible]	سنہ ۳ھ	رر	بی بی حفصہ رضہ	۴
۵۵ رر	۴۸ رر		سنہ ۳ھ	بنو ہلالیہ	بی بی زینب بنت خزیمہ رضہ	۵
۵۶ رر	۴۰ رر		سنہ ۴ھ	قریش	بی بی ام سلمہ رضہ	۶
۵۷ رر	۳۸ رر		سنہ ۵ھ	قریش	بی بی زینب رضہ بنت جحش	۷
۵۷ رر	۲۴ رر	[illegible]	سنہ ۶ھ	بنو مصطلق	بی بی جویریہ رضہ	۸
۵۸ رر	۳۶ رر		سنہ ۷ھ	قریش	بی بی ام حبیبہ رضہ	۹
۵۹ رر	۱۷ رر		سنہ ۷ھ	بنی اسرائیل	بی بی صفیہ رضہ	۱۰
۵۹ رر	۵۱ رر		سنہ ۷ھ	بنو ہلالیہ	بی بی میمونہ رضہ	۱۱

کی ازواج مطہرات

بیوہ یا مطلقہ یا کنواری	پہلے شوہروں کی اولاد	رحلت	نکاح کی وجہ یا نتائج
۴	۵		
دو شوہروں کی بیوہ	ایک لڑکا ایک لڑکی	سنہ ۱۰ نبوی	دینداری۔ اسلام کو نہایت زبردست تقویت
بیوہ	ایک لڑکا	سنہ ۲۲ ہجری	دو بچیوں کی نگرانی۔ اسلام کی خاطر انکی خدمات
کنواری	...	سنہ ۵۸ ہ	حضرت ابوبکر سے تعلقات کی استواری
بیوہ	×	سنہ ۴۱ ہ	حضرت عمر ″ ″ ″
۲ شوہروں کی بیوہ	×	سنہ ۳ ہ	بے سہارا بیوہ
بیوہ	۴ بچے	سنہ ۶۱ ہ	لڑائیوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد میں کمی ہو گئی تھی۔ بے وسیلہ رانڈوں کو جن کے شوہر راہ خدا میں شہید ہو گئے تھے بے سہارا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ اسلام کی خاطر ان بیواؤں کی قربانیاں اور نکاح
مطلقہ	×	سنہ ۲۰ ہ	لے پالک یا منہ بولے بیٹے کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں
بیوہ	×	سنہ ۵۶ ہ	بی بی عائشہ کہتی ہیں "ان کا نکاح ان کی قوم کے لئے باعث برکت ہوا"
مطلقہ	ایک لڑکی	سنہ ۴۴ ہ	دامادی کے رشتہ سے ابوسفیان کی مخالفت اسلام میں کمی
ایک شوہر کی طلاق دوسرے کی بیوہ	×	سنہ ۵۰ ہ	یہودی مسلمانوں کے خلاف پھر کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے
ایک شوہر کی طلاق دوسرے کی بیوہ	×	سنہ ۵۱ ہ	قریش سے رسول اللہ کی ذاتی مخالفت نہ تھی۔ خالد بن ولید کا قبول اسلام۔ نجد سے خوشگوار تعلقات

رسول اکرم کے غیر مسلم سوانح نگاروں اور مورخین نے تاریخی حقائق سے ہٹ کر، تعصب کی عینک لگا کر اصل واقعات نظر انداز کر کے پیغمبر اسلام کی شان میں دریدہ دہنی، زبان درازی اور شرمناک غلط بیانی کرنے سے پہلے کاش تھوڑی دیر کے لئے عقل سلیم سے بھی کام لیا ہوتا۔ اور وہ ٹھنڈے پیٹوں ذرا یہ سوچتے کہ رسول اللہ کی غریبی تنگدستی اور افلاس کسی سے چھپا ڈھکا نہ تھا۔ مدینہ میں جس شخص کو سب سے امیر ہونا چاہیئے تھا وہی سب سے غریب تھا۔ افلاس کا یہ عالم اور تنگدستی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کو اور آپ کی بیویوں کو پیٹ بھر کر روٹی میسر تھی نہ ڈھنگ کا کپڑا جڑتا تھا۔ آپ کی دعا خدا سے ہمیشہ یہ رہی اللھم اجعل رزق آل محمد کفافا۔ (الٰہی آل محمد کو اتنا رزق دے جس میں وہ مغرور نہ ہوں اور گناہ کا ارتکاب نہ کریں) کوئی خادم تھا نہ کوئی کنیز، گھر کا سب کام ازواج مطہرات خود کرتی تھیں۔ سکھ چین آسائش اور آرائش کی زندگی کونسی عورت ہے

جو پسند نہیں کرتی ۔ رسولِ خدا کا افلاس کانوں سُنا نہیں آنکھوں دیکھا سب کے سامنے تھا، پھر آخر کیا وجہ تھی کہ آسودگی خوش حالی فارغ البالی آرام آسائش سب کو نظر انداز کر کے اُن نیک اور پاک بیبیوں نے آپ کے نکاح میں آنا اپنے لئے انتہائی خوش نصیبی سمجھا؟ وجہ ایک اور صرف ایک تھی۔ اُن کا یقین اور یقین بھی کامل کہ دین کی خدمت اور اللہ کے سچے رسول کی بیوی کہلائے جانے سے بڑھ کر کوئی عزت دُنیا میں ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں۔

فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔ اُس وقت البتہ ازواج نے بھی دنیاوی آسائش و آرام کی خواہش کی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔ وحی نازل ہوئی اور رسول اللہ نے اپنی بیویوں سے کہہ دیا :-

" اگر تم دُنیا اور اُس کے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تم کو دے دلا کر خوشی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا۔ اس کے رسول اور آخرت کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اُن کے لئے اللہ نے بڑے بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں[1] "

ازواجِ مطہرات میں بی بی عائشہ رضؓ نسبتاً کم عمر تھیں ان سے فرمایا تم اپنے والد سے صلاح کر کے جواب دو۔ انہوں نے عرض کیا مجھے اُن سے

---

[1] يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

مشورہ کی ضرورت نہیں۔ میں خدا اور اس کے رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ یہی جواب سب بیویوں نے دیا۔ اس وقت اختیار تھا کہ جو بیوی آسودگی فارغ البالی چاہتیں وہ رسول اللہ سے علیحدگی کر کے اور عقد کر سکتی تھیں۔ مگر آپ سے علیحدہ ہو کر خوش حالی کی زندگی پر تمام بیویوں نے آپکی زوجیت میں رہ کر افلاس کی زندگی کو ترجیح دی اور کسی نے علیحدگی منظور نہ کی۔

لڑائیوں کے زمانہ میں مجاہدوں کی تعداد کم اور بیواؤں کی تعداد زیادہ ہو رہی تھی۔ زنا کی سزا ہے سو کوڑے۔ بیواؤں کی عصمت کی حفاظت ضروری تھی اور ان کے روٹی کپڑے کا انتظام بھی۔ اسی بنا پر دھڑا دھڑ راندوں کے نکاح کئے جا رہے تھے۔ فتح مکہ (۸ سنہ ہجری) کے بعد یہ صورت نہ رہی تھی۔ بے سہارا یتیموں اور بے کس بیواؤں کی امداد و پناہ کفالت اور حفاظت کے پیش نظر نکاحوں کی جو مصلحت تھی وہ اب ختم تھی۔ مسلمان عورتوں کو احکام اسلام بالخصوص زنانہ مسائل سے واقف کرنے کے لئے ازواج مطہرات میں مزید اضافہ کی بھی اب ضرورت نہ تھی۔ مخالفوں کی اسلام دشمنی میں بہت بڑی حد تک کمی آ چکی تھی۔ سرورِ کائنات نے مفادِ اسلام کے پیش نظر اس وقت تک جو یہ نکاح کئے تھے یہ مصلحت تھی رسالت کی۔ ان کے بعد کوئی اور نکاح اقتضا ہو سکتا تھا بشریت کا کہ دین کے فائدہ کے لئے نہیں دنیاوی خوبی دیکھ کر کیا جاتا۔ حسنِ ظاہری یا حسنِ باطنی، حسن صورت یا حسن سیرت کی وجہ سے۔ ناک نقشہ، خد و خال۔ رنگ و روغن۔ صباحت و ملاحت قد۔ چال۔ جامہ زیبی پھبن۔ آواز۔ طرزِ گفتگو وغیرہ کی جاذبیت حسنِ ظاہری

کی مختلف صورتیں ہیں۔ اوران میں کشش ہوسکتی ہے ایک بشر کے لئے۔ اعلیٰ نسبی۔ سلیقہ شعاری۔ ہنرمندی۔ خوش انتظامی۔ خوش اخلاقی۔ دینداری خدمت گذاری۔ محنت مشقت کی عادات وغیرہ باطنی خوبیاں ہیں۔ جن سے متاثر ہوکر ایک انسان مائل ہوسکتا ہے۔ نکاح کی طرف۔ (دینی ضرورتیں تو رسول اللہ کو اب رہی نہ تھیں ہاں بشریت کے تقاضہ سے حسن صورت یا حسن سیرت کی وجہ سے مزید نکاح کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ قل انما انا بشر مثلکم (اے رسول کہہ دو کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں) اور ایک انسان اس زمانہ میں متعدد بیویاں کرسکتا تھا اور تعداد ازواج کوئی عیب نہ تھا۔ بلکہ اس وقت کے تمدن میں بیویوں کی کوئی گنتی تھی ہی نہیں۔ اب تک پیغمبر اسلام نے جو نکاح کئے تھے وہ ضرورت تھی اسلام کی۔ ضرورت تھی رسالت کی۔ ضرورت تھی خدا کی۔ جب وہ ضرورت پوری ہوگئی تو ۷ھ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنے رسول کو نکاح کرنے سے منع کردیا۔ اور منع کیا تو بشریت جتاکر کہ حسن صورت یا حسن سیرت کسی کی گنجائش نہ نکل سکے۔ قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ۔ (سورہ احزاب آیت ۵۲)

لفظی ترجمہ یہ ہوا:۔ نہیں حلال واسطے تیرے عورتیں پیچھے ان کے اور نہ یہ کہ بدل ڈالے تو ان سے اور بیویاں اور اگرچہ خوش لگے تجھے حسن ان کا۔

اور با محاورہ ترجمہ یہ ہے :- (اے رسول) موجودہ بیویوں کے علاوہ اب تم کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ اور نہ تمہیں اس کی اجازت ہے کہ موجودہ بیویوں کو طلاق دے کر ان کی جگہ کسی اور کو لے آؤ خواہ اُن کا حُسن تمہیں کتنا ہی بھلا لگے۔

لفظ حُسْنُهُنَّ میں حُسن کے معنی اگر حسن ظاہری ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے لفظ لَوْ نہ فرمایا ہوتا۔ جس کے معنی ہیں اگرچہ۔ خواہ۔ چاہے۔ اس فقرے میں کہ تم اور نکاح نہیں کر سکتے چاہے کسی اور عورت کا ظاہری حسن تمہیں اچھا معلوم ہو۔ لفظ چاہے یا خواہ یا اگرچہ (لَوْ) ثابت کر رہا ہے کہ رسولِ اکرم نے حسن ظاہری کی وجہ کوئی نکاح نہیں کیا۔ اور آیندہ نکاح کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے۔ لفظ لَوْ کے ساتھ جو ظاہر کر رہا ہے کہ پہلے تم نے ایسا نہیں کیا۔ یعنی ظاہری حسن کی وجہ سے پہلے تم نے کوئی نکاح نہیں کیا لیکن آیندہ اگر ایسی صورت ہو ——— دینی یا سیاسی مصلحت تو اب رہی نہیں ہاں حسن ظاہری سبب ہو ترغیب نکاح کا (جو اس لئے ہو سکتا ہے تم بھی آخر ہو تو بشر) جب بھی تمہیں اب کوئی اور نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے ——— تم نے ظاہری حُسن کی وجہ سے نہ پہلے کوئی نکاح کیا اور نہ اب آیندہ کر سکتے ہو ——— یہی معنی ہیں۔ اگرچہ یا خواہ یا چاہے تمہیں ان کا ظاہری حسن بھلا معلوم ہو۔" کے لیکن جیسا کہ ہم بحث کر چکے ہیں حسن ظاہری بھی ہوتا ہے اور باطنی بھی حسنِ صورت بھی حسن ہے اور حسنِ سیرت بھی۔ لیکن اب اس کی وجہ سے بھی یعنی ذاتی

اغراض یا دنیوی ضرورتوں سے بھی کوئی اور نکاح نہیں کر سکتے۔

(۱) سورۂ احزاب ۲۸ و ۲۹ ویں آیتوں کی رُو سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا کہ جو دُنیاوی زندگی کی آسائش و آرام چاہتی ہیں وہ نبی سے الگ ہو کر دوسرا عقد کر لیں۔

(۲) کسی نے رسولِ خدا سے علیحدگی منظور نہ کی تو

(۳) آیت ۵۲ کی رُو سے اب رسول اللہ کو کسی بیوی کو علیحدہ کرنے کا اختیار نہ رہا۔

(۴) نہ اس تعداد میں اضافہ کا۔

(۵) اس کے بعد اللہ نے اپنے آخری نبی اور سچے رسول کی پاک بیویوں کو مومنوں کی ماؤں کا درجہ دے دیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ

(سورۂ احزاب آیت ۶)

نبی مسلمانوں کے لئے ان کی اپنی ذات سے بڑھ کر عزیز ہیں اور نبی کی بیویاں (حرمت، عزت و تعظیم و بزرگی میں) مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اور پھر سورۂ احزاب آیت ۵۳ میں مسلمانوں کو یہ حکم ہوا۔

وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا۔ اور نبی کی بیویوں سے (جو احترام و تعظیم میں تمہاری مائیں ہیں) نبی کے انتقال کے بعد تم کبھی نکاح نہ کرنا۔

رسول اکرم کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جنہوں نے بقیہ عمر اسلام کی خدمت میں مسلمان عورتوں کو مذہب مقدس کے احکام سے باخبر کرنے اور زنانہ مسائل میں گزار کر ایک ایک کر کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

دوسرے اعتراض کا جواب

غیر مسلموں کا دوسرا اعتراض جو اسلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے یہ ہے کہ "پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو چار بیویوں کا ایک وقت میں اختیار دیا مگر خود متعدد بیویاں رکھیں"

مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کا اختیار پیغمبر نے نہیں خدا نے دیا ہے اور خاص حالات میں چند شرائط کے تحت سورہ نساء کی جب وہ آیتیں نازل ہوئیں جن کی رو سے کوئی مسلمان چار بیویوں سے زیادہ نہ رکھ سکتا تھا۔ تو جن کی بیویاں زیادہ تھیں انہوں نے چار رہنے دیں باقیوں کو علیحدہ کر دیا۔ کعب کہتے ہیں کہ نوفل بن معاویہ کی پانچ بیویاں تھیں رسول اکرم نے فرمایا کہ ایک کو الگ کر دو چار کو رہنے دو۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں غیلان بن سلمہ الثقفی مسلمان ہوئے تو دس بیویاں تھیں رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے چھ کو علیحدہ کر دیا (دونوں روایتیں صحیح بخاری کی ہیں۔

وہب اسدی مسلمان ہوئے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ انہوں نے چار کو الگ کر دیا۔ قیس بن حرث نے اسلام قبول کیا تو ان کی بھی آٹھ بیویاں تھیں رسول اکرم کے ارشاد پر انھوں نے بھی چار کو علیحدہ کر دیا۔

رسول اللہ کی ازواج مطہرات عام مسلمان عورتوں کی طرح نہ تھیں۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (پیغمبر کی بیویوں تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں۔ (سورہ احزاب آیت ۳۲)

ان کی خاص ذمہ داریاں خاص فرائض تھے دینی معاملات میں انہیں مسلم خواتین کی رہنمائی کرنی تھی۔ اس لئے نبی نکاح کرے خالص اپنے واسطے سوائے مسلمانوں کے"

سورۂ احزاب آیت ۵۰

لیکن اگر سورۂ احزاب کی آیت ۵۰ اور ۵۲ نازل نہ ہوتی اور آپ بھی چار کو رہنے دیتے اور باقیوں کو علیحدہ کر دیتے تو دو صورتیں ہو سکتی تھیں (۱) ایک یہ کہ ہر شخص قوم میں امتیاز حاصل کرنے کے لئے اس خیال سے کہ اس کی آیندہ نسل کا سلسلہ ان بچوں سے چلے جو رسول اللہ کی سابق بیویوں کے بطن سے پیدا ہوں۔ ان سے نکاح کے خواہش مند ہوتے اور اس کوشش میں کامیابی کے لئے نہ معلوم کس قدر فتنہ و فساد اور خوں ریزی ہوتی اور ہوتی رہتی (۲) دوسری صورت اس کے برعکس یہ ہوتی کہ رسول اکرم کی سوء ادبی کے خیال سے کوئی ان سے نکاح کر لے کی جرأت نہ کرتا۔ پھر یہ بیویاں کہاں جاتیں؟ ان کے عزیز تو ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان سے منہ موڑ چکے تھے۔ پھر وہ کس کے سہارے اور مدد سے بقیہ زندگی گذارتیں۔ رسول خدا نے خدا کی اجازت سے خود ایک دفعہ ان ازواج مطہرات سے کہہ دیا کہ تم کو دنیاوی آرام و آسائش کی خواہش ہو تو علیحدگی کر لو تا کہ ایسا گھر بسا سکو جہاں مرفہ الحالی اور آسودگی کی زندگی گذار سکو[۱] مگر کسی بیوی نے منظور نہ کیا تو اللہ تعالیٰ

---

[۱] سورہ احزاب آیت ۲۸ و ۲۹ دیکھئے صفحہ ۳۰۷

نے انہیں مسلمانوں کی مائیں قرار دے دیا[۱]۔ اور رسول اللہ کو انہیں الگ کرنے کسی بیشی کرنے یا ردو بدل کا حق نہیں رہا[۲]۔ اور ازواج مطہرات کے لئے حکم ہوا کہ پیغمبر کی وفات کے بعد وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں[۳]۔ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ

مورخین یورپ کا اعتراف

رسول اکرم صلعم کے غیر مسلم سوانح نگاروں اور یورپین مورخوں میں جہاں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تاریخی بد دیانتی انتہائی تعصب اور تنگ نظری سے واقعات غلط رنگ میں پیش کر کے آپ کی شان میں دریدہ دہنی سے کام لیا اور آپ کی ذات پاک پر رکیک اور شرمناک حملے کئے ہیں۔ وہاں بعض مورخین و تبصرہ نگار ایسے بھی گذرے ہیں۔ جنہوں نے حقیقت کا اعتراف کیا ہے:۔

۱۔ ڈی۔ ایس۔ مارگولی لینتھ بڑا تنگ نظر اور متعصب نقاد گذرا ہے "محمد اینڈ دی رائز آف اسلام" میں لکھتا ہے:۔

"بہت سے مصنفین یورپ کے نزدیک خدیجہ کے بعد محمد کی متعدد

---

[۱] [۲] [۳] یہ سب سورۂ احزاب کی آیتیں ہیں۔
ان آیتوں کے الفاظ اور ان کا ترجمہ صد ۳۰۹ پر آ چکا ہے۔

شادیاں نفسانی خواہشات کے تحت تھیں مگر وہ اس قسم کی نہ تھیں۔ کئی شادیاں سیاسی مصلحت کی بنا پر کی گئی تھیں۔ پیغمبر اپنے معتقدین کو اپنے سے قریب ترین کرنا چاہتے تھے۔ بلاشک و شبہہ یہ ہی وجہ ابوبکر اور عمر کی لڑکیوں سے شادی کرنے کی تھی۔ سیاسی مخالفین یا مغلوب دشمنوں کی لڑکیوں سے شادیاں سیاسی مقصد کے تحت دوسری نوعیت کی تھیں۔ باقی شادیوں کی توجیہ یہ تھی کہ کوئی لڑکا نہیں تھا۔"

۲۔ آر باسورتھ سمتھ ہیرو سکول انگلینڈ کا اسسٹنٹ ماسٹر تھا۔ اس نے ۱۸۷۴ء میں اسلام پر چار لیکچر دیئے تھے جو "محمد اینڈ محمڈنزم" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ وہ کہتا ہے :۔

"دوسرے مقاصد کے علاوہ محمد کی اکثر و بیشتر شادیوں کا مقصد تباہ حال بے سہارا افراد پر ترس کھانا تھا۔ تقریباً سب ہی بیوائیں تھیں۔ جو نہ خوبصورت تھیں نہ دولت مند۔ خدیجہ کے وقت رحلت تک جب وہ خود پچاس سال کی عمر کے تھے (خدیجہ کے ساتھ) بلاشبہ ان کی وفاشعاری سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ زینب کی کہانی میں رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ زینب پیغمبر کی پھوپی کی بیٹی تھیں، اور بجائے آزاد غلام سے ان کی شادی کرنے کے خود ان سے شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی جب وہ اور یہ جوان تھے۔"

۳۔ ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ میں کارلائل یورپ کا مشہور مصنف لکھتا ہے۔

"محمد نفس پرست انسان نہ تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہو گی اگر اس شخص کو ایک عام بندۂ ہوس تصور کریں۔ یہ شخص کیف و حظ پر گرنے والے نہ تھے۔ ان کے گھر کا ساز و سامان غریبانہ تھا۔ ان کی خوراک جَو کا آٹا اور پانی۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ مہینوں ان کے گھر آگ نہیں جلی۔ وہ اپنے جوتے آپ گانٹھ لیتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگاتے تھے۔ ایک غریب، محنتی، مستغنی انسان، ان تمام رجحانات سے بے نیاز جن پر عام سطح کے آدمی مرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا آدمی بڑا انسان نہیں ہو سکتا۔ اس کے جذبات ہوس سے بلند ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہوتے تو وہ وحشی عرب جو تیئس سال تک اس کے اشاروں پر جان پر کھیلتے رہے اور عمر بھر اسے اتنے قریب سے دیکھتے رہے کبھی اس کی تعظیم نہ کرتے۔ بات بات پر کٹ مرنے والے وحشی تھے۔ ایسے لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا کسی عام آدمی کا کام نہ تھا۔ وہ انہیں رسول کہتے تھے۔ اس لئے کہ اُن کی ساری زندگی ان کے سامنے بے نقاب تھی۔ اس میں کوئی راز نہ تھا۔ سیدھی سادی زندگی۔ کبھی وہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہیں کبھی مجلس مشاورت میں۔ کہیں ان میں کھڑے ان سے احکام کی اطاعت کرا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ کس قسم کے انسان ہیں اسی لئے وہ ان کو پیغمبر کہتے تھے۔ کوئی

شہنشاہ اپنی خلعت فاخرہ میں ملبوس لوگوں سے اس قسم کی اطاعت نہیں کرا سکتا جس قسم کی اس انسان نے کرائی جو اپنے کپڑوں کو آپ پیوند لگایا کرتا تھا۔"

۴۔ لین پول "لائف آف محمدؐ" میں لکھتا ہے کہ:۔

"یہ کہنا کہ محمدؐ بندۂ ہوس تھے غلط ہے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی۔ ان کا سخت بوریا جس پہ وہ سوتے تھے۔ ان کی معمولی غذا۔ کمتر سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشوں سے بلند و بالا تھے۔ ان کی متعدد شادیاں ان بیواؤں سے ہوئیں جن کے شوہروں نے میدانِ جنگ میں اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ وہ محمدؐ کی کشادہ دلی سے اپنی حفاظت و پناہ کا حق رکھتی تھیں۔ باقی شادیاں مصلحت کی بنا پر کی گئیں۔ مخالفین کے سرداروں کو مسخر کرنے کے لئے۔ ایک بڑا سبب بیٹے کی تمنا تھی۔ جو ان کے قدم بقدم چلے۔ سب سے بڑا ثبوت ۲۵ سال تک ان کی پہلی بیوی خدیجہ کے ساتھ ان کی وفا شعاری ہے کہ شروع سے آخر تک اس میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ ہلکی سی بھی لغزش نہ ہوئی خدیجہ کے بعد اگرچہ انہوں نے متعدد شادیاں کیں۔ لیکن انہیں کبھی نہ بھولے۔ اور آخر وقت تک یاد رکھا۔ "جب میں غریب تھا اس نے مجھے اپنی دولت دی۔ جب ساری دنیا میرے خلاف تھی وہ تنہا میرے موافق تھی"۔ پرانی بیوی کی جو قبر میں سو رہی ہے۔ یہ محبت کبھی یا صرف ایک شریف الطبع انسان ہی میں ہو سکتی ہے نہ کہ ایک بندۂ ہوس میں۔"

اسلام اور تعدّد ازدواج

عیسائی مبلغین اور مغربی مورخین کا تیسرا اعتراض اسلام پر ہے اور وہ ہے تعدّد ازدواج۔

ہم نے پہلے اعتراض کا جواب دینے سے قبل ظہور اسلام کے وقت اقوام عالم میں عورت کی جو حیثیت مختصراً بتائی ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اب سے پونے چودہ سو سال قبل دنیا کا تمدن ہی یہ تھا کہ ایک ایک مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں۔ بابل۔ فارس۔ اسیریا سپارٹا یونان۔ مصر۔ ہند۔ چین یعنی اُن ممالک میں جن کی تہذیب عروج پر تھی۔ مرد کو اختیار تھا کہ جس قدر بیویاں چاہتا رکھتا تھا۔ کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ بُدھ مت اور ہندو دھرم[1] ہی میں نہیں آتش پرستوں عیسائیوں اور یہودیوں میں از روئے مذہب تعدّد ازدواج کی ممانعت نہیں بلکہ بدھ مت اور عیسائیت میں تو شادی نہ کرنا ہی نیکی ہے۔ لیکن یہ نیکی چونکہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اس لئے بدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ

---

[1] ہندو دھرم میں ویدک تعلیم سے ایک وقت میں ۲۷ تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ منو جی مہاراج دھرم شاستر میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کی چار پانچ بیویاں ہوں اور ایک صاحب اولاد ہو تو سب صاحب اولاد سمجھی جائیں گی (منوسمرتی ادھیا ۹۔ اشلوک ۸۳)

تقدس مآب جوجلیس نے جب اس گرجا کا جس میں بن بیاہے مرد اور بن بیاہی عورتیں رہتی تھیں۔ تالاب صاف کروایا تو کئی سو ناجائز بچوں کی کھوپڑیاں برآمد ہوئیں۔

مرد عورت میں فرق

مرد عورت کی جسمانی ساخت میں جو فرق رکھا گیا ہے۔ اس سے قدرت کا منشا ہے بقائے نسل انسانی۔ اور اسی کے لئے مرد عورت تمتع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن عورت کی زندگی کا ایک چوتھائی کے قریب حصہ کچھ اس طرح کا گذرتا ہے جب طبعی خواہش نہیں ہوتی اور صحیح رغبت نہ ہونے کی صورت میں مرد کو قدرتی تقاضے پورے کرنے کے مواقع دینا طب کی رُو سے صرف اسی کے لئے نہیں اس کی اولاد کے لئے بھی مضر ہے۔ اُسے طبعی معذوریاں بار بار پیش آتی رہتی ہیں مگر مرد ان سے کبھی دوچار نہیں ہوتا۔ عورت کے معمول ماہوار کے علاوہ اس کا وہ زمانہ بھی حکماء کے نزدیک تعطل ہی کا ہے جب اس کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ اور پھر جب وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ مشرق کے بعض گرم ممالک میں اب سے چوتھائی صدی قبل تک بالعموم چودہ پندرہ سال کی لڑکی کی شادی کردی جاتی تھی اور تین چار سال بعد ہی وہ ایک بچہ کی انگلی پکڑے ہوتی اور ایک گود میں ہوتا تھا تو ایک پیٹ میں۔ سارا جوبن گھالو جب ایک لالہ پالو۔ جب ہی تو وہ بیسی اور کھیسی کہلاتی تھی۔ لیکن اس کے برعکس مرد ساٹھا اور پاٹھا مشہور رہے۔ عورت اور مرد کے اس زبردست فرق کو سمجھنے کے بعد کہ عورت کی

زندگی میں بار بار ایسے مواقع آتے رہتے ہیں۔ جب اس کا اس طرف میلان نہیں ہوتا۔ لیکن مرد کو اس قسم کی کوئی معذوری نہیں ہوتی۔ مرد و عورت کی مساوات اور قدرتی تقاضوں کی برابری کا مغربی گیت ختم ہو جاتا ہے۔

اصلاح تمدن اور اخلاق

ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کا تمدن کس قدر خراب ہو چکا تھا اس کی ہلکی سی جھلک ہم نے اس کتاب کے ابتدائی صفحوں میں دکھائی ہے۔ کثرت ازدواج دُنیا کی دوسری قوموں کی طرح عرب کے بُت پرستوں میں بھی ایک عام اور بہت ہی معمولی بات تھی۔ ہر شخص جس قدر بیویاں چاہتا رکھتا تھا۔ قرآن مجید۔ تمدنی معاشرتی اخلاقی خرابیاں دور کرنے اور فطرت کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے نازل کیا گیا۔ بہت سی بے ہودگیوں کو ایک دم ختم کر دیا گیا۔ اور بہت سی باتوں میں اصلاح کی گئی۔

باپ کے انتقال کے بعد بیٹے سوتیلی ماں کو تصرف میں لاتے۔ دو حقیقی بہنیں ایک وقت میں ایک مرد کے نکاح میں ہوتیں۔ بے گناہ بچیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا۔ اولاد کے لئے شادی شدہ عورت دوسرے مردوں سے شوہر کی اجازت سے ملتی۔ لے پالک یا متبنّٰی کو مثل بیٹے کے اور اس کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح سمجھا جاتا۔ شراب زہر کے گھونٹ اور کثرت سے پی جاتی۔ سود در سود سے مقروض کی بیوی بچوں پر قبضہ کیا جاتا

اسلام نے ان تمام باتوں کی قطعی ممانعت کر دی

ایک ایک آدمی کے لئے گنتی بیویاں ہوتیں۔ طلاق کو ذلیل اور حقیر

سمجھا جاتا۔ مرنے والے کے ترکہ میں لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں اور بیویوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ جو لوگ دولت مند یتیموں کے نگراں ہوتے وہ بے دردی کے ساتھ ان کی ملکیت اپنے صرف میں لاتے اور بے دریغ خرچ کرتے تھے یتیم لڑکیوں کے سرپرست ہوتے تو اُن کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال و زر پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لیتے۔ شوہری حقوق کی ادائیگی کی پرواہ نہ کرتے بلکہ اصلی غرض ہوتی ان کی دولت پر قبضہ کرنا۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے وقتاً وقتاً قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ مثال کے طور پر یتیموں کے سلسلہ میں سورۂ نساء کی آیت ۳ کے علاوہ جس پر آئندہ صفحات میں بحث ہوگی اور بھی کئی آیات ہیں مثلاً

اور یتیموں کو اُن کے مال دو (اُن کے حوالہ کر دو) اور اپنے (بُرے) مال کو (اُن کے) پاکیزہ مال سے نہ بدلو اور اپنے مال سے ملا کر اُن کے مال نہ کھاؤ بتحقیق وہ ہے گناہ بڑا (اس طرح مال کا بدل لینا۔

آیت ۲

اور (اے نبی) وہ تم سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں اور ان یتیم لڑکیوں کے متعلق جن کا حکم قرآن میں سنایا جاتا ہے۔ جن کا حق تم ادا نہیں کرنا چاہتے اور نکاح ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور بے کس بچوں کے حق میں (وہی) حکم دیتا ہے (جو سنایا جا چکا ہے)

یتیموں کے ساتھ انصاف سے قائم رہو۔ آیت ۱۲۷

ایک سے زیادہ بیویوں کی مشروط اجازت

اسلام میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویوں کا حکم ہرگز نہیں ہے جیسا کہ بعض غیر مسلم سمجھتے ہیں بلکہ اجازت ہے۔ حکم کے معنی ہیں کسی کام کو یقینی اور لازمی طور پر انجام دینا جیسے روزانہ نماز پڑھنا یا رمضان کے مہینہ میں روزے رکھنا۔ یہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اجازت کے معنی ہیں حالات کے تحت کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا۔ ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اسلام میں ہے مگر یہ اجازت بھی مشروط ہے۔ یعنی اگر یہ شرط پوری کر سکتے ہو تو اجازت اور نہیں کر سکتے تو بس ایک ہی بیوی کافی ہے۔ ایک سے زیادہ بیویوں کے متعلق قرآن مجید میں سورۂ نساء کی یہ دو آیتیں ہیں:۔

۱۔ اور اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے۔
تو دو دو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔
لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیویوں میں) عدل (برابری کے ساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے (تو ایسی صورت میں) ایک بیوی کرنا۔
یا جس کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے (یا جو لونڈی تمہارے قبضہ میں ہے) اس پر قناعت کرنا۔
بے انصافی کے برتاؤ سے بچنے کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے (آیت ۳)

لہ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔

۲۔ اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی) بیویوں میں (پوری پوری) برابری کرسکو تو بالکل (ایک ہی طرف) بہت جھک پڑو کہ دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو گویا ادھر میں لٹک رہی ہے۔ (آیت ۱۲۹)

مدینہ میں سورۂ نساء جب نازل ہوئی تو یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا کی دوسری اقوام کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد مقرر نہ تھی۔ کفالت کرتے یا نہ کرسکتے مرد جتنی چاہے بیویاں رکھتے تھے۔ وہ بدتر سے بدتر حالت میں ہوتیں کوئی باز پرس نہ کرسکتا تھا۔ انہیں معلق چھوڑ دیا جاتا مگر طلاق بھی عام طور پر نہ دی جاتی۔ اسلام نے جہاں ہر معاملہ میں عورت کو حقوق دیئے وہاں اس معاملہ میں بھی اس پر احسان کیا کہ لامحدود تعداد کو محدود کردیا اور زیادہ سے زیادہ چار بیویاں بیک وقت رکھنے کی اجازت عدل حقیقی کی شرط کے ساتھ دی جہاں سات آٹھ دس بارہ کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ وہاں چار کی تعداد کم سمجھی گئی مگر خدا کے حکم کی تعمیل لازمی تھی۔ غیلان۔ وہب اسری۔ قیس بن حرث وغیرہ نے چار چار بیویاں رہنے دیں اور باقی کو علیحدہ کردیا۔ تاکہ وہ معلق نہ رہیں۔ اور جانوروں کی سی زندگی نہ گذاریں اور آزادانہ جس کے ساتھ چاہیں ہنسی خوشی زندگی بسر کریں۔

پھر یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے مسلمان

۱ے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔

راہ خدا میں سر کٹا رہے تھے۔ گھر گھر بیوائیں اور یتیم تھے۔ شہدا جو مال و زر چھوڑ گئے تھے اُن کے وارث اُن کے یتیم بچے تھے مگران یتیم بچوں کے سرپرست ان کا مال ڈکار رہے تھے اور یتیم لڑکیوں سے ان کے حقوق ادا کرنے کی غرض اور اُن کے ساتھ انصاف برتنے کے خیال سے نہیں صرف ان کا مال اپنے قبضہ میں کرنے کی نیت سے شادیاں کر لیتے تھے۔

عربوں کے تمدن اور اخلاق کی اصلاح مکمل نہ ہوتی اگر اسلام اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیتا چنانچہ سورہ نساء کی آیات ۲ و ۱۲۷ جن کا ترجمہ اوپر دیا گیا ہے۔ اور پھر آیت ۴ میں یتیموں سے ساتھ حسن سلوک کی ہدایات ہیں۔ ان آیات میں یتیموں کے سرپرستوں سے خطاب ہے کہ یتیموں کا مال روپیہ پیسہ زمین جائداد بکریوں کے ریوڑ جو کچھ بھی ان کی ملکیت ہے خود ہڑپ نہ کرو، بلکہ ان کو واپس کر دو۔ نہ یہ چالاکی کرو کہ ان کے اچھے مال میں اپنا بُرا مال ملا کر اُن کا اچھا مال خود رکھ لو اور اپنا بُرا مال ان کو دے دو یہ بے انصافی، بد دیانتی، بے ایمانی اور بہت بڑا گناہ ہے

یتیموں کی غور و پرداخت اور اُن کے مال کی نگرانی کے بہانے یتیموں کی بیوہ ماں سے یا خود یتیم لڑکی سے اس کے مال کی وجہ سے سرپرست نکاح کر لینا تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر اس کے حمایتی قبروں میں سو رہے ہیں اور کوئی پوچھ گچھ اور باز پرس کرنے والا نہیں اس کو معلق چھوڑ دیتا

یعنی اس کے ازدواجی حقوق اور مہر وغیرہ کی ادائیگی کی طرف سے لاپرواہی برتتا۔ آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جب تم ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے (تو ان کے مال اپنے قبضہ میں کرنے کی غرض سے ان کے ساتھ نکاح ہی نہ کرو۔ دوسروں سے ان کے نکاح کر کے ان کا مال ان کو دے دو۔ ہاں تمہیں نکاح کی ضرورت ہو تو دنیا میں اور عورتیں ہیں) بجائے ان کے دو دو تین تین چار چار نکاح کر لو (تمہارا ضمیر تمہارا ایمان خود یہ فیصلہ کرے کہ) تم ایک سے زیادہ بیویوں میں برابری کا برتاؤ نہیں کر سکتے تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ صرف ایک بیوی پر قناعت کرو۔

اسلام دین فطرت ہے اور اس کے تمام احکام امرونہی (کہ کون سے کام ضرور کئے جائیں اور کون سے قطعی نہیں) انسانی فطرت کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ سورۂ نساء کی آیت ۳۔ سے مرد کو بیک وقت چار بیویوں تک اجازت دی گئی تو عدل کی شرط۔ کے ساتھ کہ نان ونفقہ برتاؤ اور حقوق کی ادائیگی میں یکسانیت ہو لیکن مساوات کامل جسے کہا جائے وہ فطرت بشری سے ممکن ہی نہیں۔ عمر سے اتری ہوئی آئے دن کی بیمار یا مخبوط الحواس چالیس سال کی بیوی کے وہ چاؤ چونچلے ہو ہی نہیں سکتے جو جوانی میں بھرپور اٹھارہ بیس سال کی بیوی کے ہو سکتے ہیں۔ سال دو سال کی بیاہی بیس سال کی دوسری بیوی کے لئے سرخ انگارا ساڑھی اگر شوہر لاتا ہے تو پہلی چالیس سال کی مفلوج ومدقوق بیوی کے لئے اسی قیمت کی سرخ بیر بہوٹی دہکتے

ہوئے لالہ کی سی ساڑھی لانا ہر ذی عقل کی نظر میں مضحکہ خیز ہوگا۔ پس ہر معاملہ میں پوری پوری برابری انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت ۱۲۹ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم کتنی ہی کوشش کرو جب بھی ہر معاملہ میں پوری پوری برابری نہیں کر سکتے۔ تو جب تمہاری فطرت ہی یہ ہے تو ایسا ستم نہ کرنا ایک ہی طرف جھک جاؤ۔ ایک کو پاؤں کی جوتی سمجھو اور دوسری کو سر آنکھوں پر بٹھاؤ۔ ایک میں پچیس روپے دینا اور دوسری کو چار پانسو۔ ایک کے لئے ٹوٹا پھوٹا تنگ و تاریک مکان، دوسری کے لئے کشادہ وسیع و عریض شاندار بنگلہ۔ ایک کو کرایہ کی رکشا ڈولی تانگہ بھی بمشکل میسر آئے اور دوسری کے لئے موٹر ہر وقت موجود ہو۔ ایک کے ہاں وقت کم سے کم گذارنا اور دوسری کے ہاں زیادہ سے زیادہ، سیر و تفریح میں پہلی کو نظر انداز کر دینا اور دوسری کو ساتھ رکھنا۔ یہ سب صورتیں ہیں ایک کو معلق چھوڑ دینے اور دوسری کی طرف جھکے رہنے کی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ۱۲۹ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اور آیت ۳ میں اس عدل کا حکم دیا ہے۔ جو ایک انسان سے ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ نہ ہر شخص کو دل پر پورا پورا قابو ہوتا ہے۔ نہ ہر شخص منصف مزاج ہے اس لئے ایک ہی بیوی رکھنے پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔

توضیح علماء کے الفاظ میں

مولانا شاہ عبد القادر دہلوی فرماتے ہیں "اگر جانو کہ یتیم لڑکی سے نکاح کر کے اس کا حق ادا نہ کرو گے تو اور عورتیں بہت ہیں کچھ کمی نہیں ایک مرد کو روا ہیں دو تین بھی چار بھی اس قدر جب کرو جب جانو کہ انصاف سے رہو گے۔

نہیں تو ایک ہی بس ہے۔ جس کی کئی عورتیں ہوں تو واجب ہے کھانے پینے میں اور لینے دینے میں برابر رکھے۔"

(۲) تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ "تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اُسے اپنے گھر ڈال لو۔ اس سے باز رہو۔ اور عورتیں بہت سی ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ عورتوں کی کمی نہیں اگر چاہو دو دو عورتیں نکاح میں رکھو چاہے تین یا چار۔ ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل و انصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو۔"

(۳) تفسیر حقانی میں مولانا عبدالحق مرحوم لکھتے ہیں "عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ عرب کا جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ یتیم لڑکیوں سے اُن کے مال و جمال کی وجہ سے آپ ہی نکاح کر لیتے تھے مثلاً کسی کے چچا کی بیٹی یتیم اس کی پرورش میں ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے وہ اور کو دینا پسند نہ کر کے خود ہی نکاح کر لیتا تھا مگر ان کا کوئی اور شخص بجز اُس کے باز پرس کرنے والا نہ ہوتا تھا۔ وہ مہر بھی کم باندھتے تھے اور بعد میں اور بیویاں کر کے اس کی حق تلفی کرتے تھے۔ چونکہ بجز خدا کے اور کوئی اُن کا حامی و مددگار نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ اگر یتیم عورتوں کے حق ادا نہ کر سکو تو ان پر کیا موقوف ہے اور بہت سی عورتیں ہیں تم ان میں سے پسند کر کے خواہ ایک سے نکاح کرو خواہ دو سے خواہ تین سے خواہ چار سے۔ اگر ان میں

بھی باہم عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی پر بس کرو۔ تاکہ ظلم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔"

(۴) اس آیت کی تفسیر شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اس طرح کی ہے "اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور اُن کے ساتھ حُسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہو گی تو تم اُن سے نکاح مت کرو۔ بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں ان سے ایک چھوڑ چار تک تم کو اجازت ہے۔ قاعدہ شریعت کے مطابق ان سے نکاح کر لو تاکہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے۔"

(۵) اس سلسلہ میں ڈپٹی نذیر احمد تحریر فرماتے ہیں "یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرنے کی صورت یہ تھی کہ یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ اُس کے مال و جمال کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح تو کر لیتا لیکن نکاح کے بعد اس کے حقوق مہر وغیرہ کی چنداں پرواہ نہ کرتا کیونکہ اس بیچاری کا کوئی ولی وارث نہ تھا کہ ٹھوک بجا کر اس کے حقوق لیتا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب تم انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو کسی اور عورت سے کر لو۔ عورتوں کا دنیا میں کال نہیں۔"

ابن کثیر نے آیت ۱۲۹ کی تفسیر اس طرح کی ہے "گو تم چاہو کہ اپنی کئی بیویوں کے درمیان ہر طرح پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم نہیں کر سکتے۔ محبت چاہت وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو تو بالکل ہی ایک جانب نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو۔ وہ نہ بے خاوند کی ہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رُخی برتو اور وہ تمہاری زوجیت میں نہ طلاق دو کہ دوسرا نکاح کر سکے

اور نہ اس کا حق ادا کرو!!"

ریلیجن آف اسلام میں مولانا محمد علی لاہوری اس طرح تشریح کرتے ہیں کہ اگر تم یتیموں میں انصاف نہیں کر سکتے تو یتیم بچوں کی ماؤں سے شادی کرلو تاکہ ان بچوں کی بہتری میں حصہ لے سکو۔ اس غرض سے اور شادی کرلو۔ چار تک مگر انصاف کی شرط ہے۔ یہاں اور عورتوں سے مطلب ہے یتیموں کی مائیں جیسا کہ آیت ۱۲۷ سے ظاہر ہے

علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید میں اس آیت کی تفسیر یہ ہے۔" شریعت کی رُو سے ایک سے زیادہ بیویوں کی (چار تک) اجازت اس شرط پر دی گئی ہے کہ مرد سب بیویوں کے ساتھ پورے عدل و انصاف سے کام لے لیکن یہ شرط ایسی ہے کہ اس کا پورا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس امید پہ کہ یہ شرط پوری کر سکے گا مرد اپنے آپ کو ناممکن پوزیشن میں ڈال دیتا ہے۔"

آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰

تعداد ازدواج کے سلسلہ میں آیت ۱۲۹ نہایت اہم ہے اور اس کے ساتھ اس سے پہلی آیت ۱۲۸۔ اور بعد کی یعنی ۱۳۰ کو بھی سمجھ لینا چاہئیے۔ آیت ۱۲۸ کی تفسیر میں ابن کثیر کہتے ہیں کہ " بیوی کو شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے۔ اسے خوش کرنے کے لئے یا بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے ۔ اور آپس میں مل کر رہیں یہ

طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے۔ جیسا کہ خود رسولِ خدا نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے چونکہ خدا کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا۔ باری میں۔ لین دین میں۔ برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے۔ جسے خدا بخوبی جانتا ہے اور جس کا وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔"

آیت ۱۲۸ کا ترجمہ یہ ہے:-

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے رغبتی سے ڈرے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ باہم کچھ مصالحت کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے اور ہر ایک شخص کے سامنے لالچ حاضر کیا گیا (یعنی لالچ فطرت انسانی ہے) اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ کو تمہارے سب عمل معلوم ہیں۔"

تفسیر حقانی میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد بدمزاج سخت گیر ہے اور غالباً یہ سخت گیری اور بدمزگی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ عورت اپنے حقوق اور مہر وغیرہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدمزاجی اور بے اعتنائی کا خوف ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ باہم کچھ حقوق چھوڑ کر مصالحت کر لی جائے۔ انسانی جبلت ہے کہ وہ بخل کی

طرف مائل ہوتا ہے۔ جب دینے میں کمی کی جائے گی تو باہم رضامند ہو جانا ممکن ہے مگر اس کے ساتھ ہی مردوں کو بھی تنبیہ کر دی کہ حقوق کم کرنے کے بعد بکھرہ ہی بدمزاجی اور اعراض نہ کریں۔ اگر تم احسان اور نیکی کرو اور حقوق تلفی سے ڈرتے رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ خدا کو معلوم ہے جو کہ تم کرتے ہو۔"

آیت ۱۲۹ کے بعد آیت ۱۳۰ کا ترجمہ ہے:۔

"اور اگر وہ دونوں الگ ہو جاویں گے تو ہر ایک کو اللہ اپنی فراغ دستی سے غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش والا حکمت والا ہے۔"

آیت ۱۲۸ سے ۱۳۰ کا مطلب مختصر یہ ہوا کہ اگر میاں بیوی کے تعلقات میں خوشگواری نہیں شوہر کو بیوی کی طرف جیسی ہونی چاہئے رغبت نہیں اور بدمزاجی سے پیش آتا ہے تو بہتر ہے کہ بیوی اپنے حقوق میں کچھ کمی کر کے آپس میں مصالحت کرے کہ مصالحت ہی ان کے لئے بہترین چیز ہے اور حقوق کی کمی کی ایک صورت یہ ہے کہ مرد دوسرا نکاح کر دے لیکن ارشاد ہوتا ہے کہ دونوں میں حقوق کی مساوات ہونی چاہئے مگر تم بشر ہو اور یہ بشریت ہے کہ ہرگز برابری نہیں کر سکتے۔ تو ایسی حالت میں ایسا ہرگز نہ کرنا کہ ایک ہی کے ہو رہو اور دوسری کی پرواہ نہ رہے یعنی نہ اس کے حقوق ادا کرو نہ اسے علیحدہ کرو بلکہ ادھر میں چھوڑ دو۔ یہ بہت زیادتی اور گناہ ہوگا۔ لیکن اگر تم پہلی بیوی سے اچھا سلوک نہیں کر سکتے تو روز روز کی کل کل پٹ پٹ سے یہ بہتر ہے کہ بدرجہ مجبوری طلاق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہت وسیع ہے۔ ممکن ہے مرد کو اس سے بہتر عورت اور عورت

کو اس سے بہتر مرد مل جائے۔

تعدد ازدواج کی اجازت محض وقتی نہ تھی

سورۂ نسار کی آیت ۳ جب نازل ہوئی تو جنگی حالات تھے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ تھی۔ شہدا کے یتیم بچوں کو سرپرستوں کی اور بے سہارا بیواؤں کو سر دھروں کی ضرورت تھی۔ اس لئے مسلمان دھڑا دھڑ بیواؤں سے نکاح کر رہے تھے۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر مغرب زدہ طبقہ کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت صرف جنگی حالات میں تھی۔ ورنہ آیت ۱۲۹ کی رُو سے تعداد ازدواج کی ممانعت ہے۔ گویا ایک سے زیادہ بیویوں کی جو اجازت خدا کے مقدس کلام کی رُو سے ہے۔ وہ محض وقتی یا ہنگامی ضرورت تھی۔ یہ غلط فہمی ہے اور اسی کے تحت بعض اسلامی ممالک میں تعداد ازدواج کی اجازت میں ترمیم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دینے میں شریعت سے فروگذاشت ہوگئی تھی جس کی اصلاح کی اب ضرورت ہے!!

(۱) سورۂ نسا آیت ۱۲۹ میں جہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے "تم بہتیرا چاہو بیویوں میں برابری نہیں کر سکتے" وہاں یہ بھی ارشاد ہے " تو ایک ہی طرف مت جھک پڑو کہ دوسری ادھر میں لٹک رہی ہے"۔ ان الفاظ میں عدل کی ہدایت کی گئی ہے نہ کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کو منع کیا گیا ہے "ایک طرف نہ جھکو اور دوسری کو معلق نہ رکھو" یہ صرف اسی وقت کہا

جا سکتا ہے جب کہ دو بیویاں ہوں۔ آیت ۳ میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویوں کی جو اجازت دی گئی ہے۔ اس کی تائید آیت ۱۲۹ سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰ حسنِ سلوک کی شرط دونوں میں ہے۔

(۲) سورۂ نساء کی آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے ان رشتوں کی صراحت فرمائی ہے۔ جن سے شادی کرنا جائز نہیں۔

حرام کی گئیں تمہارے اوپر تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں تمہاری بہنیں۔ ... اور یہ کہ اکھٹا کرو تم درمیان دو بہنوں کو وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ دو حقیقی بہنیں ایک وقت میں کسی شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔

یمن کے مشہور سردار ضحاک بن فیروز غالباً ابن خراش انہیں کی کنیت ہے۔ (بحوالہ ابن ماجہ ابوداؤد اور ترمذی) کہتے ہیں کہ "جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں۔ آنحضرت نے مجھے دیا کہ جسے چاہو ایک کو رکھ لو دوسری کو طلاق دے دو۔ موطا امام مالک کتاب النکاح میں قبیصہ بن ذویب سے بھی ایک روایت ہے کہ دو بہنوں کا نکاح ایک ہی شخص سے درست نہیں۔ دو حقیقی بہنوں کے ایک وقت میں ایک ہی شخص کے نکاح میں نہ رہ سکنے کے یہ معنی ہیں کہ (مرد) ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ آپس میں حقیقی بہنیں نہ ہوں۔

(۳) نسائی ترمذی ابن ماجہ میں غیلان بن سلمہ ثقفی کے اسلام قبول کرنے

کا واقعہ درج ہے۔ ان کی دس بیویاں تھیں۔ ان سب کے ساتھ وہ مسلمان ہوئے۔ سرورِ کائنات نے فرمایا چاہے جن چار کو رہنے دو باقی کو الگ کر دو چنانچہ انہوں نے چھ بیویوں کو چھوڑ دیا۔ نوفل بن معاویہ (بحوالہ مسند شافعی) کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری پانچ بیویاں تھیں آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ چار کو رکھ لو اور ایک الگ کر دو۔ چنانچہ میں نے ایک کو جو ساٹھ سال کی بڑھیا اور بے اولاد تھی طلاق دے دی۔ وہب اسدی نے اسلام قبول کیا تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ انہوں نے چار بیویوں کو رہنے دیا مگر چار کو الگ کر دیا۔ قیس بن حرث کی بھی آٹھ بیویاں تھیں وہ سرورِ کائنات کی رسالت پر ایمان لائے تو انہوں نے بھی چار بیویوں کو چھوڑ کر چار کو رہنے دیا۔ عمیرہ اسدی (بحوالہ ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ) کہتے ہیں کہ "جس وقت میں نے اسلام قبول کیا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ میں نے رسول کریم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا بس چار کو رکھ لو۔

(۴۲) بخاری کی تیسری جلد کتاب النکاح کے تحت اور صحیح ترمذی میں الواب المناقب میں حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ کو منبر پر فرماتے سنا کہ بنو ہاشم بن مغیرہ میری اجازت چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی علی ابن ابی طالب سے کر دیں۔ میں اجازت نہیں دیتا (۳ بار فرمایا) یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ علی پہلے فاطمہ کو طلاق دیدیں پھر ان کی لڑکی سے شادی کریں۔ فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو تکلیف دی اس نے مجھ کو تکلیف دی۔"

اس واقعہ سے ثابت ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویوں کی شریعت کی رُو سے اجازت ہے ورنہ حضرت علی جن کی تربیت خود آنحضرت نے کی ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرے نکاح کے خواہش مند نہ ہوتے۔

تعدّد ازدواج کی اجازت ہے مگر خواہ مخواہ نہیں ہے

لیکن بی بی فاطمہ کی موجودگی میں حضرت علی کے نکاح ثانی کے قصد کو رسول اللہ نے ناپسند فرمایا تو ضرور اس کی کچھ وجہ ہوگی۔

اور یہ وجہ صحیح مسلم اور تجرید بخاری میں بتائی گئی ہے۔ مسور بن مخرمہ کی روایت مندرجہ بالا فضائل فاطمہ کے تحت مسلم میں بھی درج ہے اور یہ الفاظ زائد ہیں۔

(فرمایا رسول اکرم نے) " میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام چیز کو حلال کرتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم خدا کے رسول کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی قیامت تک کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔"

اور تجرید بخاری میں فضائل اصحاب النبی کے تحت یہ روایت اس طرح ہے کہ جب بی بی فاطمہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ابوجہل کی بیٹی سے علی نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اُسے رنج پہنچے۔ خدا کی قسم اللہ کے رسول اور اللہ کے دشمن کی بیٹیاں ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتیں"۔

ابوجہل اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مکہ میں تیرہ سال تک وہ رسول اکرم کو اور مسلمانوں کو سخت سے سخت تکالیف جسمانی اور روحانی

پہنچاتا رہا اور اس کے اور اس کے ساتھیوں کے مظالم جب انتہا کو پہنچ گئے تو مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اس پر بھی وہ چین سے نہ بیٹھا اور مدینہ پر چڑھائی کی۔ بی بی فاطمہ کے لئے اس سے بڑھ کر صدمہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ ان کے باپ کے اور اللہ کے سب سے بڑے دشمن کی بیٹی ان کی سوکن بنے۔ ما طاب لکم (تمہیں جو اچھی معلوم ہو تمہارے دل کو بھلی لگے) کی اجازت شرعی ہوتے ہوئے رسول اللہ نے حضرت علی کے دوسرے نکاح کے قصد کرنا ناپسند فرمایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوجہل دشمن اسلام تھا۔ ترمذی اور بخاری کی روایت میں ابوجہل کا نام نہیں ہے پھر بھی اس روایت سے یہ ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی بی بی فاطمہ کی موجودگی میں دوسری شادی کرتے تو خاتون جنت کو انتہائی ملال ہوتا اور سخت روحانی اذیت اس وجہ سے بھی پہنچتی کہ انہوں نے کسی حیثیت میں کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی اور ان میں کسی بات کی کمی نہ تھی (صورت پاکیزہ۔ صحت اچھی۔ دیندار۔ سگھڑ سلیقہ شعار۔ فرائض شناس۔ خدمت گذار۔ بچوں کی ماں اور منتظم گھر والی) اور حضرت علی کو اس وقت دوسری بیوی کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔

تو کیا کچھ ضروریات ہیں جن کے تحت نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے؟

اسلام نے نکاح ثانی کا حکم تو دیا نہیں کہ نماز روزہ کی طرح ہر مسلمان پر فرض ہو اور بغیر کئی کئی بیویاں ایک وقت میں رکھے جنت نہ مل سکے۔ اجازت ہے اور وہ بھی مشروط۔ حالات اگر مقتضی ہوں ضرورت واقعی ہو۔

اور مقدرت اور وسعت بھی ہو تو وہ نہیں چار بیویاں تک ایک وقت میں رکھی جا سکتی ہیں مگر کب ؟

(ل) جنگی حالات میں جب عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو۔ جب بے سہارا بیواؤں کو سر دھروں کی اور یتیم بچوں کو سرپرستوں کی ضرورت ہو تو معاشرے کی حالت درست رکھنے کا ایک علاج تعدد ازدواج بھی ہے۔

(ب) اسلام میں نسل و رنگ وطنیت اور قومیت اعزاز و مرتبہ کی قطعی کوئی حیثیت نہیں۔ کالے گورے ملکی غیر ملکی امیر غریب کا امتیاز یکسر اور یک قلم ختم کر دیا گیا ہے۔ ہر خطہ اور ہر حیثیت کے مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جن میں تعلقات کی استواری کے لئے وسیع القلبی اور کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے آپس میں شادیاں ہو سکتی ہیں اور ہونی چاہئیں۔ پھر بھی بعض خاندانوں میں ابھی تک غیر مستحسن رواج چلا جا رہا ہے۔ کہ غیر کفو میں شادی نہیں کرتے۔ اب اگر کسی برادری میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یا ایسی لڑکیاں ہیں جن کی عمریں ڈھل رہی ہیں۔ جوانی ختم ہو رہی ہے۔ اور بر نہیں جڑتا اور زمین و جائداد کے جھگڑے بڑھنے اور حالات تباہ ہونے کا اندیشہ ہے تو تکثیر ازدواج سے سوسائٹی فائدہ اٹھا سکتی ہے لیکن اس دورِ انحطاط میں جب ناقص غذا وغیرہ کی وجہ سے چالیس پینتالیس سال کے مرد جست و چالاک چاق و چوبند طاقت ور تندرست ہونے کی بجائے مرجھائے نظر آتے ہیں۔ پچاس

پچیس برس کے بڈھے سے جس کے بدن میں جان نہ ہاتھ پاؤں میں سکت جو زندگی کے بہت سے ارمان نکال چکا ہے۔ پندرہ سولہ سال کی لڑکی کو جس کا دل جذبات سے لبریز ہے بیاہنے کے معنی ہیں مرد کو پریشانیوں اور مشکلوں میں گرفتار کر دینا اور عورت کو مستقبل میں غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔

معاشرہ کی درستی کے مسئلہ سے ہٹ کر اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا ضروریات کیا اسباب کیا حالات ہیں جب انفرادی حیثیت میں تکثیر ازدواج کی اجازت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

(۱) بیوی آئے دن کی روگی ہر وقت کی مریض ہے۔ دنیا بھر کے علاج کر ڈالے۔ بیسیوں نہیں برسوں گذر گئے مگر فائدہ کسی طرح نہیں ہوتا۔ آمدنی کا بڑا حصہ علاج معالجہ میں صرف ہونے کی وجہ سے شوہر کا بال بال قرضہ میں جکڑا ہوا ہے۔ گھر کا نظام درہم برہم ہے۔ خرابی صحت کی وجہ سے بیوی خانہ داری وغیرہ کی طرف توجہ نہیں کر سکتی۔ ہر وقت گھر میں کتے لوٹتے رہتے ہیں۔ آئے گئے کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ اور گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ بیوی کسی متعدی مرض میں گرفتار ہے۔ خاتو اعقل ہے مجنونانہ حرکات کرتی رہتی ہے۔ دماغی توازن ٹھیک نہ رہنے کا اثر خطرناک صورتوں میں نمودار ہوتا ہے۔ مسلسل کئی سال کے بہتر سے بہتر علاج کے باوجود بہتری کی کوئی امید نہیں، جسم کا کوئی حصہ کٹ جانے یا مفلوج ہو جانے کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے معذور ہے تو یہ حالات ایسے ہیں کہ اگر اُس کے حقوق غضب نہ ہوں اور اگر وسعت اور مقدرت ہو تو اس کی

رضامندی حاصل کر کے (سورۂ نساء آیت ۱۲۸ ملحوظ رہے جس میں مصالحت اور صلح کا ارشاد ہے) مرد تعدّد ازدواج کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۲) انسان کی سب سے بڑی تمنا اولاد ہے اور شادی سے قدرت کا منشا بھی یہ ہے کہ انسانی نسل قیامت تک چلتی رہے۔ بیوی بانجھ ہے۔ شادی کو آٹھ دس سال گذر گئے۔ سب علاج کر لئے مگر بے سود۔ سب طبیبوں کا متفق فیصلہ یہ ہے کہ مرد اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس کے برخلاف ڈاکٹرنیاں کہتی ہیں کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو اس صورت میں مرد کو نکاح ثانی کا حق ہے گو دنیا میں ایسے بھی نیک نفس لوگ گذرے ہیں اور آج بھی ہیں۔ جن میں طبعی کمزوری نہیں مگر بیوی کی خوشی کی خاطر اپنی نسل تک کی پرواہ نہیں کی اور بیوی کی محبت پر زندگی کے سب سے بڑے ارمان تک کو قربان کر دیا لیکن ایسے انسان بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے جو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی تو عین فطرت انسانی کے مطابق۔

(۳) بیوی کی بدنیتی بدطینتی بداخلاقی اگر ثابت ہو جائے تو بھی تعدّد ازدواج کی اجازت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بیوی کی نیت اگر شروع ہی سے خراب ہے۔ اس کی شادی شرافت اور انسانیت سے نہیں صرف دولت اور حیثیت سے کی گئی ہے اور وہ مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ ماں باپ بہن بھائی عزیز اقارب سب سے شوہر تعلقات

منقطع کر کے صرف سسرال کا ہو جائے۔ وہ میکہ کا بھرنا ہی نہیں بھر رہی بلکہ میاں کی دولت سمیٹ رہی اور کسی نہ کسی ترکیب سے میکہ پہنچا کر اس کی مالی حالت کمزور کئے چلی جا رہی ہے۔ اس کے روپیہ پیسہ اور عہدے سے غلط اور ناجائز فائدے اٹھا کر اسے بدنام کر رہی ہے۔ وقعت و عظمت اس کی نہیں اس کی دولت کی عزت و حرمت اس کی نہیں اس کی حیثیت کی ہے اس کی بد فطرتی اور بد اخلاقی نے شوہر کا سکون و آرام چین و اطمینان سب غارت کر دیا ہے۔ اس کی بد کلامی بد مزاجی بد دماغی نے جیتے جی شوہر کو موت کا مزہ چکھا دیا ہے۔ اور آپس میں مصالحت کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی ہیں تو یہ حالات ایسے ہیں کہ بدرجہ مجبوری شوہر کے لئے طلاق دینے کا دروازہ کھلا ہے لیکن بعض حالات میں طلاق خود بیوی کے لئے تباہی کا باعث ہے۔ تو ایسی صورت میں مرد عیاشی کی غرض سے نہیں بلکہ ضرورت سے مجبور ہو کر اور نکاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ پہلی بیوی کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر نہ پھینکے اور بالکل ہی دوسری بیوی کی طرف نہ جھک پڑے۔

پہلی بیوی جاہل یا دقیانوسی خیالات کی یا گنوار یا غیر مہذب ہے۔ ان میں سے نکاح ثانی کی ایک وجہ بھی معقول نہیں ہے۔ نکاح کے دس پندرہ سال بعد جب اوپر تلے بچوں کی پیدائش سے عورت صورت سے بے صورت ہو جائے تو وہ جس نے غریبی اور تنگ دستی میں رفاقت کا حق ادا کیا چار پیسے ہاتھ میں آجانے سے مردود ٹھیرائی جائے اور اس میں یہ نقص نکال کر اس کی چھاتی پر مونگ دلا جائے اور کہا یہ جائے کہ پہلی شادی

بزرگوں کے کہنے سے کی تھی۔ یہ عذر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ایجاب و قبول کے وقت ذمہ دار مرد کی برضا و رغبت ہاں پر ہی تو عقد نکاح کا اعلان ہوتا ہے اگر اس نے ان باتوں کی طرف سے اطمینان کئے بغیر شادی کی تو وہ خود ذمہ دار ہے۔ اس کی بیوی نہیں۔ اور اگر واقعی اس کی شکایت اپنی جگہ صحیح بھی ہے تو اس نے اسے دور کیوں نہیں کیا جبکہ وہ یقیناً بندوبست کر سکتا اور بیوی کو اپنے رنگ میں رنگ سکتا تھا۔ کوتاہی اس کی بیوی کی کم اور اس کی زیادہ ہے لہذا ذمہ دار اس کی بیوی نہیں وہ خود ہے۔

ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بڑی زبردست ذمہ داری ہے۔ غربا جنہیں پیٹ بھر کر دو وقت روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے اور تنگی ترشی سے جفاکشی کر کے زندگی گزارتے ہیں اور متوسط الحال جنہیں ایک بیوی کی کفالت اور چند بچوں کی غور و پرداخت تعلیم و تربیت اور سوسائٹی میں اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے ناک چنے چبانے اور بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں کس برتے پر دوسری شادی کا نام لے سکتے ہیں۔ ہاں اس کا خیال صرف متمول طبقہ ہی کر سکتا ہے لیکن تعدد ازدواج کے لئے شرط بہت کڑی ہے جسے ہر شخص پورا نہیں کر سکتا۔ کرنل میکگریگر کی تحقیق کے مطابق ایران میں ۲ فیصدی اور جسٹس امیر علی کی تحریر کے مطابق (سپرٹ آف اسلام) غیر منقسم ہند میں ■ فیصدی مسلمانوں کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں مگر فی زمانہ ہزار میں پانچ آدمیوں کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ اس بحث سے نتیجہ نکلا کہ

تعدد ازدواج کی عام اجازت نہ ہر شخص کو ہے اور نہ عام طور پر اس اجازت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ خطابات احمدیہ میں سر سید احمد خاں اس اسلامی اجازت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"عموماً ایک سے زیادہ جوروں کے کرنے کی اجازت نہیں دی گئی صرف ان کو اجازت ہے جن کو وجوہ طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت ہے تعدد ازدواج کی اجازت اس غرض سے ہے کہ تزویج کی تلخیوں کے واسطے اور مقاصد تزوج کے فوت ہو جانے کی حالت میں تدارک حاصل ہو عورت کسی سبب سے اپنے قدرتی فرائض کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو ایک سے زیادہ مگر کسی خاص حد تک جورو رکھنے کی اجازت ہے۔"

تعدد ازدواج سنت نہیں ہے

جس شخص کی تندرست قبول صورت خوش اخلاق سلیقہ شعار منتظم سگھڑ بیوی موجود ہے اور اس سے بچے بھی ہیں۔ وہ اگر جائز یا ناجائز دولت ہاتھ لگ جانے سے سنت کی ادائیگی کہہ کر دوسری شادی کر رہا ہے تو وہ پیغمبر اسلام کی سیرت پاک سے ناواقف ہے۔ نکاح کرنا یقیناً سنت ہے مگر بغیر کسی معقول وجہ کے ایک بیوی کی موجودگی میں کئی کئی نکاح سنت نہیں۔ تعدد ازدواج کی تخصیص رسول اکرمؐ کے ساتھ آخر کیوں جبکہ اس زمانہ میں ساری دنیا کا تمدن ہی یہ تھا، پھر کئی کئی بیویاں رکھنے والا کیا اور معاملات میں بھی رسول اکرمؐ کے نقش قدم چل رہا ہے؟ کیا وہ نماز کے مقررہ "فرض" ادا کرنے کے علاوہ بھی خدائے واحد کی عظمت کے آگے سربسجود ہوتا ہے؟ آدھی

آدھی رات تک خدا کے دربار میں کیا اس حالت میں کھڑا رہتا ہے کہ پاؤں شل ہو جائیں اور ان پر ورم آجائے؟ کیا وہ مسلسل کئی کئی وقت کے فاقے کرتا اور پیٹ سے پتھر باندھتا ہے؟ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ اپنی جوتیاں آپ گانٹھتا اپنے کپڑے خود دھوتا ہے؟ لہو ولعب کی محفلوں نشاط وطرب کی مجلسوں سے ہمیشہ دور رہتا ہے؟ وعدہ خلافی نہیں کرتا؟ جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی پر عیب نہیں لگاتا؟ کسی کی دل آزاری نہیں کرتا؟ کیا وہ کبھی زیردستوں سے نرمی اور اخلاق سے پیش آتا زخمی دلوں پر مرہم رکھتا، مظلوموں کی حمایت لیتا اور یتیموں پر شفقت کرتا ہے؟ کیا وہ بھی دشمنوں کے حق میں دعا کرتا ہے؟ رانڈوں بیواؤں دکھیاریوں محتاجوں مصیبت ماروں کی مدد کرتا ہے؟ گفتار میں اطوار میں کردار میں جسے رسول اکرم کی پاک ومقدس زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں اس کا تعدد ازدواج کو سنت کہنا اپنے پیغمبر کو بدنام کرنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بے سہارا بے پناہ دکھیاریوں رانڈوں سے نکاح کئے۔ وہ جس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا وہ بھی بیوہ اور بے سہارا ہے؟ مسلمانوں کی ماؤں میں نصف سے زیادہ عمر سے اتری ہوئی تھیں اُن میں بڑھیا بھی تھیں جن کے بال سفید تھے جن کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ جن کے چہروں پر جھریاں تھیں۔ کیا وہ بھی جھربلی پڑی کھال اکھڑی ٹوٹے دانتوں کی بڑھیا کو اپنی پناہ میں لا رہا ہے؟ رسول اکرم کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا اس پر بھی کئی کئی

بچوں والی بیواؤں کی ان کی خدمات اسلام کے معاوضہ میں پوری ذمہ داری لی۔ اور یتیم بچوں کی کفالت کی۔ کیا وہ کبھی کسی مذہبی۔ قومی، ملی، ادبی و سوشل خدمات کے پیش نظر کسی بیوہ سے نکاح کر کے اس کے بچوں کی کفالت حقیقی معنوں میں کر سکے گا؟ بچوں کی دیکھ بھال کے لئے حضرت سودہ بنت زمعہ کے علاوہ کہ وہ بھی کم سے کم پچاس سال کی بڑھیا تھیں محض حسن ظاہری کی وجہ سے یا ذاتی اغراض یا دنیاوی ضروریات سے رسول اللہ نے ایک بھی نکاح نہ کیا، کیا اس کے نکاح کی غرض حسن ظاہری یا جنسی کشش اور نفس پروری کے علاوہ اور بھی کچھ ہے؟ پیغمبر اسلام صلعم کے نکاحوں میں خالص مذہبی اور سیاسی مصلحتیں تھیں۔ کیا اس کے نکاح سے بھی سوسائٹی کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ کیا وہ اس لئے نکاح کر رہا ہے کہ برادری میں کنواری لڑکیوں کی عمریں ڈھل رہی ہیں۔ یا جوان بیوائیں بیٹھی ہیں؟ یا اس نکاح سے وہ یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کرے گا؟ تعدد ازدواج کی اجازت سے اسلام کا جو مقصد اور منشا ہے کیا واقعی وہ اسے پورا کر رہا ہے؟ اسلام میں تو "وہی عورتیں حلال ہیں جن سے نکاح کیا جائے۔ مہر کے معاوضہ میں پاکدامنی کے لئے نہ کہ عیاشی کی غرض سے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط (سورہ نسا آیت ۲۴) جو نفس پرور ہیں وہ چاہتے ہیں تم سیدھے راستے سے دور جا پڑو (آیت ۲۷)

عورت کا ایک ہی شوہر کیوں ہو؟

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد کو ایک بیوی کی موجودگی

میں جن وجوہ سے دوسری شادی کا اختیار ہو سکتا ہے اگر وہی شکایات بیوی اگر بھی اپنے شوہر سے ہوں تو ایک زوجگی کی پابند کیوں رہے ایک سے زیادہ شوہروں سے رابطہ کیوں نہ رکھے؟ اس کا جواب جنسی تقسیم جسمانی اختلاف توالد و تناسل کے سلسلہ میں تخلیقی فرق اور اس زبردست فرق کا طبعی عمل ہے کہ بار بار عورت کا رجحان نہیں ہوتا۔ لیکن مرد کے لئے کبھی کسی قسم کی معذوری نہیں۔ مرد بدمعاشی کرتا ہے۔ لیکن قدرت نے اس کے گناہ کی رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اس کے برخلاف بن بیاہی عورت مرد کے بہلائے پھسلائے میں آکر لغزش کر بیٹھے تو قدرت اسے معاف نہیں کرتی۔ وہ اپنا گناہ چھپائے چھپائے پھرتی ہے۔ برادری یا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھی جاتی اور اس غلطی کا ساری عمر خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ صنفین کے جسمانی ساخت کے طبعی عمل ہی کی وجہ سے مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے لیکن اگر عورت کے دو شوہر ایک ہی وقت میں ہوں تو کس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ اس کے ہاں ہونے والا بچہ کس شوہر کی اولاد ہے۔ آج کا مہذب کیا غیر مہذب انسان بھی ولدیت کو اہمیت دیتا ہے۔ یہی وہ زبردست مصلحت ہے جس کی بنائ پر طلاق ملنے یا بیوہ ہونے کے چار ماہ دس دن کی مدت یعنی عدت تک عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اسلام میں مرد ہی ایک بیوی یا ایک سے زیادہ بیویوں کے سارے اخراجات پورے کرنے کا ذمہ دار ہے معاش کے لئے وہی جدوجہد کرتا ہے۔ شریعت اسلامی میں فکر معاش کا ذمہ دار

عورت کو نہیں ٹھیرایا گیا۔ اس کے لئے فکر معاش سے بھی بڑھ کر بچوں کی پرورش و تربیت اور دوسری گھریلو ذمہ داریاں ہیں۔ اگر کوئی عورت دو مین شوہر کے فکرِ معاش میں سرگرداں پھرے گی اور بچوں کے پاس وقت گذارنے کی بجائے دفتروں ہوٹلوں میں رہے گی تو یہ قدرت کے قوانین سے جنگ ہوگی اور قدرت سے جو بھی ٹکرایا پاش پاش ہوا۔

مغرب کی تصویر حقائق کے آئینہ میں

پہلی جنگِ عظیم سے بھی کئی سال قبل جب مغرب میں لڑکے لڑکیوں کی پیدائش کا تناسب ۵۳ اور ۴۷ تھا تو فرانس اور امریکہ کا خیال تھا کہ معاشرے کی حالت درست کرنے کے لئے تعدد ازدواج بہتر صورت ہوسکے گی لیکن چونکہ یہ اسلام کے مطابق تھی بس صرف اس وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا گیا اور پھر نتیجہ کیا ہوا؟

فرانس کی تصویر

فرانس کے مشہور عالم عمرانیات پول بیورو کی ایک کتاب "ٹوورڈز ماڈل رینگ ریٹی" سنہ ۱۹۲۵ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی جس میں فرانس کی اخلاقی اور تمدنی حالت بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب کے متعدد اقتباسات مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ایک مضمون میں دیئے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں "بیسویں صدی کے آغاز تک پہنچتے پہنچتے عام طور پر فرانسیسی عورت کی بدکاری کو بھی اسی طرح غیر معیوب سمجھنے لگے جس طرح مرد کی بدکاری کو سمجھتے تھے اور نکاح کے بغیر کسی مرد سے تعلق رکھنا عورت کے لئے بھی کوئی ایسا فعل نہ رہا جس سے

اس کی شرافت و عزت پر بٹہ لگتا۔ پول بیورو لکھتا ہے: "اب نوجوان مرد اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب ہم پاک دامن نہیں تو ہمیں اپنی منسوبہ سے بھی عصمت کا مطالبہ کرنے کا اور یہ چاہنے کا کہ وہ ہمیں کنواری ملے کوئی حق نہیں۔" ... "بر گنڈی۔ بون اور دوسرے علاقوں میں یہ بات اب عام ہے کہ ایک لڑکی شادی سے پہلے سے "دوستیاں" کر لیتی ہے۔ اور شادی کے وقت اسے اپنے منگیتر سے اپنی گذشتہ زندگی کے حالات چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ لڑکی کے قریب ترین رشتہ داروں میں بھی اس کی بد چلنی پر کسی قسم کی ناپسندیدگی نہیں پائی جاتی، ... اس کی دوستیوں کا ذکر آپس میں اس طرح بے تکلف کرتے ہیں۔ گویا کوئی کھیل یا روزگار ہے" (ص۹۱) "فرانس کے متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ صورت حال بکثرت دیکھی جاتی ہے۔ ایک اچھے خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی کسی تجارتی فرم میں ایک اچھی جگہ کام کرتی ہے اور کسی نوجوان سے مانوس ہوگئی اور اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اب یہ بالکل ضروری نہیں کہ وہ آپس میں شادی کرلیں۔ دونوں شادی کے بغیر ہی ایک ساتھ رہتے ہیں ... کے تعلق کی یہ نوعیت سب کو معلوم ہوتی ہے۔ مہذب طبقوں میں دونوں مل جل کر جاتے ہیں نہ وہ خود اپنے تعلق کو چھپاتے ہیں۔ نہ کوئی دوسرا ان کی ایسی زندگی میں کسی قسم کی برائی محسوس کرتا ہے اس طرز عمل نے اجتماعی زندگی میں وہی جگہ حاصل کرلی ہے جو کبھی نکاح کی تھی" (ص۹۶) ... نمونہ ایس پیرس یونیورسٹی کے معلم قانون موسیو

برتھیلمی کا یہ بیان بھی دیا گیا ہے کہ "رفتہ رفتہ داشتہ کو وہی قانونی حیثیت
حاصل ہوتی جارہی ہے جو پہلے "بیوی" کو تھی۔ ایک سپاہی کی داشتہ کو
وہی نفقہ دیا جاتا ہے جو اس کی بیوی کے لئے مقرر ہے۔ اور اگر سپاہی
مرجائے تو اس کی داشتہ کو وہی پنشن ملتی ہے جو منکوحہ بیوی کو ملتی ہے۔
فرانسیسی فوج میں سپاہیوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں یہ بھی بتایا
جاتا ہے کہ امراض خبیثہ سے کس طرح محفوظ رہتے ہیں اور حمل روکنے
کی کیا تدابیر ہیں۔ ۲ مئی سنہ ۱۹۱۹ء کو فرانس کی ۱۲۶ (ویں) ڈویژن کے کمانڈر
نے سپاہیوں کے نام ایک اعلان شائع کیا تھا کہ فوجی قحبہ خانوں پر بیند و قحبوں
کے ہجوم کی وجہ سے عام سوار اور پیادہ فوج کے سپاہیوں کو شکایت ہے
کہ وہ دوسروں کو موقع نہیں دیتے۔ ہی کمانڈ کو خواہش رہا ہے کہ عورتوں
کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے مگر جب تک یہ انتظام نہیں ہوتا بند و قحبوں
کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زیادہ دیر تک اندر نہ رہا کریں اور اپنی خواہشات
کی تسکین میں ذرا عجلت سے کام لیا کریں۔"

سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک مدرسہ کی معلمہ جو غیر شادی شدہ تھی حاملہ پائی گئی
تو اس کی حمایت میں وزارت تعلیم میں معززترین ایک وفد حاضر ہوا اور
اس نے کہا "کہ کسی کی پرائیویٹ زندگی پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ اور
پھر اس نے آخر جرم ہی کیا کیا ہے، کیا نکاح کے بغیر ماں بننا زیادہ جمہوری
طریقہ نہیں ہے؟" پہلی جنگ عظیم سے قبل موسیو، ایک ممتاز جنرل نے اپنی
رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد ۵ لاکھ بتائی ہے جو اپنے جسم کو کرایہ پر

جیلائی میں "پول بیور دکھتا ہے:۔ "فرانس میں ایک ایجنسی اس اصول پر قائم کی گئی تھی کہ فرانس کی ہر عورت ایک نئے تجربے کے لئے آمادہ کی جا سکتی ہے۔ جو شخص کسی عورت سے تعلق پیدا کرنا چاہے اس کا پتہ بتانے کے ساتھ ابتدائی فیس ۲۵ فرانک ادا کر دے۔ اس ایجنسی کے رجسٹروں سے پتہ چلا کہ فرانسیسی سوسائٹی کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس کے کثیر تعداد لوگوں نے اس سے "بزنس" نہ کیا ہو۔ اور یہ کاروبار حکومت سے مخفی نہ تھا" (صہ ۱۴) ...... "تیس چالیس سال سے ہمارے ڈرامہ نگار زندگی کے جو نقشے پیش کر رہے ہیں ان کو دیکھ کر اگر کوئی شخص ہماری تمدنی زندگی کا اندازہ لگانا چاہے تو وہ بس یہ سمجھے گا کہ ہماری سوسائٹی میں جتنے شادی شدہ جوڑے ہیں سب خائن اور ازدواجی وفاداری سے عاری ہیں"۔

فرانس کی آبادی چار کروڑ سے کم نہیں مگر وہاں جن مردوں عورتوں کا نکاح تمام سال میں ہوتا ہے ان کی اوسط صرف آٹھ ہزار ہے اس سلسلہ میں کام پیشہ طبقہ کے متعلق پول بیورو لکھتا ہے کہ "نکاح سے پہلے عورت اپنے ہونے والے شوہر سے اس بات کا وعدہ لے لیتی ہے کہ وہ اس بچہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے اپنا بچہ تسلیم کرے گا"۔

فرانس میں طلاق کا قانون جب ۱۸۸۴ء میں بنا تھا تو چار ہزار طلاقیں لی گئی تھیں، مگر ۱۹۳۱ء میں ۲۱ ہزار۔

یہ حالات پہلی جنگ عظیم کے بعد تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے

بعد جب فرانس میں مردوں کی تعداد اور بھی کم ہو گئی تو حکومت کے ایک تحقیقاتی کمیشن نے بتایا کہ:-

"فرانس میں بد اخلاقی تشویش ناک حد تک ترقی کر رہی ہے بن باپ کے بچوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ عورت کی عصمت کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ پیرس میں ایک وقت کا کھانا کھلا کر یا ایک شراب کا گلاس پلا کر ایک کنواری لڑکی کی عصمت خریدی جا سکتی ہے۔"

انگلستان کی حالت

پروفیسر جوڈ اپنی کتاب "گائڈ ٹو ماڈرن ویکڈنس" میں لکھتا ہے کہ "انگلستان میں ہر سال کم سے کم نوے ہزار حمل ضائع کئے جاتے ہیں۔ بیاہی عورتوں میں ۲۵ فیصدی سے زیادہ خود ہی اسقاط کر لیتی یا کسی ماہر سے مدد لیتی ہیں اور جن کی شادی نہیں ہوئی اُن کا تناسب تو اُن سے بھی زیادہ ہے۔"

بشپ آف کانٹربری نے جو انگلستان کے سب سے بڑے مذہبی رہنما ہیں ۱۹۵۳ء میں لندن کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کی تھی۔ یہ تقریر مغربی تہذیب اور عورتوں کی آزادی کا آئینہ تھی۔ انہوں نے کہا:-

"کنواری ماؤں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ آزادی اور عورتوں کی بے راہ روی اور بدکرداری کا انگلستان کی ازدواجی زندگی پر بہت خراب اثر پڑ رہا ہے۔ شوہر اپنی بیویوں سے بے پرواہ ہوتے جا رہے ہیں۔ شادی شدہ عورتیں بھی غلط راستہ پر چلی جا رہی ہیں۔ گھریلو مسرتیں ختم ہو رہی ہیں اور اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا گیا تو اس ملک کی تہذیب اور معاشرہ درہم برہم ہو جائیگا۔"

یہ کیفیت انگلستان کی اور اس قوم کی ہے جو مغرب میں سب سے زیادہ قدامت پسند کہی جاتی ہے۔

خطبات احمدیہ میں سرسید احمد خاں لکھتے ہیں کہ یہودیت میں مرد کو اختیار ہے کہ بغیر کسی شرط یا وجہ کے جب چاہے بیوی کو طلاق دیدے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اسے منسوخ کیا کہ طلاق کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ زنا۔ اس وجہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کرے تو وہ زانی ہے اور جو شخص چھوڑی ہوئی عورت سے شادی کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔

مذہب عیسوی کی یہ تعلیم قابل عمل ہے یا نہیں یہ الگ بحث ہوگی لیکن اگر عوام کے پیش نظر ہوتی تو انگلستان کی عدالتوں میں طلاق کی بھرمار نہ ہوتی اور لارڈ بشپ آف کاونٹری کو وہ تقریر نہ کرنی پڑتی جس کا ایک ٹکڑا صفحہ ۴۳۱ پر دیا گیا ہے۔ گزشتہ ۱۹۳۶ء میں جب سابق شاہ انگلستان اڈورڈ ہشتم (اب ڈیوک آف ونڈسر) کی شادی کا مسئلہ اٹھا تو مذہبی خیالات کے لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ بادشاہ مسز سمپسن ایک طلاقن سے شادی کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مگر پادری کہتے تھے کہ عیسوی مذہب کی رو سے وہ طلاقن سے شادی نہیں کر سکتے۔ سابق بادشاہ انگلستان نے "اے کنگز سٹوری" میں اپنی سرگذشت بیان کی ہے صفحہ ۳۱۴ پر وہ لکھتے ہیں:

"پس آرچ بشپ آف کنٹربری اور میں ہم دونوں ایک اصول کے لئے لڑ رہے تھے میں اس عورت سے شادی کرنی چاہتا تھا جس میں تمام نسوانی خوبیاں ہوں اور وہ اس شادی کو صرف اس لئے روکنا چاہتے تھے کہ عورت طلاقن ہے۔"

اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر بادشاہ نے تاج و تخت چھوڑ

دیا مگر طلاق عورت کو نہ چھوڑا اور اسی سے شادی کی۔ اٹھارہ سال بعد اسی بادشاہ کی بھتیجی اور موجودہ ملکہ الزبتھ کی چھوٹی بہن شہزادی مارگریٹ نے گروپ کیپٹن ٹاؤن سینڈ سے شادی کرنی چاہی تو مذہبی حلقوں میں پھر مخالفت ہوئی کیونکہ گروپ کیپٹن طلاق شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ ڈیوک (سابق بادشاہ) مرد تھے۔ انہوں نے تاج و تخت کے ساتھ مذہبی احکام کی بھی پرواہ نہ کی شہزادی عورت ہے مذہبی احکام پر اس نے محبت کو قربان کر دیا مگر شہزادی کی انفرادی قربانی یا مذہبی احکام کا احترام نہیں، انگریز قوم کے معاشرہ کا آئینہ تو آرچ بشپ آف دنٹری کی تقریر اور یہ حقیقت ہے کہ آج انگلستان میں کوئی شریف اعلیٰ خاندان ایسا نہیں جس کے کسی نہ کسی فرد نے طلاق نہ لی ہو یا جسے طلاق نہ ملی ہو!!!

اور امریکہ میں

امریکہ میں جو طلاقوں کی بھرمار ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ " جولائی ۱۹۵۵ء میں مطلقہ عورتوں کی تعداد ۱۱½ لاکھ ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ شام کو شادی ہوئی اور صبح میاں بیوی طلاق لینے اور دینے کی غرض سے عدالت میں پہنچ گئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ان ساڑھے گیارہ لاکھ عورتوں میں سوا دو لاکھ عورتوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہیں"۔

مسز اینی بسنٹ کا بیان

اسلام نے مرد کو تعدد ازدواج کی مشروط اجازت حالات کے تحت دی ہے جس پر مغرب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بجائے اسلام پر منہ آتا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہے کہ ایک مشہور سن رسیدہ

مغربی عورت کے تاثرات یہاں نقل کر دیئے جائیں اور یہ مغربی عورت نامور مصنفہ جادو بیان مقررہ اور سیاسی رہنما سوشل ورکر مسز اینی بسنٹ ہیں! "تمام شائستہ ملکوں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان جو تعلق پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ بعض ممالک میں بطور مطمع نظر کے ایک مرد اور ایک عورت کے مابین صحیح اور ایماندارانہ جنسی تعلق کا وعظ کہا جاتا ہے۔ لیکن کسی ایک ملک میں بھی اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ اسلام تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے۔ عیسائیت اسے ناجائز قرار دیتی ہے تو ساتھ ہی اس سے چشم پوشی بھی کرتی ہے، بشرطیکہ کوئی قانونی بندھن ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ موجود نہ ہو۔ مغرب میں ایک عورت پر اکتفا رہنے کی جھوٹی رسم پائی جاتی ہے، لیکن درحقیقت وہاں ذمہ داری سلئے بغیر تعدد ازدواج موجود ہے۔ جب مرد اپنی داشتہ سے اُکتا جاتا ہے تو اُسے الگ کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ رفتہ رفتہ "بازاری عورت" کی پستی تک پہنچ جاتی ہے اس لئے کہ پہلے عاشق پر اس کے مستقبل کے لئے کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی اور وہ تعدد ازدواج والے گھر کی پناہ میں آئی ہوئی بیوی اور ماں کے مقابلہ میں سو گنی بدتر حالت میں ہوتی ہے۔ جب ہم ان لکھو کھا بدبخت عورتوں کو دیکھتے ہیں۔ جو مغربی شہروں کے بازاروں میں رات کے وقت جمع ہوتی ہیں تو اس وقت ہمیں بالضرور اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ مغربی منہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اسلام پر اس کی تعدد ازدواج کے لئے طعنہ زنی کرے۔ ایک عورت کے لئے یہ بات بہتر ہے۔ ایک

عورت کے لئے یہ امر زیادہ مسرت بخش ہے، ایک عورت کے لئے یہ بات زیادہ قابلِ احترام ہے کہ وہ اسلامی تعدد ازدواج میں زندگی بسر کرے جس میں وہ ایک ہی مرد کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور جائز بچہ کو اپنی گود میں کھلاتی ہے۔ اور ہر جگہ ادب و احترام کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ اُسے ورغلایا جائے اور پھر اسے ناکارہ سمجھ کر بازار میں پھینک دیا جائے (اکثر اوقات ایک ناجائز بچہ کے ساتھ جو قانونی حدود کے باہر رہتا ہے) ایسی حالت میں کہ اسے کہیں بھی پناہ نہ ملے اور اس کی کہیں بھی خبر گیری نہ ہو تاکہ راتوں کو وہ ہر کسی رہ گذر کی خواہشوں کا شکار بن جائے، ماں بننے کے قابل ہو جائے اور سب کی نظروں میں ذلیل رہے۔ قطع نظر اس کے مسلمان عورتوں کے ساتھ اس سے کہیں بہتر سلوک کیا جاتا ہے جتنا ازروئے قانون مغربی عورتوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ایک مثال لیجئے۔ زمانہ حال تک انگریزی قانون شادی شدہ عورت کے ورثہ کو ضبط کر لیتا تھا گویا شادی ایک طرح کی بدکاری ہے، اس کی کمائی کو وہ ضبط کر لیتا تھا اور اس کے بچوں پر اس کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اسلام کے قوانین کی رُو سے اس کی جائداد کو اچھی طرح سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی ممالک میں حاکموں اور مدبروں کی حیثیت سے عورتوں نے کتنا نمایاں حصہ لیا ہے (اسلام کھیدو سوفی کی روشنی میں)

میکس نورڈن کا بیان

جرمنی کے نامور مفکر اور مصنف میکس نورڈن Max Nordan نے اس مسئلہ پر

بہت غور وفکر کے بعد اپنی مشہور کتاب میں جس کا ترجمہ بعنوان
Conventional Lies of our civilization
انگریزی میں شائع ہوا ہے۔ لکھا ہے:۔

(۱) عیسائی اخلاق کا نظریہ صرف اس وجہ سے قائم ہے کہ اس پر کوئی شخص عمل پیرا نہیں ہوتا (صفحہ ۲۸۰)

(۲) "یہ بات ہوگی تو حیرت انگیز مگر میں ضرور کہونگا کہ ہم بیک وقت کئی افراد سے محبت کر سکتے ہیں۔
اور تقریباً یکساں محبت۔ اور ہم جھوٹ نہیں بولتے جب ہم ان میں سے ہر ایک کو اپنی محبت کا یقین دلاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان یک زوجگی پر عمل کرنے والا حیوان نہیں ہے۔ اور وہ تمام ادارے جو یک زوجگی کو ماننے کے اصول پر قائم ہیں کم و بیش غیر فطری ہیں۔" (صفحہ ۲۹۶)

(۳) شائستہ ممالک میں مرد تعدد ازدواج کی حالت ہی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ حالانکہ قانوناً اس پر یک زوجگی مسلط کر دی گئی ہے۔
ایک لاکھ مردوں میں مشکل سے ایک مرد ایسا نکلے گا جو مرتے وقت قسم کھا کر یہ کہہ سکے گا کہ زندگی بھر سوائے اس کی بیوی کے اس کا کسی عورت سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا" (صفحہ ۳۰۱)

اسلامی اور غیر اسلامی تمدن

اسلامی معاشرہ میں زنا بہت بڑا گناہ اور سوسائٹی کا اس قدر سنگین جرم ہے کہ

اس کی سزا چار گواہوں کی شہادت پر کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لئے سو سو کوڑے ہیں اور بیاہے مرد اور بیاہی عورت کے لئے سنگ باری۔ دنیا کے کسی مذہب میں عورت کو وہ حقوق حاصل نہیں جو اسلام نے عورت کو دیئے ہیں۔ وہ ہر معاملہ میں اس کی انفرادی حیثیت تسلیم کرتا ہے مگر اس کے باوجود اُس آزادی کی قطعی اجازت نہیں دی جس سے بے حیائی کا پہلو نکلے۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورت سے ارشاد باری ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھو (سورہ نور آیت ۳۰۔۳۱) عورت کا نامحرم مرد سے خلاملا آزادانہ میل جول اور بے تکلفی اسلامی معاشرت میں درست نہیں۔ عام عورتوں کا تو کیا ذکر مسلمانوں کی ماؤں تک سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"پرہیزگاری اختیار کرو۔ نامحرم مردوں سے بات کرتے وقت گفتگو کے لہجے کو نرم نہ کرو (کیونکہ عورت کے نرم لہجے سے (مرد جو دل کے کھوٹے ہوتے ہیں) بُری باتیں سوچنے لگتے ہیں۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۲)

بدکرداری اور بے حیائی کی حرکتیں بجلی کی طرح نہیں کہ بٹن دبانے ہی نمودار ہو جائیں۔ آغاز ہوتا ہے نظریں پڑنے پھر نظریں چار ہونے سے۔ بناؤ سنگھار زیب و زینت سے متاثر ہو کر ابتدا ہوتی ہے۔ پھر ملتا ہے موقع گفتگو کا۔ اور اب شروع ہو سکتا ہے معاشقہ۔ گفتگو کے لہجے کو نرم نہ کرنے کی تاکید تو بعد میں آتی ہے۔ اسلام نے تو پہلی ہی منزل میں ٹوک دیا ہے کہ "زمانہ جہالت کی طرح (بناؤ سنگھار کا اظہار کرنے کے لئے) اِدھر اُدھر نہ پھرو" (سورۂ احزاب آیت ۳۳)

"اے نبی اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور تمام مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ سر کے اوپر کپڑے کو اور ذرا آگے کی طرف نیچے کر لیا کریں تاکہ شناخت بن جائے اور پھر کوئی

انہیں نہیں چھیڑے گا۔" (سورۂ احزاب آیت ۵۹)
مرد عورتوں کے مخلوط جلسوں محفلوں پارٹیوں میں بے حجاب نیم عریاں ہو کر جب مسلمان عورت حصہ نہ لے گی۔ جب وہ زمانہ جہالت کی عورتوں کی طرح یا کسبیوں طوائفوں کی طرح بن ٹھن کر سنگھار کر کے خوشبوؤں میں بس کر راہ گیروں کے دلوں پر بجلیاں گراتی عام دعوت نظارہ دیتی بازاروں میں ادھر ادھر نہ پھرے گی اور جب وہ نامحرم مردوں سے گفتگو کے وقت نرم لہجے سے پیش نہ آئے گی تو نفسیاتی طور پر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہوگا۔ اسلام کا کوئی حکم انسانی فطرت کے خلاف نہیں اس لئے ناقابل عمل نہیں مسلمانوں کو پاکیزہ زندگی گذارنے اور بدکاری سے دور رہنے کی باربار تاکید ہے "ظاہر ہو یا پوشیدہ بے حیائی اور فحش کے قریب بھی نہ جاؤ۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ۔ اس سے فتنہ فساد اور دشمنی اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔ جن جن حالات میں بشریت سے چوک ممکن ہے اور قدرتی تقاضوں اور طبعی خواہشوں کی تکمیل کے لئے نفس کی پاکیزگی پر اثر پڑ سکتا ہے ان سب کو ملحوظ رکھ کر فطرت کے مطابق ہدایت کی گئی ہے تاکہ نفس گناہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور فتنے پیدا نہ ہوں۔
کسبیوں اور طوائفوں کی اسلام میں گنجائش ہی نہیں مگر مغرب میں مرد عورت ایک دوسرے کی رضامندی سے ناجائز تعلق رکھ سکتے ہیں اور قانوناً کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ پیشہ ور عورتوں کو اجازت نامے حکومتوں کی طرف سے ملے ہوئے ہیں۔ اور صرف اسی پر بس نہیں مہذب اور ترقی یافتہ

سوسائٹی نے شریف گھرانوں کی خواتین کو بھی عیاشی کی طرف مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مرد عورت بغیر کسی روک ٹوک، بغیر کسی بازپرس کے آزادانہ اور بے تکلفانہ دفتروں تفریح گاہوں، جلسوں، پارٹیوں میں ہی نہیں بازاروں اور سڑکوں پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عورتوں میں ستر پوشی صرف نام کو رہ گئی ہے اور وہ گھروں سے نکلتی ہیں پورا سنگھار و آرائش کر کے دادِ حسن لینے کے خیال سے اور یہ تمدنِ مغرب کے ممالک میں کنواری ماؤں کی تعداد میں ہر ماہ اضافہ کر رہا ہے۔ بیویاں دھڑلے سے بدلی جارہی اور طلاقیں نہایت کثرت سے ہو رہی ہیں۔ ناجائز بچوں سے لڑکے ہوئے تو فوج کے لئے، لڑکیاں ہوئیں تو نرس بننے کے لئے حکومتوں کے پرورش خانے بھرے ہوئے ہیں؛

ہر عمل کا ردِ عمل قانونِ قدرت ہے۔ ایک بیوی کی موجودگی میں خواہ حالات کچھ ہی ہوں دوسری شادی کو قانوناً سنگین جرم قرار دینے اور حجاب و حیا کی حدود توڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں "بے شرمی" عام ہو گئی۔ جہاں نسوانی تقدس ختم ہو کر حیا کا جنازہ نکل چکا ہو، جہاں پاکدامنی کی دھجیاں اڑ رہی ہوں، جہاں عصمت فروشی کامیاب کاروبار ہو، جہاں "جنسی تعلقات" تفریح کھیل اور فیشن کے مترادف ہوں، جہاں کی "بے راہ روی" قبل از اسلام کے عرب کی "جہالت" کو مات دے چکی ہو، وہاں انشد ضرورت کے وقت بھی روح کو آلودگی سے محفوظ رکھنے

اور عملی طور پر پاکیزہ زندگی گزارنے کی طرف ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا۔
اسلامی معاشرہ کے برعکس مغربی معاشرہ کی جو حالت ہے اس کا صحیح اندازہ پال ہیوریو۔ جوڈو۔ بشپ آف کاونٹری۔ مسٹر انپی لسنٹ میکس نورڈن کے الفاظ سے کیا جاسکتا ہے۔ یا پھر برطانیہ کی مشہور ناول نگار خاتون مس مارگھنیٹا لاسکی کے بیان سے۔

مس مارگھنیٹا لاسکی کا بیان

مس مارگھنیٹا لاسکی "ٹاؤن سٹیپر یکس" "ٹوبیڈ وِدگرینیڈ میوزک" اور "دی وکٹورین چیز لونج" جیسے مشہور ناولوں کی مصنفہ۔ چالیس سالہ بیوی اور ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ماں ہے۔ لندن میں یکم دسمبر ۱۹۵۵ء کو "غیر شادی شدہ ماؤں اور ان کے بچوں کی کونسل" میں اس نے جو تقریر کی تھی اس کا کچھ حصہ ۲ دسمبر کے پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوا ہے۔ تقریر کے دوران میں اس نے کہا۔

"برطانیہ کی ساٹھ فیصدی دلہنیں شادی سے پہلے ہی اپنے ہونے والے شوہروں کے ساتھ "جنسی تعلقات" قائم کر لیتی ہیں۔

اس قسم کے تعلقات قائم کرنے والی دلہنوں میں بیس سال سے کم عمر لڑکیوں کی تعداد اسی فیصدی ہوتی ہے۔

برطانیہ کی ۳۳ فیصدی لڑکیاں شادی کے وقت حاملہ ہوتی ہیں بیس سال سے کم عمر حاملہ دلہنوں کی تعداد تقریباً ۴۰ فیصدی ہوتی ہے۔

اور پھر یہی ضروری نہیں کہ یہی حاملہ لڑکیاں شادی سے پہلے ہی اپنے ہونے والے شوہروں سے جنسی تعلقات قائم کرتی ہیں بلکہ ایسے تعلقات پیدا کرنے والی لڑکیوں کی اصل تعداد تو اس سے بھی دگنی ہوگی۔

-- یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کچھ بُری بات نہیں۔

" میری رائے میں اگر ارادہ شادی کا ہے تو پھر شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ حقائق چشم پوشی کرنا ٹھیک نہیں۔"

مس لاسکی کی تقریر کے ساتھ ساتھ اخبارات کی یہ اطلاع بھی ہے کہ

" نیشنل ایسوسی ایشن آف گرلز کلب کے مشیر ڈاکٹر جوزلیفائین برلو اور بہت سے خاتون ماہرین اور ڈاکٹروں نے جن میں لندن کاونٹی کاونسل کی صحت کے سائیکی ایٹرک اڈوائزر ڈاکٹر ڈبلیو لنڈزسی نیوسٹیسر بھی شامل ہیں مس لاسکی کے اعداد وشمار کی تائید کی البتہ لندن جو ڈیلین کورٹ کے سابقہ چیئرمین سر بسیل ہینرک نے کہا کہ

" مس لاسکی کے اعداد وشمار تو غلط نہیں لیکن آج کی لڑکیوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ملکہ وکٹوریہ کے عہد کی لڑکیوں کو بھی وہ سب باتیں معلوم تھیں جو آج لڑکیاں جانتی ہیں۔ لڑکیوں کو اپنی عصمت کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ انہیں شادی کے لئے خود کو بچا کر رکھنا چاہیئے لیکن آج کی لڑکیاں اس طرح نہیں سوچ رہی ہیں اور لڑکوں کا کہنا ہے جب تک لڑکیاں خود اپنا بچاؤ نہیں کریں گی۔ لڑکوں کی زیادتیاں اور دست درازیاں بڑھتی ہی جائیں گی۔"

ختم شد

عصمت بُک ڈپو - کراچی ۳

قیمت پانچ روپیہ | (کتبہ حامد فرید آبادی) | مطبوعہ ضیا پریس کراچی

مسلمانوں کی مائیں

رسولِ عربی اور اُمہات المومنین کے حالاتِ زندگی

اور

پیغمبرِ اسلام کے نکاحوں کے بارے میں غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب

طبع

از

رازق الخیری